انوارِ صوفیہ

یعنی

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار

تصنیف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۱۰۵۲ ہجری

جسمیں

پاکستان و ہند کے تقریباً ۳۰۰ صوفیائے کرام و اولیائے عظام کے مستند
اور دلآویز حالات و کوائف ان کے ملفوظات و تصنیفات کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں

ترجمہ

محمد لطیف ملک ایم اے

شعاعِ ادب ۰ لاہور

بار اوّل ——— اگست ۱۹۵۸ء

بار دوم ——— جنوری ۱۹۶۲ء

تعداد ——— ۱۰۰۰

ناشر ——— محمد سلیم

طابع ——— اشرف پریس، لاہور

قیمت ——— دس روپے

شعاع ادب ○ لاہور

عشقِ ذوقیست ہمنشینِ حیات
بلکہ چشمیست بر جبینِ حیات

آب در میوۂ خرد عشقست
بلکہ آبِ حیاتِ خود عشقست

لذّتِ عشق عاشقان دانند
پاک بازانِ جان فشان دانند

شیخ فخرالدین عراقی رحمۃ اللہ

فہرستِ نقول وحکایات

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار

مطالب	صفحہ

ذکر لبعضے از نسائے صالحات

تکملہ

خاتمہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت	۹۵۸ ہجری بمقام دہلی
والد ماجد	شیخ سیف الدین سیفی قادری مُرید حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی رح المتوفی ۹۹۰ ہجری
سفرِ حجاز	۹۹۶ ہجری
زیارتِ مدینہ طیبہ	۹۹۸ ہجری
مراجعت بوطن	۱۰۰۰ ہجری، دہلی میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا آغاز
روحانی مُرشد	والدِ ماجد شیخ سیف الدین رح حضرت سید موسیٰ قادری رح شیخ عبدالوہاب متقی رح (مکہ معظمہ میں) حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رح
وفات	۱۰۵۲ ہجری
مدفن	دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے احاطہ مزار کے قریب حوضِ شمسی کے کنارے

تاریخِ ولادت: شیخ اولیاء ۹۵۸ — تاریخِ رحلت: فخرِ عالم ۱۰۵۲

علمی خدمات

علوم عقلی و نقلی پر کل تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے جن میں رسائل بھی شامل ہیں۔ فن و موضوع کے اعتبار سے شیخ محدثؒ کی تصانیف مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں:-

تفسیر، حدیث۔ تجوید۔ عقائد۔ فقہ۔ تصوف۔ اخلاق۔ اعمال و اوراد۔ فلسفہ و منطق۔ نحو۔ تاریخ۔ سیر و تذکرہ۔ ذاتی حالات۔ خطبات۔ مکاتیب۔ اشعار۔

چند مشہور تصانیف:- ۱۔ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ (فارسی)

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ (عربی)

۳۔ مدارج النبوۃ (فارسی) رسولِ مقبولؐ کی مکمل حیاتِ طیبہ

۴۔ شرح سفر السعادت (فارسی)

۵۔ تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان (فارسی) در ذکرِ عقائد

۶۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی) تاریخِ مدینہ منورہ

۷۔ اخبار الاخیار (فارسی) شیخ محدثؒ کی سب سے پہلی تصنیف ہے

۸۔ شرح فتوح الغیب شیخ جیلانیؓ (فارسی)

۹۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین شیخ جیلانیؓ (فارسی)

۱۰۔ آداب الصالحین (فارسی)

۱۱۔ تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف (عربی)

۱۲۔ کتاب المکاتیب والرسائل (فارسی)

۱۳۔ ذکرِ ملوک (فارسی) تاریخ سلاطینِ ہند۔

۱۴۔ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین (فارسی)

پیش لفظ

یکے بدامنِ مردانِ آشنا آویز ز یار اگر نگہ محرمانہ می خواہی (اقبال)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی بلند پایہ تصنیف اخبار الاخیار برّ صغیر پاک و ہند کے علماء و مشائخ کا مشہور و معروف تذکرہ ہے جسے اپنی جاذبیت، شگفتہ انداز اور نقد و تحقیق کے اعتبار سے قبولِ عام کی سند حاصل ہے۔ خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں " اخبار الاخیار شیخ محدث رح کے علمی تبحر، اندازِ تحقیق اور وسعتِ مطالعہ کی بہترین آئینہ دار ہے، قرونِ وسطیٰ کے پورے مذہبی لٹریچر پر اُن کی نظر ہے، وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس کی پوری تحقیق کرتے ہیں، عقیدت کہیں واقعات کی تحقیق میں مانع نہیں آتی، اصولِ اسناد کا

استعمال شیخؒ نے نہایت سختی سے کیا ہے۔ ؂۱

اخبار الاخیار ایک قابلِ قدر تاریخی و ادبی یادگار ہونے کے علاوہ حکمت و نصائح اور پاکیزہ تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اس میں سلسلۂ چشتیہ کے مقتدائے بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری قدس سرہٗ سے لے کر مصنف علیہ الرحمۃ کے زمانے تک کے ممتاز مشائخ و علماء اور صوفیانِ باصفا کے حالات و کوائف ان کے ملفوظات و تصنیفات کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔ کتاب میں تین ۳سو کے قریب اُن صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی مقدس زندگیوں کی دل آویز داستانیں درج ہیں جو اس سرزمین میں رہے بسے اور جن کی اعلےٰ تعلیمات کے انوار سے اِس برِّصغیر کا قدیم اِسلامی عہد تابندہ و روشن ہے ان مصلحینِ اُمّت نے کمال اخلاص و دردمندی سے اپنے عہد کے مسلمانوں کے اخلاق، مذہبی رجحانات اور معاشرت و سیاست کی اصلاح کا کام انجام دیا اور نہایت بیباکی و حق گوئی سے سلاطینِ وقت و امرائے سلطنت کے افعال و کردار کو تنقید کا نشانہ بنائے رکھا۔

؂۱ حیاتِ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء

اخبار الاخیار فارسی کے مطبوعہ نسخے بہت کمیاب ہیں۔ مطبع مجتبائی دہلی میں یہ کتاب دو مرتبہ (۱۳۰۹ھ و ۱۳۳۲ھ میں) طبع ہوئی تھی۔ اس مطبع کا دوسرا ایڈیشن (طبع ۱۳۳۲ھ) کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ مطبع محمدی دہلی (طبع ۱۲۸۳ھ) اور مطبع ہاشمی میرٹھ (طبع ۱۲۷۸ھ) کے نسخے اس وقت بالکل نادر الوجود ہیں۔ راقم سطور مؤخر الذکر نسخے کے لیے محبی عالمگیر شجاع صاحب کا رہین منت ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانے سے یہ نادر نسخہ عاریتاً مرحمت فرمایا۔ مطبع محمدی کا نسخہ چونکہ بعینہٖ اسی نسخے کی نقل ہے لہذا موازنہ و مقابلہ کے لیے صرف مجتبائی (۱۳۳۲ھ) اور ہاشمی (۱۲۷۸ھ) کے نسخوں پر اکتفا کی ہے۔ ہر چند یہ دونوں نسخے بجائے خود اسقام سے خالی نہیں لیکن تقابلی مطالعہ سے اکثر مشکلات رفع ہو جاتی ہیں اور متن کی صحت متعین ہو جاتی ہے۔ ترجمۂ کتاب میں بخوف طوالت نسخۂ بدل درج کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

انوار صوفیہ کی مجوزہ تقطیع کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی ضخامت کو حتی الوسع محدود رکھنا ضروری تھا، لہذا اس مجبوری کی بنا پر بعض جگہ اختصار و التقاط

سے کام لینا پڑا، لیکن یہ عمل انتہائی احتیاط سے کیا گیا ہے اور کتاب کی تاریخی، تحقیقی اور معنوی حیثیت میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا۔ مزید برآں مجموعی طور پر کتاب کی دلچسپی و افادیت کو ہر قدم پر ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔

راقم الحروف اس ترجمے کی تکمیل کے سلسلے میں کرمفرمائے مخلص مولوی شمس الدین صاحب تاجر کتب لاہور کا خصوصیت سے ممنون ہے کیونکہ ان کی وساطت سے وقتاً فوقتاً تصوف کی بعض نادر تصانیف دیکھنے کا موقع ملا جس سے کام میں بہت سہولت پیدا ہو گئی۔

لاہور ۲۱ر جولائی ۱۹۵۸ء

طبع دوم

ناشرین نے انوارِ صوفیہ کے موجودہ ایڈیشن کی تقطیع بڑھا کر اس کے حاشیہ میں اصلاح و ترمیم کا موقع پیدا کر دیا، لہذا ترجمے کی کامل نظرِ ثانی کرکے ضروری اضافے اور تصحیح کی گئی ہے۔ اختصار و التقاط کا عمل

طبقۂ سوم کے معدودے چند بزرگوں تک محدود کر دیا گیا ہے اور اس میں بھی یہ التزام کیا ہے کہ افادیت کا کوئی پہلو کمزور نہ رہے۔ نظرثانی کے دوران میں اردو عبارت کو فارسی متن سے قریب تر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح ترجمے میں زیادہ حسن و کیفیت پیدا ہو گیا ہے۔

امید ہے کہ نقش ثانی ارباب معرفت کے نزدیک پہلے سے زیادہ مقبول ہوگا اور عام اردو دان طبقے کے لیے اس کا مطالعہ قلبی راحت و سرور کا موجب ہوگا

ع صحبت اہل صفا نور و حضور و سرور

لطیف ملک

لاہور

۷ر جنوری ۱۹۶۲ء

○

صحبتِ مرداں اگر یک ساعت است
بہتر از صد چلّہ و صد طاعت است

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضورِ اولیا

چوں شوی دور از حضورِ اولیا
در حقیقت گشتۂ دور از خدا

مولانا رُوم رحمہ اللہ

اخبار الاخیار
فی
اسرار الابرار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکر ہے اس واہب العطیات پاک اور بزرگ کا جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں اور جس کی نعمتوں کا شکر حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ نعمتوں میں سب سے اوّل نعمتِ وجود ہے اور باقی سب نعمتیں اس کے بعد مشہود ہیں۔ چونکہ نعمتِ ہستی دائم ہے لہٰذا دوامِ نعمت کو دوامِ شکر لازم ہے پس ایسا کون ہے جو ایک ہی نعمت کے شکر سے عہدہ برآ ہو کہ پھر دوسری نعمتوں کا شکر ادا کرے قطعہ

عقل در اندیشہ فرو شد مگر　　شکرِ خداوند تعالیٰ کند

دید کہ ہرگز نتواند کہ آں　　لائقِ آں در کرِ والا کند

تا ابدالدہر ز شرمندگی　　سر نتوانست کہ بالا کند

خدا کی انہی لامتناہی نعمتوں میں سے ایک نعمت سانس ہے جو ہر لحظہ بے کمی و کوتاہی جاری رہتا ہے کہ جس کی آمد و شد میں ہزاروں نعمتیں موجود ہیں اور جس کے حصر و احصا میں عقل گم ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ جَلَّتْ قُدْرَتُہٗ وَدَقَّتْ حِکْمَتُہٗ

ایک اور نعمت راتب ہر روزہ ہے جو صبح و شام بطریق ادرار تجھ کو پہنچتا ہے نظر کر اور اس کے اسباب و آلات کو غور سے دیکھ۔ فَسُبْحَانَ مَنْ تَمَّتْ حِكْمَتُهٗ وَعَمَّتْ نِعْمَتُهٗ۔

دوسری تمام نعمتوں مثلاً مآکل، مشارب، ملابس، مآرب، مجالس، مساکن، مراد، مواطن اور تمام نعمت ہائے سماوی و ارضی و علوی و سفلی و روحانی و جسمانی و ظاہری و باطنی کو غور سے دیکھے اور اپنی قوتِ فکریہ کو خدائے علیم قدیر کی تخلیق و تقدیر و تربیت و تدبیر میں صرف کرے تو سوائے سکوت و حیرت کے اور کیا ملے گا اور عجز و بندگی کے سوا اور کیا ہوگا یہ سب کچھ تیرے ہی واسطے ہے تاکہ تو اس کی یاد میں محو رہے اور درگاہِ بے نیازی میں ارادت سے آئے فَسُبْحَانَ مَنْ لَاحَصْرَ لِاٰلَآئِهٖ وَلَا اِحْصَاءَ لِنَعْمَائِهٖ

جس طرح خالقِ موجودات کا شکر و سپاس حیطۂ امکان و احاطۂ انسان سے خارج ہے۔ سیدِ کائنات کی مدح و ثنا بھی شرح و بیان کی مجال سے باہر ہے وہ اول میں باعثِ خلقتِ آدم ہیں، آخر میں واسطۂ ہدایتِ بنی آدم، باطن میں مربیِ ارواح، ظاہر میں متممِ اشباح، کاسرِ ارکانِ ادیان و دول، ناسخِ احکامِ ملل و نحل، نقشِ خاتمِ وجود، نقشِ فصِ معرفت و شہود، مقصودِ معتکفانِ مقصورۂ افلاک، مقصدِ سالکانِ مطمورۂ خاک، متممِ مکارمِ اخلاق، مکملِ کاملانِ آفاق، حاجزِ منزلینِ وجود و عدم، برزخِ بحرینِ حدوث و قدم، جامعِ نسخۂ امکان و وجوب، موجبِ رابطۂ طالب و مطلوب، عزیزِ مصرِ صمدیت، ملکِ مملکتِ احدیت، مظہرِ حقیقتِ فردانیت، مظہرِ صورتِ رحمانیت، سرِ مکتومِ غیبِ لاہوت، طلسمِ معلومِ گنجِ جبروت، مروحِ ارواحِ ملکوتیہ، مزینِ اشباحِ ناسوتیہ، بدایتِ خطِ ولایت، نہایتِ دائرۂ نبوت، مظہرِ اتم، رحمتِ اعم، عقلِ اول، ترجمانِ ازل، نورِ انوار، سرِ اسرار، ہادیِ سُبل، سیدِ

رُسل، نورِ اسنیٰ، سراجِ ہدیٰ، حبیبِ اعلیٰ، صفیِ اصفیٰ محمّد مُصطفیٰ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِہٖ

اور اسی قیاس پر آپؐ کی آلِ کامل الاحوال کے کمالات اور اصحاب وافرالنصاب کی صفات اور ائمہ اہلِ کرم کی انواعِ نعم و اصنافِ احسان، حصر و احصاء سے باہر اور حیطۂ استیفاء و استقصاء سے خارج ہیں۔ سب اُسی دریا کی لہریں اور اُسی آفتاب کے چاند ہیں، جو فیض کہ آج تک جاری ہے اور جو نور کہ دین میں چمک رہا ہے اُنہی کی وساطت سے ہے، ہر نہر کی علیحدہ آب داری اور ہر چاند کی علیحدہ تابداری ہے۔ ان میں سے ہر ایک کتابِ فضل کی ایک علیحدہ فصل اور ایک نیا باب ہے۔ کوئی صدق و سداد کے ساتھ موصوف ہے اور کوئی عدل و داد سے معروف، کوئی سجیۂ حیا سے موسوم ہے اور کوئی علمِ بے انتہا سے معلوم، خلافت نامۂ خاتمِ نبوّت خاتمِ ولایت کی مُہر سے تمام ہوا اور دورِ خلافت کا اختتام ہوا۔

اس کے بعد خاتمِ ولایت سے کہ جس پر شجرۂ علم و ہدایت منتہی ہوتا ہے اتنے شعب و شجرات و فروع و ثمرات پیدا ہوئے کہ درختِ طوبیٰ کے مثل اُن کے کمالات ہر طرف سایہ فگن ہوئے اور تمام عالم جمالِ ولایت کے نُور سے منوّر ہو گیا خصوصاً آنحضرت کی اولادِ امجاد اور احفادِ عالی نژاد جنہوں نے بحکم وراثتِ حقیقی و مناسبتِ ذاتی کل کمالات کا وافر نصیب اور کامل ترفیض پایا اور بحکمِ عصمتِ ذاتی، ولایتِ معنوی کا عَلَم بلند کر کے ریاستِ ظاہری کو دوسروں کے لیئے چھوڑ دیا۔ نُورِ ولایت کبھی خاندانِ نبوّت سے جُدا نہیں ہوتا اور فلکِ ولایت کو ان قطبوں کے بغیر ہرگز قرار نہیں۔

پھر ان قطبوں میں سے جس کو چاہا قطبِ اقطابِ عالم اور غوثِ بنی آدم اور مرجعِ

ثقلین اور مشہورِ مغربین بنا دیا اور وہ نبی دین اور مجددِ شرعِ متین ہوا۔ اگرچہ جمالِ محمدؐ تمام
آلِ محمدؐ میں تابان ہے لیکن یہاں اور ہی جمال اور اور ہی کمال ہے۔ جمال جمالِ محمدؐ ہے
اور کمال کمالِ محمدؐ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وعلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۵

عالم ظہورِ نورِ کمالِ محمدؐ ست — آدم مثالِ حسن و جمالِ محمدؐ ست
از آفتابِ روزِ قیامت چہ غم بود — آن را کہ در پناہِ ظلالِ محمدؐ ست
اے غرقۂ گناہ ز طوفانِ غم مترس — کشتیِ نوح عصمتِ آلِ محمدؐ ست

اما بعد فقیرِ حقیر عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری عرض پرداز
ہے کہ اربابِ عقل و اصحابِ نظر پر جو زمرۂ اہلِ خبرت و اعتبار سے ہیں یہ بات محقق و
مقرر ہے کہ مؤثر ترین حالات بلکہ افضل ترین عبادات، اہلِ کمال کی مصاحبت اور مقربانِ
درگاہِ ذوالجلال کی ہم نشینی ہے کیونکہ اُن کی استقامتِ احوال کا مشاہدہ سالک کو
ہمت بخشتا ہے جس سے سخت عبادتیں اور دشوار ریاضتیں جو اس طریق کے سلوک
میں لازم ہیں آسان ہو جاتی ہیں، بلکہ اُن بزرگوں کے معائنۂ جمال سے دل میں ایک نور
پیدا ہوتا ہے جس سے شک و شبہ کی ظلمت جو علتِ بُعد و حجاب ہے زائل ہو جاتی
ہے لیکن کاملوں کی دولتِ صحبت اور عارفوں کے مشاہدۂ جمال سے محروم ہونے کے
بعد اُن کے حالات کا مطالعہ اور اُن کے آثار کی پیروی، ہمت فزائی اور ظلمت کے دُور
کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جیسے کہ اُن کی صحبت و ہم نشینی، بلکہ یہ بھی ایک قسم کی
صحبت ہے۔ اطمینان و ثبات و نصیحت و عبرت کے علاوہ اس کے بہت فوائد و
منافع ہیں۔ اوّل یہ کہ اولیاء اللہ کا وجود ایک ایسی رحمت ہے جس میں سب شامل
ہیں اور ایک ایسی نعمت ہے جس سے ہر شخص واصل ہے۔ پس واما بنعمۃِ

رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے بموجب اُن کے مناقب وفضائل کا ذکر جو درحقیقت اس نعمتِ عظمیٰ وعطیۂ کبریٰ کا شکریہ ہے ضروری ہو جاتا ہے اور ان صفاکیشوں سے اعتقاد و محبت واجب و لازم۔ رُباعی

ہر کس کہ کمالِ اولیاء را نہ شناخت
ایں نعمتِ خاص بے بہا را نہ شناخت
پس شکر نگفت و حُبِّ ایشاں نگزید
می داں بہ یقین کہ اُو خدا را نہ شناخت

چونکہ دیارِ عرب و عجم کے مشائخ کا تذکرہ اربابِ معارف کی کتب و صحائف میں مذکور ہے خاطرِ فاتر میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان اوراق میں جو کچھ اخبار و آثار تحریر کیے جائیں وہ حضرت پیر دستگیر شیخ العالم والغوث الاعظم فرد الاحباب قطب الاقطاب غوث الثقلین شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر الحسنی الجیلانی رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بعد صرف اِس ملک کے مشائخ سے مخصوص ہوں یعنی ملکِ ہندوستان جو غُرباء و محبان و دوستانِ خدا کا خاص مقام ہے، کیونکہ اگرچہ ان میں سے بعض مشاہیر کے احوال مسطور ہو چکے ہیں، لیکن اکثر دوسرے مشائخ و علماء و اتقیا کے حالات، جو زمانۂ ابتدائے فتحِ اسلام سے جبکہ ان بزرگوں کا اِس ملک میں ظہور ہوا ہر عصر اور ہر عہد میں مشہور و معروف رہے ہیں، کسی خاص کتاب میں بالتفصیل درج نہیں اور محض کسی تقریب و وسیلہ سے بعض ملفوظات و رسائل میں مذکور ہیں یا خواص و عوام میں مشہور ہیں، اِس کے علاوہ ان متاخرین صوفیہ کے احوال و اوصاف جو اِس زمانے کے قریب ہیں ابھی تک تحریر میں نہیں آئے اور صرف معاصرین کے زبان زد ہیں۔ پس حضرت خواجۂ بزرگ معین الدین قدس اللہ سرہٗ

لئے زمانہ سے سنہ ۱۰۰۰ھ کے منتہا تک (جو اس کتاب کی تاریخِ تحریر ہے) اولیا، عرفاء، مشائخ، بزرگانِ دین اور مقتدایانِ اربابِ یقین کے جو احوال کتب و ملفوظاتِ مشائخ چشتیہ ... میں نظر آئے، نیز اُن ثقہ راویوں سے سنے گئے ... ش اور کدوکاوش کے بعد جو کاتبانِ تاریخ اور ... یے ضروری ہے، اس صحیفۂ شریفہ میں درج کیے گئے ہیں اس لحاظ سے ... کا نام اخبار الاخیار فی اسرار الابرار رکھا گیا۔ ہر ایک بزرگ کی تعریف و توصیف ... اندازہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اور مبالغہ سے قطع نظر کر کے جو کچھ مناسب حال تھا بیان کیا گیا ہے، اور اُن کی تصنیفات و تالیفات اور مکاتیب و رسائل میں جو کچھ معاملاتِ طریقت و مکاشفاتِ حقیقت یا وعظ و نصیحت و ارشاد و تربیت سے متعلق نظر آیا اس میں سے کچھ قلمبند کیا گیا ہے۔

طبقۂ اوّل

خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی قدس سرہٗ جو اس ملک کے سرحلقۂ مشائخ کبار اور اقدمِ سلسلۂ چشتیہ ہیں اور اُن کے معاصر خلفاء و مریدین وغیرہم کے ذکر پر مشتمل ہے۔

طبقۂ دوم

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ اور اُن کے معاصرین و مریدین کے لئے مخصوص ہے۔

طبقۂ سوم

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ اور اُن کے معاصرین سے متعلق ہے

اور پھر اسی ترتیب سے اپنے زمانے تک لکھا گیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
اس کے بعد بعض مجذوبوں اور بزرگ عورتوں کا تذکرہ بلا لحاظ تقدم و تاخر کیا گیا
ہے۔ خاتمہ میں کاتبِ حروف کے بعض اسلاف کا مجمل تذکرہ ہے رحمۃ اللہ علیہم
اور والد ماجد قدس سرہٗ کا مفصل حال لکھا ہے۔ آخر میں کچھ اپنا ماجرا بیان کر کے
مجیب الدعوات کی درگاہ میں مناجات اور سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی
نعت پر کتاب کو ختم کیا ہے۔

الحق یہ ایک ایسا مجموعہ ہے کہ اگر کوئی فقیر اس کے ساتھ اپنے وقت کو خوش
کرے تو بجا ہے اور اگر کوئی سالک اس سے اپنا مطلوب طلب کرے تو امید ہے
کہ وہ حرمان سے دو چار نہ ہوگا۔ شاید کہ قبولِ درگاہ سے مقبول ہو اور حصولِ مقصود
سے موصول،

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَجْمَعِیْنَ الطَّیِّبِیْنَ
الطَّاهِرِیْنَ ط

قطب الاقطاب غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ

اکمل اولیائے اہل بیت و اعاظم سادات حسنیہ میں سے ہیں۔ آپ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام المسلمین حسن بن امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کی اولاد سے ہیں، آپ کی نسبت قصبہ جیل سے ہے کہ اس کو جیلان اور گیلان بھی کہتے ہیں۔ ولادت باسعادت ۴۷۱ھ میں ہوئی اور ایک روایت کے مطابق سالِ ولادت ۴۷۰ھ ہے۔ آپ نے عمر شریف کے تینتیس ۳۳ سال تدریس و فتویٰ میں اور چالیس ۴۰ سال وعظ و نصیحت اور ارشادِ خلق میں صرف کیے۔ آنحضرت نے نوّے برس کی عمر پائی اور ۵۶۱ھ میں انتقال فرمایا۔ ۴۸۸ھ میں جب آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی بغداد میں تشریف فرما ہوئے اور شیوخ و ائمہ و اعلام امت و علمائے سنت و اعیانِ دین کی خدمت میں قرآن مجید کو بارِ روایت و درایت و سرو ملن نہایت استواری سے تجوید فرمایا اور اعلام محدثین و اعظم مستندین و علمائے متقین سے استماعِ حدیث کیا، تحصیلِ علوم کی یہاں تک تکمیل فرمائی کہ کل علوم میں اصولاً و فروعاً و مذہباً و خلافاً بغداد کے تمام اکابر سے بلکہ تمام علمائے بلاد سے بڑھ گئے حتیٰ فاق الکل فی الکل و صار مرجع الجمیع فی الجمیع۔ بعد ازاں خدائے عزّوجل نے آپ کو لوگوں پر ظاہر کر دیا اور خواص و عام کے

دلوں میں قبولِ عظیم وعظمتِ تمام ڈال دی اور آپ کو قطبیتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ کے مرتبے سے مخصوص کیا اور ہر چہار طرفِ عالم سے فقہاء وعلماء وطلبہ وفقراء کے تمام گروہوں کو جناب عرش مآب کی طرف متوجہ کیا۔

آپ قطبِ وقت، سلطانِ موجودات، امامِ صدیقین، حجتِ العارفین، روحِ معرفت، قلبِ حقیقت، زمین میں خدا کے خلیفہ، اس کی کتاب کے وارث اور اس کے رسول کے نائب، وجودِ محض، نورِ خالص، سلطانِ طریق اور بالتحقیق موجودات میں تصرف کرنے والے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن جمیع الاولیاء۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت کو جامع مسجد میں چھینک آئی اس پر حاضرین میں سے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ اور یَرْحَمُكَ کی اس قدر آوازیں بلند ہوئیں کہ خلیفہ مستنجد باللہ نے جو اس وقت مسجد کے حجرے میں فروکش تھا مصاحبین سے دریافت کیا کہ یہ کیا شور ہے۔ جواب ملا کہ شیخ عبدالقادر کو چھینک آئی تھی اور لوگوں نے ان کے حق میں دعا دی ہے۔

حضرت کے علمی کمالات کے متعلق روایت ہے کہ ایک روز کسی قاری نے آپ کی مجلس میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی۔ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں پہلے ایک معنی بیان فرمائے، اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرے یہاں تک کہ حاضرین کے علم کے مطابق آپ نے اس آیت کے گیارہ معانی بیان فرمائے۔ اس کے بعد دیگر حقائق کا ذکر شروع کیا اور اس طرح چالیس حقائق تک تعلیم فرمائی، ہر معنی کے ساتھ سند بیان کی اور تمام حقائق کی تائید میں دلائل دیئے اور ہر دلیل کی تفصیل بیان فرمائی جس سے حاضرین دم بخود رہ گئے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ

کرحال کی طرف آتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ طز بانِ مبارک سے اس کلمے کا نکلنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش و اضطراب برپا ہو گیا اور گریبان چاک کر کے صحرا کی جانب بھاگنے لگے۔

ایک مرتبہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں پچیس[۲۵] سال تک ترکِ دُنیا کی خاطر عراق کے جنگلوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ حالت یہ تھی کہ نہ کوئی شخص مجھے پہچانتا تھا اور نہ میں کسی سے آشنا تھا، غیب کے لوگ اور جنات میرے پاس آتے اور میں ان کو طریقت کی تعلیم دیتا تھا، چالیس سال تک فجر کی نماز عشا کے وضو سے پڑھتا رہا۔ پندرہ سال تک نماز عشا ادا کرنے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہا اس طرح کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر اور ایک ہاتھ سے دیوار کی کھونٹی پکڑ کر قرآن کی تلاوت کا آغاز کرتا اور صبح ہونے تک ختم کر دیتا تین سے لے کر چالیس دن گزر جاتے کہ خورونوش اور راحت و خواب سے محروم رہتا۔ گیارہ سال تک بُرج بغداد میں جس کو میرے طویل قیام کی وجہ سے بُرج عجمی کہتے ہیں یادِ حق میں مشغول رہا۔ اس دوران میں خدا سے عہد کرتا رہتا کہ جب تک غیب سے کھانے کو نہ ملے گا ہرگز کوئی چیز نہیں کھاؤں گا، اس حالت میں کافی عرصہ گزر جاتا اور میں اپنے عہد پر قائم رہتا تھا، میرا دعویٰ ہے کہ میں نے آج تک خدا سے کوئی عہد باندھ کر نہیں توڑا۔

ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ کسی سفر میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے استدعا کی کہ مجھے اپنی صحبت میں شامل کر لیا جائے مگر اس شرط کے ساتھ کہ کسی حال میں بھی صبر اور دوستی کا دامن چھوٹنے نہ پائے، ایک دفعہ وہ شخص مجھے ایک جگہ بٹھا کر کہیں چلا گیا اور یہ وعدہ کر گیا کہ جب تک میں نہ آؤں اس جگہ سے نہ جانا ایک سال

پھراسی حال میں گزر گیا اور وہ شخص نہ آیا، میں حسب وعدہ وہیں بیٹھا رہا، پورا ایک سال گزر جانے پر وہ آیا اور مجھ کو اسی جگہ بیٹھے پایا، پھر اُس نے ویسا ہی ایک وعدہ کیا اور چلا گیا، الغرض یہ واقعہ تین دفعہ پیش آیا، آخری دفعہ جب وہ آیا تو اس کے پاس روٹی اور دودھ تھا، اس نے کہا کہ میں خضر ہوں اور مجھ کو اس لیئے بھیجا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں، پھر اُس نے کہا اب اٹھو اور بغداد آ کر قیام کرو اور سفر و سیاحت کو خیرباد کہو، حاضرین نے پوچھا کہ اس تین سال کی مدت میں کھانا کہاں سے کھاتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ غیب سے مل جاتا اور زمین پر پڑا پاتا اسی پر بسر اوقات کرتا۔

حضرتؒ کی مجلس وعظ میں چار سو آدمی قلم دوات لیے بیٹھے رہتے تھے اور جو کچھ آپ سے سنتے وہ لکھ لیتے تھے، آپ نے فرمایا کہ میں نے شروع میں رسول اکرمؐ اور حضرت مرتضیٰؓ کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے مجھے بولنے کا حکم دیا اور میرے منہ میں لعاب دہن ٹپکایا۔ اس طرح مجھ پر سخن کے دروازے کھول دیئے گئے۔

نقل ہے کہ آنحضرت کی مجلس کبھی یہود و نصاریٰ وغیرہ سے جو آپ کے ہاتھ پہ مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور نہ قزاق، بدعتی اور مذہبی مفسدہ پردازوں سے جو دست حق پرست پر توبہ کرتے تھے خالی نہ ہوتی تھی، پانسو سے زائد یہود و نصاریٰ اور لاکھ سے زیادہ دوسری جماعتوں کے لوگ آپ کے ہاتھوں تائب ہوئے اور فسق و فجور کی زندگی سے باز آئے۔ اس کے علاوہ عام خلقت کی فیض یابی کا کوئی شمار نہیں۔

نقل ہے کہ جب حضرت منبر پر تشریف لاتے تو انواع علوم میں کلام کرتے تھے، مضی المقال وعطفنا بالحال یہ فرماتے ہی لوگوں میں اضطراب و وجد و حال کی

کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، کوئی گریہ وفریاد کرنے لگتا، کوئی گریبان چاک کرکے صحرا کا راستہ لیتا اور کوئی بے ہوش ہوکر گر پڑتا اور جان دے دیتا۔ بعض اوقات حضرت کی مجلس وعظ سے جنازے نکلا کرتے۔ آپ کے غلبۂ شوق وہیبت وتصرف قہرمانِ عظمت وجلال کی جہت سے اور آپ کی مجلس وعظ میں خوارق وکرامات و تجلیات وعجائب وغرائب وحدوث اشیائے عجیبہ وظہور امورِ غریبہ کے بارے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے حصر وشمار کی حد سے باہر ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ۔

کہتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں کل اولیاء وانبیاء، حیات اجساد کے ساتھ اور اموات ارواح کے ساتھ، اور جن وملائکہ حاضر ہوتے تھے اور حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ اجمعین بھی تربیت وتائید کے لیے تجلی فرماتے تھے اور خضر علیہ السلام تو اکثر اوقات مجلس شریف کے حاضرین میں شامل ہوتے تھے اور مشائخ عصر میں سے جس کے ساتھ ملاقات کرتے اُس کو مجلس شریف میں حاضر ہونے کی وصیت کرتے تھے، اور فرماتے تھے جس کو فلاح کی خواہش ہو اُس کو اس مجلس کی ملازمت لازم ہے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کلام کرتے کرتے ناگاہ چند قدم ہوا میں چلے اور فرمایا اے اسرائیلی ٹھہر اور محمدی کا کلام سن۔ جب آپ نے پھر اپنی جگہ کی طرف رجوع کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون تھا۔ فرمایا۔ کہ ابو العباس خضر ہماری مجلس سے گذر رہے تھے اور بہت تیزی میں تھے، پس میں اُن کی جانب گیا اور کہا کہ تیزمت چلو اور بات سنتے جاؤ۔

روایت ہے کہ حضرت جب منبر پر رونق افروز ہوتے تو فرماتے "اے غلام! جب میں بیٹھتا ہوں تو حاضر ہونے میں دیر نہ کر، یہاں خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے، یہاں مراتب اعلیٰ تک رسائی ہوتی ہے۔ اے توبہ کے طلب گار! بسم اللہ میرے پاس آ۔ اے بخشش کے طالب! میرے پاس آ۔ اے طالب اخلاص! میرے پاس آ۔ ہفتے میں ایک بار آ، اگر نہ آسکے تو مہینے میں ایک بار آ۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو سال میں ایک بار آ اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو زندگی میں ایک بار آ اور ہزاروں نعمتوں سے مستفیض ہو، اے عالم! ہزاروں مہینوں کا راستہ طے کرکے آ تاکہ تو مجھ سے ایک قول سنے اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، پارسائی اور احوال پر نظر نہ رکھ تاکہ تو مجھ سے اپنا نصیب لے سکے، میری مجلس میں ملائک، اولیاء اور غیب کے لوگ آتے ہیں تاکہ وہ مجھ سے بارگاہِ کبریا میں تواضع کے آداب سیکھیں، حق تعالیٰ نے کوئی نبی اور ولی پیدا نہیں کیا جو بصورت زندگی جسماً اور بصورتِ موت رُوحاً میری مجلس میں شریک نہ ہوا ہو"

آپ فرماتے تھے کہ میری گفتگو مردانِ غیب سے ہے جو کوہ قاف کے عقب سے حاضر ہوتے ہیں، ان کے قدم ہوا میں اور ان کے دل پروردگار کی آتش شوق اور شعلۂ عشق میں سوزاں ہوتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ اُس وقت مجلس میں آپ کے فرزند سید عبدالرزاق آپ کے قدموں میں منبر کے آخری پایہ پر تشریف رکھتے تھے انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مبہوت رہ گئے، پھر بے ہوش ہوگئے اور ان کے لباس اور دستار کو آگ لگ گئی، حضرت منبر سے نیچے اترے اور آگ کو فرو کیا، پھر فرمایا "اے عبدالرزاق! تو بھی ان میں سے ہے" مجلس کے ختم ہونے پر آپ نے شیخ عبدالرزاق سے اس کی کیفیت دریافت فرمائی، انہوں نے عرض کیا کہ جس وقت میں نے اوپر نگاہ

کی تو دیکھتا ہوں کہ ہوا میں مردانِ غیب ساکت و مدہوش کھڑے ہیں اور تمام اُفق ان سے بھرا ہوا ہے، ان کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے ان میں سے بعض تو فریاد کر رہے ہیں، بعض وجد و ذوق میں ہیں، بعض اپنی جگہ پر قائم ہیں اور بعض زمین پر گر رہے ہیں۔

نقل ہے کہ آنحضرت نہایت کار میں بہت نفیس کپڑا پہنتے تھے۔ ایک دن آپ کا خادم، ابوالفضل بزاز کے پاس گیا اور کہا مجھے ایک دینار گز کا کپڑا چاہیئے نہ زیادہ نہ کم۔ ابوالفضل بزاز نے پوچھا کہ یہ کپڑا کس کے لیے خریدنا ہے۔ خادم نے کہا اپنے شیخ محی الدین عبدالقادر کے لیئے۔ بزاز کے دل میں آیا کہ شیخ نے خلیفہ کے لیئے بھی کپڑا نہ چھوڑا۔ ابھی یہ خطرہ اُس کے دل میں گزرا ہی تھا کہ اس کے پَیر میں غیب سے ایک میخ ایسی لگی کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ ہر چند کہ اس کو باہر نکالنے کی کوشش کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر اس کو اٹھا کر آنحضرت کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا اے ابوالفضل تو نے اپنے باطن میں ہم پر کیوں اعتراض کیا، خدا کی قسم میں نے اس کپڑے کو نہ پہنا جب تک کہ یہ نہ کہا گیا کہ اے عبدالقادر اس حق سے جو مجھ کو تم پر ہے ایک گز دینار کا کپڑا پہن، اے ابوالفضل یہ کپڑا میت کا کفن ہے اور میت کا کفن اچھا ہوتا ہے، ایک ہزار موتوں کے بعد یہ کپڑا نصیب ہوا ہے۔ پھر آپ نے اپنا دستِ مبارک اس دکھتی جگہ پر رکھا۔ وہ تکلیف رفع ہو گئی گویا پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ اس کا اعتراض ہم پر میخ کی صورت میں متشکل ہوا تھا اور اس کو یہ دکھ پہنچا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ و عن جمیع اولیاء۔

آپ کے کرامات اور خوارق عادات جو ہر وقت ظہور میں آتے تھے حصر و شمار کی حد سے خارج اور تقریر و تحریر کی مجال سے باہر ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے نہ کہ مبالغہ

کیونکہ آنحضرت بچپن اور لڑکپن کے زمانے ہی سے مظہر خوارق اور محلِ کرامت تھے،
اور نوے سال کی مدت میں جو آپ کا سن شریف ہے دائم الاحوال متصل طور پر
اور بغیر انقطاع کے آپ سے خوارق کا ظہور ہوتا تھا۔

منقول ہے کہ آپ عہدِ رضاعت میں رمضان کے دنوں میں ماں کا دودھ پینا ترک
کر دیتے تھے۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ شرفاء کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جو ماہِ
رمضان میں دودھ نہیں پیتا۔

ایک مرتبہ حضرتؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ
ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "میں دس برس کا تھا کہ گھر سے مکتب کو جایا کرتا تھا، راستے
میں دیکھتا تھا کہ میرے اردگرد فرشتے چلے جا رہے ہیں، جب میں مکتب پہنچتا تو وہ بچوں
سے کہتے "ولی اللہ کے لیئے جگہ دو" اس دوران میں ایک دن مجھے ایک ایسا شخص
نظر آیا جس کو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے ایک فرشتے سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون
ہے جس کی اتنی تعظیم کرتے ہو، فرشتوں نے جواب دیا "اولیاء اللہ میں سے ایک ولی
ہے جو عظیم الشان رتبے کا مالک ہوگا، طریقت میں یہ ایک ایسی ہستی ہے جس کو
بے روک ٹوک نعمتیں عطا کی جاتی ہیں، جس کو بغیر کسی حجاب کے روحانی مراتب دیئے
جاتے ہیں اور جس کو بلا حیل و حجت تقرب حاصل ہے۔" چالیس سال کے بعد مجھے معلوم
ہوا کہ وہ سائل اپنے زمانے کے ابدال میں سے تھا۔

پھر فرمایا کہ بچپن میں ایک دفعہ حج کے روز میں شہر سے باہر نکل گیا اور کسانوں
کی ایک گائے کے پیچھے دوڑنا شروع کیا۔ گائے نے پلٹ کر دیکھا اور کہا: "یا عبدالقادر!
تجھے اس قسم کے کاموں کے لیے پیدا نہیں کیا اور تجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں ہوا۔"

میں یہ سن کر ہانپتے کانپتے گھر پہنچا اور بالاخانے پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ میدانِ عرفات میں کھڑے ہیں۔ تب میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس آیا اور ان سے اجازت مانگی کہ بغداد جا کر تحصیلِ علم کروں اور صالحین کرام رض کی زیارت حاصل کروں، نیز آپ نے فرمایا کہ جب بھی میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا قصد کرتا تھا تو غیب سے ایک آواز سنائی دیتی تھی کہ "اے مبارک میری طرف آ" پس میں ڈر کے مارے بھاگ جاتا اور والدہ کے آغوش میں چھپ جاتا، اب وہی آوازیں ہمیشہ اپنی تنہائیوں میں سنتا ہوں۔

شیخ علی بن ہیتی رح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے میں کسی کو شیخ عبدالقادر رح سے بڑھ کر صاحبِ کرامت نہیں پایا، جس وقت جو شخص بھی ان سے کرامت کا مشاہدہ کرنا چاہے کر لیتا ہے، خرقِ عادت کبھی خود انہی سے ظاہر ہوتی ہے، کبھی ان کے متعلق اور کبھی ان کے ذریعے سے۔

منقول ہے کہ آنحضرت رح جب شہرتِ تمام حاصل کر چکے تھے تو ایک بار حج کو تشریف لے گئے، بغداد کے قریب موضع حلہ میں پہنچے تو فرمایا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کیا جائے جو ناداری، بے کسی اور گم نامی میں سب سے بڑھا ہوا ہو تا کہ میں وہاں منزل کروں، ہر چند وہاں کے اکابر اور رؤسا نے آپ کی آمد پر قیام کے بہترین انتظامات کیے اور آپ سے شرفِ نزول کی التماس کی لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ سخت جستجو کے بعد ایک گھر ملا جس میں ایک بوڑھا، بڑھیا اور ان کی ایک بیٹی رہتی تھی۔ آنحضرت نے بوڑھے سے اجازت لے کر رات کو ان کے گھر قیام کیا۔ نقدی، اجناس اور حیوانات کے بے شمار ہدیئے اور نذرانے پیش ہوئے آپ نے ان سب سے دستبرداری فرمائی اور اس بوڑھے کو عطا فرماتے، آپ کی موافقت میں مصاحبین

نے بھی اپنا تمام مال واسباب بوڑھے کو بخش دیا اور حق تعالیٰ نے آپ کے قدوم سعید کی برکت سے اُس گھر کو دولت منداور مالا مال کر دیا۔

نقل ہے کہ آنحضرتؒ کے پاس ایک تاجر آیا اور عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نقدی ہے جو مال زکوٰۃ نہیں، میں چاہتا ہوں کہ یہ رقم فقراء ومساکین میں تقسیم کروں لیکن مجھے مستحق اور نامستحق کی پہچان نہیں، آنحضرت جس کسی کو مستحق خیال فرمائیں دے دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "جس کو تو چاہے دے دے خواہ وہ مستحق ہو یا غیر مستحق، کیونکہ حق تعالیٰ جب تجھے دیتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ تو اُس کا مستحق ہے یا نہیں۔"

منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت نے ایک فقیر کو دیکھا کہ شکستہ خاطر ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا "تیرا کیا حال ہے اور کس خیال میں بیٹھا ہے" اس نے جواب دیا کہ دریا کے کنارے گیا تھا اور میرے پاس کچھ نہ تھا کہ ملاح کو دوں اور کشتی میں سوار ہو کر پار اتر جاؤں۔ ابھی فقیر اپنی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ ایک شخص تھیلی لے کر حاضر ہوا جس میں تیس دینار تھے۔ حضرت شیخؒ نے وہ تھیلی فقیر کو عطا کر دی کہ اسے لے جا کر ملاح کو پیسے دے۔

مشائخ سے منقول ہے کہ ایک بار انہوں نے آنحضرتؒ سے استفسار کیا کہ اگر کوئی شخص آپ کا ارادت مند ہو جائے مگر بیعت نہ کرے اور آپ کے دستِ مبارک سے خرقہ نہ پہنے تو کیا وہ شخص آپ کے اصحاب میں شمار ہو گا اور ان کی فضیلتوں میں شریک ہو گا یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے آپ کو میرے ساتھ منسوب کیا اور میرے ارادت مندوں کے حلقے میں شامل ہو گیا حق تعالیٰ اس کو قبول کرتا ہے اور اس پر رحمت فرماتا ہے اگرچہ اس کا طریقہ ناپسندیدہ کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص میرے اصحاب

اور مریدوں میں سے ہے اور میرے پروردگار نے اپنے فضل و کرم سے وعدہ کیا ہے کہ میرے تمام اصحاب، اہلِ مذہب، میرے طریق پر چلنے والوں اور میرے محبوں کو بہشت میں جگہ دے گا۔

روایت ہے کہ شیخ عدی بن مسافرؒ نے ایک موقع پر فرمایا: "اصحاب مشائخ میں سے جو کوئی مجھ سے خرقہ طلب کرتا ہے میں دے دیتا ہوں اور میں اس شخص کو ایک نظر نہیں دیکھتا سوائے شیخ محی الدین عبدالقادرؓ کے اصحاب کے، کیونکہ وہ لوگ رحمتِ الٰہی کے دریا میں غرق ہیں اور کوئی شخص دریا کو چھوڑ کر حوض کی طرف نہیں آتا۔"

آنحضرتؒ کا کلام علمِ نامتناہی الٰہی کا ایک دریا ہے جس کا عبارت و اشارت میں احاطہ کرنا کما حقہٗ ممکن نہیں۔ یہاں آنحضرت سے منسوب بعض مکتوبات جن میں عرائس حکم و مواعظ کو فارسی عبارات کے لباس میں آیاتِ مبین کے اقتباسات سے آراستہ کر کے محلّیٰ و مزین کیا گیا ہے نقل کیے جاتے ہیں، اور آنحضرت قدیم عجمی نسبت سے کبھی کبھی فارسی زبان میں بھی کلام کرتے تھے اگرچہ اکثر اوقات مجالس وعظ میں عربی زبان میں گفتگو فرماتے تھے، اسی سبب سے آپ کو ذوالبیانین واللسانین (یعنی دو بیان اور دو زبان والے) اور امام الفریقین (دونوں گروہوں کے امام) کہتے تھے۔

مکتوب: اے عزیز جب افقِ شہود پر بادلوں کے شگاف سے یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کا فیض چمکنے لگے اور یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کے مہبِ عنایت سے وصول کی خوش گوار ہوائیں چلنے لگیں، اور ریاضِ قلوب میں اُنس کے پھول کھلنے لگیں، اور باغاتِ ارواح میں بلبلانِ شوق یَآ اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ کے نغمات سے مثل ہزار داستان مترنم ہوں، اور کوانینِ سرائر میں نیرانِ اشتیاق شعلہ زن ہوں اور

افکار کے پرند فضائے عظمت میں غایت پرواز سے بے پر ہو جائیں، اور عقلوں کے گھوڑے وادیٔ معرفت میں گم گشتہ ہو جائیں، اور ارکان افہام کی بنیادیں ہیبت کے صدمہ سے متزلزل ہو جائیں، اور عزائم کے سفینے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کے سمندروں میں وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ کی ہواؤں سے حیرت کے گردابوں میں پھنس جائیں تو دریائے عشق يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کی امواج تلاطم میں آتی ہیں اور ہر ایک زبانِ حال سے ندا کرتا ہے رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ کہ اتنے میں اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى کا سابقۂ عنایت پہنچ جاتا ہے اور ان کو فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ کے ساحل جودی پر اتار کر مستانِ بادۂ الست کی مجلس میں پہنچا دیتا ہے اور لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ کا مائدہ نعیم سامنے رکھتا ہے اور بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ وَّسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا کے جام قرب سے کوس وصول گردش میں آتا ہے اور وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا کے ملک ابدی و دولت سرمدی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

مکتوب: اے عزیز قلب سلیم چاہیئے تا کہ فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ کے رموز سے مطلع ہو، اور عقل کامل چاہیئے تا کہ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ کے دقائق اسرار کا ادراک کرے، اور یقینِ صادق چاہیئے تا کہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ کے شواہد معرفت کو عین قلب سے مشاہدہ کرے، اور وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے دواعی وصول کا استقبال کرے، اور اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ کی علانیہ تنبیہوں سے وَيُلْهِمُ

اَلْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ کی خواب غفلت سے بیدار ہو، اور وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ کے مضبوط دستے کو پکڑے، اور فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ کی کشتی پر سوار ہو، اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کے دریائے معرفت میں مردانہ وار غوطہ زن ہو، اور اگر گوہر مقصود ہاتھ آئے فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا، اور اگر طلب میں جان جاتی رہے فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ط

اب ہم مشائخ ہند کا ذکر شروع کرتے ہیں وباللہ التوفیق فی المبداء و المعاد۔

طبقۂ اوّل

(خواجہ بزرگ حضرت معین الدین سجزی قدس سرہٗ سر حلقۂ مشائخ کبار و اقدم سلسلۂ چشتیہ این دیار اور ان کے معاصرین خلفا و مریدین وغیرہم کے ذکر میں)

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

خواجۂ بزرگ معین الدین سجزیؒ

آپ بیس سال تک خواجہ عثمان ہرونی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں مصروف رہے اور سفر و حضر میں ان کے جامۂ خواب کی نگہداشت کرتے رہے۔ پھر خلافت کے انعام سے مشرف ہوئے اور پتھورا رائے کے عہدِ حکومت میں اجمیر آ کر عبادتِ مولیٰ میں مشغول ہو گئے۔ پتھورا رائے خود بھی ان دنوں اجمیر میں تھا۔ ایک دن پتھورا نے حضرت خواجہ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے تنگ کیا۔ وہ شخص خواجہ کی خدمت میں فریادی ہوا، خواجہؒ نے اس کی سفارش میں پتھورا کو ایک پیغام بھیجا، پتھورا نے شیخ کے پیغام کو قبول نہ کیا اور کہا کہ دیکھو یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور بیٹھے بیٹھے غیب کی باتیں کہتا ہے، جب یہ ماجرا خواجہؒ تک پہنچا تو آپ نے فرمایا "پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم" (ہم نے پتھورا کو زندہ پکڑ کر دے دیا) خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہی دنوں غزنین سے سلطان معز الدین

سام (عرف سلطان شہاب الدین غوری) نے لشکر کشی کی، پتھورا نے لشکرِ اسلام کا مقابلہ کیا اور بالآخر معز الدین سام کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اس تاریخ سے یہ ملک اسلام کے نور سے منور ہو گیا اور کفر و فتنہ کی جڑیں کٹ کر رہ گئیں۔ کہتے ہیں کہ وفات کے بعد حضرت خواجہؒ کی پیشانی مبارک پر یہ نقش ظاہر ہوا۔

۱ حَبِیبُ اللّٰہِ مَاتَ فِی حُبِّ اللّٰہِ یعنی اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں فنا ہو گیا۔

منقول ہے کہ حضرت خواجہ ۶ رجب ۶۳۳ھ کو اور بعض کے نزدیک سن مذکور کے ماہ ذی الحجہ میں واصل بحق ہوئے۔ ان میں سے اول الذکر تاریخ صحیح ہے۔ آپ کو اجمیر ہی میں جہاں کہ آپ مقیم تھے سپردِ خاک کیا گیا، پہلے آپ کی قبر اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ بعد میں اس کے اوپر ایک پتھر کا صندوق بنوا دیا گیا اور پہلی قبر کو بھی اسی طرح بحال رکھا، اسی لیئے اب قبر شریف اونچی معلوم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے جس نے حضرت خواجہؒ کے مقبرہ کی عمارت بنوائی وہ خواجہ حسین ناگوری تھے اور اس کے بعد ہند کے بعض حکمرانوں نے دروازہ اور خانقاہ تعمیر کرائی۔ دلیل العارفین میں جس میں خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ نے آپ کے ملفوظات جمع کیئے ہیں آپ کے پاکیزہ ارشادات نقل کیئے گئے ہیں اس میں لکھا ہے:

> عاشق کا دل محبت کی آگ سے دہکتا ہے، جو کچھ اس میں آتا ہے بھسم ہو جاتا ہے کیونکہ محبت کی آگ سے تیز تر کوئی آگ نہیں۔
> بہتے پانی کی ندیوں کی آواز سنتے ہو، کیسے شور برپا کرتی ہیں، مگر جونہی دریا میں پہنچتی ہیں خاموش ہو جاتی ہیں۔

میں نے خواجہ عثمان ہرونیؒ قدس سرہٗ سے سنا کہ خدا تعالیٰ کے

ایسے دوست ہیں کہ اگر وہ دُنیا میں ایک لمحہ کے لیئے بھی اس سے غافل ہو جائیں تو ان کی ہستی مٹ جاتے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ عثمان ہرونیؒ کی زبانِ مبارک سے سنا کہ جس شخص میں تین خصائل موجود ہوں تو سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے، سخاوت[1] جو سمندر کی سخاوت کے مانند ہو۔ شفقت[2] جو آفتاب کی شفقت کے مانند ہو اور تواضع[3] جو زمین کی تواضع کے مانند ہو۔

نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بُروں کی صحبت بُرے کام سے بدتر ہے۔

مرید اس وقت توبہ میں ثابت قدم ہوتا ہے جب اس کے دائیں طرف کا فرشتہ بیس سال تک اُس کے حساب میں کوئی گناہ نہ لکھے راقم سطور عرض پرداز ہے کہ یہ بات بعض اکابر متقدمین سے بھی منقول ہے اور اس کی حقیقت جیسا کہ بعض متاخرین علمائے صوفیہ نے بیان کی ہے یہ ہے کہ مرید کے لیئے ہر حال میں توبہ و استغفار لازم ہے اور توبہ و استغفار کی حالت میں گناہوں کی تحریر ممکن نہیں، نہ یہ کہ اس سے مطلق کوئی گناہ صادر نہ ہو۔ لہٰذا انھوں نے وصیت کی ہے کہ سوتے وقت ہمیشہ استغفار پڑھی جائے تاکہ دن کے گناہوں کی تحریر جو رحمتِ الٰہی کے طفیل اس وقت تک موقوف رہتی ہے ظہور میں نہ آئے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ عثمان ہرونیؒ کی زبانِ مبارک سے سنا کہ آدمی فقر کا مستحق اس وقت ہوتا ہے جب کہ اِس عالمِ فانی میں اُس کی

کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

نبوّت کی علامت یہ ہے کہ تو فرماں بردار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں دوست اپنے آپ سے دُور نہ کر دے

عارفوں کا ایک مرتبہ ہے، جب وہ اس مرتبے میں پہنچ جاتے ہیں تو تمام عالم اور جو کچھ اس عالم میں ہے اپنی دو انگلیوں کے بیچ میں دیکھتے ہیں

عارف وہ ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے اس کے پاس آ جاتا ہے یا جو بات وہ کہتا ہے اس کا جواب سُن لیتا ہے۔

محبّت میں عارف کا پست ترین پایہ اور درجہ وہ ہے کہ اس میں صفاتِ خداوندی پائی جائیں اور محبّت میں عارف کا بلند ترین درجہ وہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے مقابلے میں کوئی دعویٰ کرے تو وہ قوتِ کرامت سے اس کو پکڑ لے۔

فرماتے ہیں کہ ہم کئی سال تک اس کام میں مشغول رہے آخرکار ہیبت کے سوا ہمارے حصہ میں کچھ نہ آیا۔

گناہ کرنے سے نہیں اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ کسی مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنے سے۔

اہلِ معرفت کی عبادت پاسِ انفاس ہے۔

حق شناسی کی علامت لوگوں سے فرار کرنا اور معرفت [illegible] خاموشی اختیار کرنا ہے۔

عارف اس وقت تک معرفت کو نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ معارف

کو یاد نہ کرے۔

عارف وہ ہوتا ہے جو ہر غیر شے کو اپنے دل سے دور کر دے تاکہ وہ یگانہ ہو جائے کیونکہ دوست یگانہ صفت ہے۔

شقاوت کی علامت یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ گاری میں مبتلا ہو، اور پھر مقبولِ بارگاہ ہونے کا امیدوار ہو۔

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور اندوہگین ہو۔

درویش وہ ہے کہ جس کے پاس اگر کوئی شخص حاجت لے کر آئے تو محروم ہو کر واپس نہ جائے۔

محبت کے راستہ میں عارف وہ ہے جو دونوں جہان سے دل قطع کر لے۔

فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے عزیز چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں، اور سب سے بری چیز یہ ہے کہ درویش درویشوں سے جدا ہوں پس یہ بات علت سے خالی نہ ہو گی۔

اصل میں متوکل وہ شخص ہے کہ وہ لوگوں سے رنج و محنت اٹھائے تو اس کی نہ کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

لوگوں میں عارف ترین وہ شخص ہے جو بہت متحیّر ہو۔

عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ موت کو دوست رکھتا ہے راحت کو ترک کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی سے اُنس رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ جب محبوں کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے اس کو

رویت کہتے ہیں۔

اہلِ محبّت وہ لوگ ہیں کہ بے واسطۂ استاد دوست کی باتیں سنتے ہیں۔

عارف وہ شخص ہے کہ جب صبح کو اٹھے تو اُس کو رات کی بات یاد نہ ہو۔

سب سے افضل وقت وہ ہے جبکہ دل میں وسوسوں کا گذر نہ ہو۔
علم ایک بے کنار سمندر ہے اور معرفت اس سمندر کی ایک ندی، پس خدا کجا اور بندہ کجا، علم خدا کو ہے اور معرفت بندے کو۔

عارف آفتاب کی طرح تمام عالم پر چمک رہے ہیں اور اُن کے نور سے تمام عالم روشن ہے۔

فرماتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے، بجز اس کے کہ وہ نماز میں فرماں برداری کریں کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے

کہتے ہیں کہ اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہندوستان کے راجاؤں میں ایک راجہ اَجا نام تھا جس کی عملداری غزنین تک تھی۔ اَجا آفتاب کو بھی کہتے ہیں اور ہندی زبان میں میر پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہلی دیوار جو پہاڑ کی چوٹی پر بنائی گئی یہی دیواریں ہیں جو کوہ اجمیر کے اوپر ہیں، اور ملک ہند میں زمین پر جو پہلا تالاب کھودا گیا وہ پہکر ہے کہ اجمیر سے چار کوس پر ہے اور ہندو اس کی پرستش کرتے ہیں اور ہر سال چھ روز تحویلِ عقرب کے وقت جمع ہو کر غسل کرتے ہیں اور اپنی عمر اور اولاد کو دینِ باطل پر ضائع کرتے ہیں، ان میں سے جو لوگ قیامت کے قائل ہیں

اُن کا عقیدہ ہے کہ قیامت اسی تالاب سے شروع ہو گی۔

آجا نام راجہ اس ملک کے سب راجاؤں سے پہلے ہُوا ہے اور پتھورا سب سے آخری تھا جس سے مسلمانوں نے ہندوستان کا ملک لیا۔ شہر ناگور بشیتر پتھورا ہی کا آباد کیا ہُوا ہے۔ پتھورا کا ایک امیر آخور (داروغۂ اصطبل) تھا۔ اس کو حکم دیا کہ گھوڑوں کے طویلوں کے لیے کوئی مناسب مقام تلاش کرو کہ میں وہاں ایک شہر آباد کروں۔ میر آخور بہت پھرا، جب اس جگہ پہنچا جہاں ناگور آباد ہے ایک بکری کو دیکھا جس کو اسی وقت بچہ ہُوا ہے اور ایک بھیڑیا اس پر حملہ کرنے کو ہے اور بکری اپنے بچے کو پیچھے ڈال کر اس بھیڑیے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ میر آخور نے جب یہ حالت دیکھی تو کہا کہ یہ ایک مردانہ مقام ہے اور اس صحرا کا آب و گیاہ گھوڑوں کے لیے مفید معلوم ہُوا، چنانچہ وہاں ایک شہر تعمیر کیا اور اس کا نام نوانگر یعنی نیا شہر رکھا۔ جب سلطان معزالدین کا لشکر پہنچا اور پتھورا کو قتل کیا اُس وقت ترکوں کے زمانے میں یہ لفظ ناگور میں تبدیل ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رح

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے خلیفہ بزرگ ہیں۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء
اور اجلۂ اصفیاء میں ہے۔ بارگاہِ ایزدی میں بہت مقبول اور ترکِ دُنیا، گوشہ نشینی اور
فقر و فاقہ میں کمال تک پہنچے ہوتے تھے۔ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں محو رہتے، یادِ مولیٰ میں
جب کوئی شخص آپ کی زیارت کے لیے آتا تو چند سے اپنی اصلی حالت پر آتے اور ملاقاتی
سے متوجہ ہوتے، اگر اس وقت اپنے یا ملنے والے کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے تو بعد
میں معذوری کا اظہار کرتے اور پھر یادِ الٰہی میں مستغرق ہو جاتے، اگر آپ کی اولاد میں سے
کوئی فوت ہو جاتا تو آپ کو اس وقت مطلق خبر نہ ہوتی مگر کچھ مدت بعد اس واقعہ سے آگاہ ہوتے۔
منقول ہے کہ آپ کے ہمسائے میں ایک بقال تھا۔ شروع شروع میں اس سے
قرض لے لیا کرتے تھے اور اسے کہا کرتے کہ جب تمہارا قرض تین سو درم تک ہو جایا کرے
تو اس سے آگے بند کر دیا کرو، جب فتوح آئیں تو اس میں سے ادا کر دیتے، پھر یہ عہد کیا کہ
کبھی قرض نہ لیں گے، اس کے بعد خدائے عزّ و جلّ کے فضل سے ان کے مصلے کے نیچے
سے ایک روٹی مل جاتی جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گزر اوقات کرتے۔ بقال نے خیال
کیا کہ شاید شیخ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں جو ادھار نہیں لیتے۔ اس لیے اُس نے اپنی

بیوی کو اس بات کی تحقیق کے لیئے حضرت شیخؒ کے گھر بھیجا۔ شیخ رح کی بیوی نے اس کو اصل ماجرا سے مطلع کر دیا۔ اسی دن سے روٹی آنا بند ہو گئی۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ قدس سرۂ سے منقول ہے کہ ایک موقع پر حضرت شیخ معین الدین نے شیخ قطب الدین کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ پانسو درم تک قرض لے سکتے ہیں۔ جب آپ مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے تو اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔

منقول ہے کہ ابتدائے حال میں آپ نیند کے غلبہ سے تھوڑی دیر کے لیئے آنکھ لگا لیتے تھے لیکن عمر کے آخری حصہ میں ہر وقت بیدار رہنے لگے۔

شیخ محمد نور بخش نے سلسلۃ الذہب میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "بختیار الاوشی اولیائے سالکین مرتاضین مجاہدین میں سے تھے خلوت و عزلت، قلتِ طعام، قلتِ منام، قلتِ کلام، اور اربعینات میں ذکر بالدوام کے ساتھ موصوف تھے اور اہلِ مکاشفہ کے نزدیک احوالِ باطن میں ان کی اعلیٰ شان ہے۔"

روایت ہے کہ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر سوتے لیکن انہی دنوں آپ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور تین رات درود شریف پڑھنے میں فروگذاشت ہوئی۔ رئیس نامی ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور حضورؐ نے اس سے فرمایا کہ بختیار کاکی کو ہمارا سلام دو اور اس سے کہو کہ وہ تحفہ جو تم مجھے ہر رات بھیجا کرتے تھے۔ تین رات سے نہیں پہنچا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ علی سگزی کے مکان پر صحبت گرم تھی اور خواجہ بختیار کاکی وہاں موجود تھے۔ یہ شیخ علی، خواجہ قطب الدین کے ہمسایہ اور خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی رح کے اقارب میں سے ایک درویش تھے۔ ان کی قبر بھی

خواجہ قطب الدینؒ کے مزار کے قریب ہے۔ قوّالوں نے شیخ احمد جامؒ کا یہ شعر پڑھا بیت

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　　ہر زمان از غیب جانی دیگر است

حضرت خواجہ پر اس بیت سے وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ چار دن رات عالمِ تحیّر میں ڈوبے رہے اور اس بیت کے نشے میں مست محو رہے پانچویں رات اللہ کو پیارے ہوئے، امیر حسن دہلوی نے اپنی ایک ہم زمین غزل میں اس قصّے کی طرف اشارہ کیا ہے:

جان برین یک بیت داده است آن بزرگ　　　　آرے این گوہر زکانی دیگر است
کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　　ہر زمان از غیب جانی دیگر است

یہ واقعہ ماہ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ کی چودھویں رات کو پیش آیا۔ اسی سال ۱۴ ار ماہ شعبان کو سلطان شمس الدین التمش کی وفات ہوئی۔

دلیل العارفین میں لکھتے ہیں کہ ایک بار جمعرات کو جامع مسجد اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کا شرفِ پابوسی حاصل ہوا۔ اہلِ صفہ کے تمام درویش، عزیز اور مرید اُن کی خدمت میں حاضر تھے۔ ملک الموت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، انھوں نے فرمایا کہ موت کے بغیر دُنیا کی نعمت ایک رتی کے برابر نہیں۔ حاضرین نے پوچھا کیوں کر، انھوں نے ارشاد فرمایا: اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے)

پھر فرمایا کہ دوستی وہی ہے جسے تو دل سے کرے نہ کہ زبان سے، جن چیزوں سے تجھے لگاؤ ہے اُن سے اپنا معاملہ ترک کر دے۔ اُس وقت تو عرش کے گرداگرد

طواف کرنے لگے گا۔

نیز فرماتے ہیں کہ عارف آفتاب کے مانند تمام عالم پر درخشاں وتاباں ہیں اوران کے انوار سے تمام دُنیا روشن ہے۔

پھر فرمایا "اے درویش! ہمیں یہاں لایا گیا ہے، ہمارا مدفن یہیں ہوگا اور چند روز میں ہم سفرِ آخرت اختیار کریں گے۔"

اس کے بعد شیخ علی کو حکم دیا کہ ایک فرمان لکھے کہ شیخ قطب الدین دہلی چلا جائے کیونکہ ہم نے سجادہ کی خلافت قطب الدین کے سپرد کردی ہے اور دہلی اس کا مقام ہے، جب فرمان لکھا جاچکا تو اس دُعاگو کے ہاتھ میں دیا۔ یہ فقیر آداب بجالایا، حکم ہوا ذرا نزدیک آؤ۔ میں نزدیک گیا تو دستِ مبارک سے کلاہ اور دستار میرے سر پر رکھ دی اور خواجہ عثمان ہرونی قدس سرہٗ کا عصا میرے ہاتھ میں دے دیا، میرے جسم پر خرقہ پہنایا اور مصحف، مصلّیٰ اور نعلین عطا کی اور فرمایا کہ یہ ایک امانت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواجگانِ چشت تک پہنچی ہے، تجھے چاہیئے کہ اسے جاری رکھو تاکہ حشر کے روز مجھے خواجگان کے روبرو شرمندہ نہ ہونا پڑے، اس درویش نے اس کو قبول کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ حضرت خواجہؒ نے دعاگو کا ہاتھ پکڑا اور روئے مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر ارشاد فرمایا "جاؤ، خدا کو سونپا اور تمہیں اپنی منزل تک پہنچا دیا۔"

پھر فرمایا کہ چار چیزیں گوہرِ نفس ہیں۔ اوّل وہ درویش جو تونگری کا اظہار کرے، دوم وہ بھوکا جو اپنے آپ کو سیر ظاہر کرے، سوم وہ اندوہگین جو خوشی کا اظہار کرے اور چہارم وہ شخص جسے دشمن بھی دوست دکھائی دے، نیز فرمایا کہ جس جگہ بھی جاؤ کسی

کی دل آزاری نہ کرو اور جس جگہ بھی رہو مردانہ وار رہو۔

اس کے بعد میں دہلی آکر مقیم ہو گیا اور تمام صدور وارد اس فقیر کی جانب رجوع ہوئے، چالیس روز نہ گزرے تھے کہ اجمیر شریف سے قاصد خبر لایا کہ اے درویش تمہارے روانہ ہونے کے بعد حضرت خواجہ بیس روز تک بقید حیات رہے پھر رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

شیخ بہاؤالدین ابو محمد زکریاؒ

ملتانی القرشی الاسدی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔ آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیاء میں ہے، کرامات ظاہرہ ومقامات باہرہ وبرکات شاملہ کے مالک تھے، میر حسینی سادات صاحب نزہت الارواح اور شیخ فخر الدین عراقی صاحب لمعات نے آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور تربیت سے مستفیض ہوئے۔

منقول ہے کہ جب آپ کمالات وبرکات کے ساتھ بغداد سے ملتان میں تشریف فرما ہوئے تو ملتان کے اکابر کو حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بطور کنایہ ایک پیالہ دودھ سے لبریز کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ مراد یہ تھی کہ اس شہر میں کسی اور کی گنجائش نہیں۔ شیخ الاسلام اس نکتے کو سمجھ گئے اور آپ نے اُس پیالے پر ایک گلاب کا پھول رکھ کر اُن کے پاس بھجوا دیا۔ اشارہ یہ تھا کہ اس شہر میں ہمارا مقام اس طرح ہوگا جس طرح دودھ پر گلاب کا پھول کھڑا ہے، اکابر اس ادا کے حسن لطافت پر ششدر رہ گئے اور آپ کی کرامات کے منقاد ومطیع ہو گئے۔

آپ اغنیائے شاکرین میں سے تھے اور رب جلیل کا یہ قول جو حضرت خلیل اللہ

کی شان میں ہے آپ کی ذات پر صادق تھا وَاٰتَینٰہُ فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وَّ اِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ہ (اور ہم نے اُن کو دُنیا میں بھی صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہوں گے)

بعض مشائخ وقت آپ کے ساتھ فقر و غنا کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے، آپ فرماتے کہ دُنیا اپنی تمام رعنائیوں کے باوصف کیا وقعت رکھتی ہے؟ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (کہہ دُنیا کا سرمایہ محض چند روزہ ہے۔) اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں سے ہمارے پاس کیا رہے گا، کبھی فرماتے کہ سانپ کی صحبت اُس شخص کے لیئے مضرت رساں ہو سکتی ہے جو اس کا منتر نہ جانتا ہو اور فرماتے کہ غنا، ہمارے رخسارۂ حال کا خال ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے درمیان گہری محبت تھی اور دونوں حضرات کئی سال تک اکٹھے رہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کی طرف سے شیخ فرید الدینؒ کو کچھ پیغام دیا تھا جو اُن کے حسب حال نہ تھا، اس کی معذرت میں شیخ بہاؤالدین نے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کو ایک رقعہ بھیجا اور اس میں ایک بات یہ لکھی کہ

"میانِ ما و شما عشق بازی ست"۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان عشق بازی ہے بابا گنج شکرؒ نے اس معذرت کے جواب میں لکھا کہ

"میانِ ما و شما عشق ست بازی نیست" یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان عشق ہے بازی نہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ فرید الدینؒ

افطار کم کرتے تھے اگرچہ اُن کو بخار ہو جاتا یا فصد لیتے، اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ روزہ کم رکھتے تھے لیکن طاعت و عبادت کثرت سے کرتے تھے اور یہ آیت پڑھا کرتے تھے یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا، اور فرمایا کہ وہ اُن میں سے تھے جن کے حق میں یہ صادق آتا ہے۔

شیخ نور بخش، سلسلۃ الذہب میں لکھتے ہیں:

"حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس العلماء تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے احوال و مقامات میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے چلے، لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور وہ شانِ عظیم کے مالک تھے۔"

مجمع الاخبار میں شیخ بہاؤ الحق والدین کی وصایا لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں بندہ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صدق و اخلاص کے ساتھ کرے، اور یہ اس طرح ہو کہ عبادات و اذکار میں غیر کی نفی کرے اور ماسوائے اللہ کے تصور کو مٹائے، اور یہ حالت اُس وقت درست ہو گی جب اپنے احوال کو درست کرے، اور اقوال و افعال میں نفس کا محاسبہ کرے، بلاضرورت کوئی بات نہ کہے اور نہ کوئی کام کرے ہر قول و فعل سے پہلے اللہ کے حضور میں التجا کرے اور اُس سے اعمالِ خیر کے لیے مدد مانگے۔

ایک مُرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو ذکر ہی سے طالب، محبت تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا

ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر، فی الواقع ذکر ہوتا ہے یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اللہ کا ذکر بکثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ) میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک مرید کو لکھتے ہیں اِس فقیر نے یہ سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو عبداللہ عمر بن محمد سہروردیؒ اپنے پیر ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہرؒ کے ساتھ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت شیخ ابوالنجیبؒ پر حالت طاری تھی۔ خضر علیہ السلام آئے شیخ نے کوئی پروا نہ کی، وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ جب ہوش میں آئے تو شیخ شہاب الدین نے جو اپنے پیر کے مزاج دان بھی تھے عرض کیا شیخ کو کیا ہوا تھا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی آپ کی زیارت کو تشریف لائے اور آپ نے ان کی جانب مطلق توجہ نہ کی، شیخ نے ان کی طرف دیکھا اور غصے سے سرخ ہو گئے پھر کہا "افسوس تو کیا جانے، خضرؑ اگر چلے گئے تو پھر آجائیں گے یہ وقت جب کہ ہمیں خدا سے معاملہ تھا ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر واپس نہ آتا، اور اس کی ندامت قیامت تک باقی رہتی" یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ خضر علیہ السلام آ گئے شیخ نے اٹھ کر اُن کا استقبال کیا اور تواضع سے پیش آئے نرجوا میامن برکاتھم من اللہ الکریم۔ لہٰذا مرید کو چاہیئے کہ اپنے اوقات کی حفاظت و پاسبانی کرے۔ ماسوائے اللہ ہر شئے کو دل سے دور کرے اور صحبتِ خلق کو اپنے اوپر حرام کرے اور خدا کے ذکر سے مانوس ہو اور اگر اُس کو ذکرِ حق سے اُنس نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بُو بھی نہ پا سکے گا۔

اسی طرح ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ بدن کی سلامتی کم کھانے میں، روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔ آپ کی وفات صفر ۶۶۱ھ کو واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

سیّد نُورالدین مُبارک غزنوی رح

شیخ شہاب الدین سہروردی رح کے خلیفہ ہیں، دہلی کے مقتدا اور شیخ الاسلام تھے سلطان شمس الدین کے زمانے میں آپ امیر دہلی کے لقب سے مشہور تھے۔

فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک روز شیخ نظام الدین ابو المؤید کی بزرگی کے بارے میں یہ حکایت بیان ہوئی کہ ایک دفعہ مدت تک بارش نہ ہوئی لوگوں نے ان کو مجبور کیا کہ بارش کے لیئے دعا فرمائیں، وہ منبر پر آئے اور بارش کی دعا فرمائی، اس کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے کہا "یا اللہ اگر تو پانی نہ برسائے گا تو میں پھر کسی آبادی میں رہنا ترک کر دوں گا" یہ کہہ کر نیچے اتر آئے، خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بارش ہو گئی، اس واقعہ کے بعد سید قطب الدین رح ان سے ملے اور کہا کہ آپ کی ذات پر ہمیں کامل اعتقاد ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ درگاہِ الٰہی کے نیازمند ہیں مگر آپ نے اس وقت یہ بات کیوں کہی تھی کہ اگر تو نے بارش نہ کی تو میں آبادی میں نہ رہوں گا۔ نظام الدین ابو المؤید نے کہا "چونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ ضرور بارش بھیجے گا اس لیئے یہ بات کہی تھی" سید قطب الدین رح نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ انہوں نے فرمایا ایک دفعہ سلطان شمس الدین کے روبرو میرے اور سید نور الدین مبارک غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کے

درمیان دشت نشینی کے ایک رازمیں نزاع ہوگیا تھا۔میں نے ایک ایسی بات کہی تھی جس سے وہ ناراض ہوگئے تھے۔اب مجھے بارش کی دعا کے لیئے کہا گیا تومیں نے ان سے جاکر کہا آپ مجھ سے ناراض ہیں، اگر آپ مجھ سے صلح کرلیں تو میں دعا کروں اور اگر آپ صلح نہ کریں گے تو میں دعا نہیں کروں گا۔ اُن کے روٹھنے سے آواز آئی کہ میں نے تمہارے ساتھ صلح کی، تم جاؤ اور دعا کرو۔

شیخ نصیرالدین محمود قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جن کا نام شیخ محمد اجل شیرازی تھا۔سید مبارک غزنوی نے انہی سے نعمت حاصل کی تھی پھر فرمایا کہ اس زمانے میں ان کے مریدوں میں ایک سوداگر تھا، وہ شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، آپ کا غلام زادہ ہے، نعمت سے سرفراز فرمائیں شیخ نے فرمایا کہ بہتر ہو کہ جب میں کل فجر کی نماز ادا کروں اس وقت تو اپنے بچے کو ساتھ لائے اور میری داہنی جانب سے اس کو میرے سامنے رکھ دے، حسن اتفاق سے اسی روز سید مبارک غزنوی کی ولادت ہوئی تھی اور سید مبارک کے والد اس مجلس میں حاضر تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے سوچا کہ میں بھی اپنے لڑکے کو لے آؤں گا اور شیخ کے سامنے بٹھا دوں گا۔اگلے دن نماز صبح کے وقت سوداگر کو آنے میں دیر ہو گئی۔سید مبارک غزنوی کے والد صبح جلدی اٹھے، مؤذن نے تکبیر کہی، شیخ نے نماز ختم کی تو سید مبارک غزنوی کے والد شیخ کی داہنی جانب سے آنکلے اور سید مبارک کو سامنے لا کھڑا کیا۔شیخ نے ایک نظر سے اس کو دیکھا اور نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔بعد ازاں وہ سوداگر آیا۔شیخ نے کہا "نعمت تو سید زادہ لے گیا"۔

نیز شیخ نصیرالدین محمودؒ نے فرمایا کہ ایک بار غزنی میں پانی کا قحط ہوگیا۔لوگ شیخ

محمد اجل شیرازی کے پاس آئے، اور ان سے کہا کہ دعا کیجئے بارش ہو جائے شیخ یہ بات سن کر گھر سے باہر نکل آئے۔ لوگ ان کے پیچھے لگ گئے، راستے میں ایک باغ آیا۔ شیخ اس باغ میں گھس گئے، باغبان ایک پیڑ کے نیچے سو رہا تھا۔ شیخ نے اس کو جگایا اور کہا "پیڑ سوکھ رہے ہیں، اٹھو اور ان کو پانی دو" باغبان نے جواب دیا "باغ میرا ہے اور پیڑ بھی میرے ہیں جب پانی دینے کی ضرورت ہو گی اس وقت دوں گا" شیخ نے باغبان سے کہا "تو پھر ان لوگوں کو منع کیوں نہیں کرتے جو میرا پیچھا کر رہے ہیں، ہم خدا کے بندے ہیں اور زمین خدا کی بستی ہے جب باری تعالےٰ چاہے گا بارش بھیج دے گا" یہ بات کہہ کر واپس چلے آئے۔ اس کے بعد اس قدر بارش ہوئی کہ انتہا نہ رہی۔

سید مبارک کا مقبرہ حوض شمسی سے جانب مشرق ہے۔ آپ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔

شیخ حمید الدین الصوفی رح

السعیدی الناگوری السوالی، آپ کا لقب سلطان التارکین اور کنیت ابو احمد ہے۔
خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی رح کے خلفاء اعظم میں سے ہیں۔ تجرید و تفرید میں
قدم راسخ رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ عز اسمہ کے بندگان خاص میں سے ہیں، آپ کی
عالی ہمتی کا مقام دنیا و عقبیٰ سے برتر ہے اور آپ کی نظر التفات ہمیشہ غرض ثلاثہ
کے ماوراء پڑتی تھی۔ تصوف میں شان عالی کے مالک ہیں اور قواعد طریقت کے
بیان میں آپ کا مقام بہت بلند ہے، آپ سعد بن زید کی اولاد سے ہیں جن کا
شمار عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں ہے۔

آپ قدمائے مشائخ ہند میں سے ہیں۔ آپ نے طویل عمر پائی، فرماتے تھے
کہ فتح دہلی کے بعد مسلمانوں کے گھر میں جو سب سے پہلی ولادت ہوئی وہ میری ہی
تھی۔ آپ خواجہ معین الدین رح کے زمانے سے لے کر شیخ نظام الدین رح اولیا کے
ابتدائی زمانے تک زندہ رہے۔ احتمال ہے کہ شیخ نظام الدین رح سے آپ کی
ملاقات بھی ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔ شیخ نظام الدین قدس سرہٗ نے آپ کی تصنیفات
سے آپ کے کلمات کا انتخاب کر کے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اور سیر الاولیاء
کے مصنف نے سلطان المشائخ کے اس انتخاب سے نقل کیا ہے۔

نقل ہے کہ ایک روز خواجہ معین الدین رح پر خوشی کا وقت تھا۔ فرمایا اس وقت

ہر شخص جو کچھ بھی چاہتا ہے مانگ لے کیونکہ اجابت کے دروازے کھلے ہیں حاضرین میں سے ایک نے دنیا طلب کی اور دوسرے نے عقبیٰ، خواجہؒ نے شیخ حمید الدین سے دریافت کیا کہ کیا تو دنیا و عقبیٰ میں عزت و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے، آپ نے فرمایا "بندہ را خواستی نباشد خواست خواستِ مولیٰ ست" (بندہ کی کوئی خواہش نہیں، جو خواہش ہے وہ مولیٰ کی خواہش کے مطابق ہے)

اس کے بعد روئے مبارک خواجہ قطب الدین کی طرف کیا اور یہی بات دہرائی انہوں نے عرض کیا کہ بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہے جو کچھ بھی حکم ہو آپ کا اختیار ہے

بعد ازاں خواجہؒ نے فرمایا:

"التارک الدنیا و الفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین حمید الدین الصوفی"

اسی روز سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہوا۔

منقول ہے کہ آپ کے پاس مواضع ناگور میں سے موضع سوآل میں ایک دو خیمہ زمین کاشت کے لیے تھی۔ آپ اس میں خود ہل چلاتے اور تخم ریزی کرتے تھے اور اس سے اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالتے تھے۔

وفات ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ میں واقع ہوئی، مزار شریف ناگور میں ہے۔ قدس اللہ سرہٗ۔

آپ کی شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ کے ساتھ فقر و غنا کے موضوع پر بہت خط و کتابت ہوئی تھی، اس میں سے ایک مراسلہ کا مضمون یہ ہے کہ طبقاتِ مشائخ کے نزدیک اور نصوص و احادیث کی رو سے دنیا اور اس کا مال و اسباب حضرت تعالےٰ تک پہنچنے میں مانع ہے اور جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے بعض مشائخ

کے پاس اس کا حصۂ کثیر ہے اور اس کے باوجود ان سے خوارق عادات و کرامات ظاہر ہوتی ہیں تو اس فقیر کو اس بارے میں حیرت ہوتی ہے۔ اگر آنجناب براہِ لطف و کرم اس عقدہ کی گرہ کشائی کریں زہے عنایت ہوگی۔

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں اِس احقر نے شیخ بہاؤالدین کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا اور اس میں ان مشکلات کے بارے میں جو اِس مسکین کو درپیش تھیں حضرت عالی سے جواب کی التماس کی تھی۔ حضور نے کسی وجہ سے اس کا جواب نہ دیا۔ اور اگر دیا بھی تو شافی نہ تھا، چنانچہ اس حقیر نے درگاہِ حضرت تعالیٰ میں منّت کی اور گریہ زاری سے دعا کی کہ اپنے بندے کی مشکل آسان کرے اور اس مقصود کا کوئی سراغ دے۔ حضرت مجیب الدعوات نے بندے کی دعا قبول فرمائی اور یہ معلوم ہوا کہ ارباب شریعت جو ثواب اُخروی کے طالب ہوتے ہیں اور ثواب حاصل کرنے کے لیے عبادات کے ذریعے خیرات و مبرّات کا اکتساب کرتے ہیں وہ حقائق تقویٰ اور دقائق نفس وغیرہ کے کشف سے جن کو ارباب طریقت پا لیتے ہیں محجوب رہتے ہیں، اسی طرح ارباب طریقت، اسرارِ قرب اور انوارِ تجلّیٔ ذاتی سے جو طالبانِ مولا کے لیے مخصوص ہیں، جن کے نزدیک ماسوائے حق ہر چیز خواہ وہ کشف و مشاہدہ ہی کیوں نہ ہو حجاب ذات کا باعث ہوتی ہے محجوب و معذور رہتے ہیں، پس وہ شخص جو سراُس چیز کی تحصیل میں پڑا ہو جو ماسوائے حق ہے درحقیقت محجوب ہے، اگرچہ وہ نہ جانتا ہو کہ وہ محجوب ہے۔

شیخ فریدالدین شکر گنجؒ کی جانب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں اگر مشغول ہونے والے میرے ذکر کو جانتے تو اُن سے میرا قرب فوت نہ ہوتا۔ لِيَضْحَكُوا قَلِيلًا

وَلَتَبَکَّیْتُمْ کَثِیْرًا، اور اگر مشغول ہونے والے میرے قرب کو جانتے تو ان سے کچھ فوت نہ ہوتا اور وہ آنکھوں سے خون بہاتے، اور اگر مشغول ہونے والے میری محبت کو جانتے تو وہ مجھ سے فوت نہ ہوتے اگرچہ میں اُن کی پسلیاں کاٹ ڈالتا۔
آپ کی بہت تصنیفات اور مکتوبات ہیں۔ ان کے علاوہ اشعار بھی کہے ہیں۔
آپ کی سب سے مشہور تصنیف کا نام اصول الطریقہ ہے اس میں فرماتے ہیں:

"مردانِ راہ حق کا مقصد درگاہِ الٰہی تک رسائی حاصل کرنا ہے تین گروہوں میں تقسیم ہیں، جیسا کہ کلام مجید میں آیا ہے۔ الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہٖ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات (ہم نے اپنے بندوں کو چُن لیا ہے جن میں کچھ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس پر زیادتی کرتے ہیں، کچھ بہت محتاط ہیں اور کچھ نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں)

یعنی معذور، مشکور اور فانی۔ معذور کون ہیں؟ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لانے اور توحید کا اقرار کرنے کے بعد حضرت ایزدی کی بارگاہ میں نہیں آتے اور اگر آتے ہیں تو دیر میں آتے ہیں اور آہستہ آہستہ آتے ہیں اور "سَارِعُوْا" (جلدی کرو) کے خطاب سے غافل ہیں۔
مشکور کون ہیں؟ وہ لوگ جو ایمان سے ہم عنان اور اقرار سے ہم رکاب آتے ہیں، اور فانی وہ ہیں جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے خطاب کو یاد رکھتے ہیں اور اس کا جواب قَالُوْا بَلٰی بھی نہیں بھولے ہوئے ہیں یہ لوگ دُنیا میں دعوتِ اسلام سے پہلے ہی خطابِ ازلی اور جواب

لم یزلی کے حکم کو قبول کر کے شروع ہی میں نہایت اسرار کی طلب میں
نکل آئے، بہت سے لوگ اس قسم کے تھے جو پوشیدہ طور پر چلے
گئے اور کسی شخص کو ان کے نام تک کا پتہ نہ لگا اور نہ ان کا کوئی
نشان ملا، ان میں سے جن لوگوں سے شناسائی ہوئی وہ ہمارے خواجہ
محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے ہوئی ورنہ کوئی شخص
ان کا نام ونشان تک نہ جانتا اور ان کو نہ پہچانتا، انہی میں سے ایک
امیر المومنین ابوبکر صدیق رضؓ تھے جو دعوت سے پہلے رسالت کی طلب
میں نکلے اور اپنے درد کی دوا چاہی، اور ان میں سے ایک امیر المومنین
علی مرتضیٰ رضؓ تھے جنہوں نے سنِ بلوغ سے پہلے ہی دعوت قبول
کرنے کی سعادت حاصل کی تھی اور ان میں سے ایک اویس قرنی رضؓ تھے
کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی تعریف نہ فرماتے تو ان کا نام تک کسی
کتاب میں نہ ملتا اور ان کا حال کسی دفتر میں درج نہ ہوتا۔ آفرین اُس
مکنت پر جو اُن کو رب العزت کی بارگاہ میں حاصل تھی کہ انہوں نے
دُنیا میں کچھ نہ رکھا اور دُنیا سے کچھ نہ لے گئے، آزاد آئے اور شاد گئے
ان میں سے ایک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے جو دعوت
سے پہلے طلب ہدایت میں نکلے اور خود ہی عہدِ ربوبیت کا اقرار کیا،
فانی لوگوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ فانی وہ ہیں کہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ خداوند
تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ذات موجود ہے جس کو فنا روا نہیں تو وہ لوگ فنا کے
طالب ہوئے کیونکہ اس کا وجود نہیں، اس طرح انہوں نے راہِ عدم

میں قدم رکھا اور اس راستے میں سرگرداں رہے، اور انہوں نے نومیدی کا تختہ پڑھ لیا جو پڑھا نہیں جا سکتا اور راہِ فنا میں الف کے مانند یگانہ وفرد ہو گئے، نہ ان کا وجود باقی رہا اور نہ فنا کا خیال، عین فنا میں انہوں نے بقا حاصل کی، فنا میں باقی رہنے کو بقائے ابد کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ درویشی کہتے ہیں ہمارے ملک کو زوال نہیں یعنی ہمارا ملک درویشی ہے اور درویشی ایک سلبی امر ہے نہ ایجابی۔ ایجاب کا سلب ہو سکتا ہے مگر سلب کا سلب روا نہیں، یہ ایک گہرا بھید ہے جو مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ تو اپنے اعتقاد کو نگاہ رکھ کہ صدور الاحرار قبور الاسرار، جو خزینہ کہ معمور ہوتا ہے اس کا مخزون پوشیدہ رہتا ہے اور جو خزانہ کہ ویران ہوتا ہے اس کا مخزون سراب پر ہوتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ مراتب راہ کا پہلا مرتبہ علم ہے۔ علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل درست نہیں ہوتا۔ مراتب طریقت کا دوسرا مرتبہ عمل ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود نہیں۔ مراتب درگاہ کا تیسرا مرتبہ نیت ہے نیت صحیح ہونی چاہیئے کیونکہ صحیح نیت کے بغیر باطل کے سوا اور کوئی عمل نہیں ہوتا چوتھا مرتبہ صدق ہے، صدق کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر عشق رونما نہیں ہوتا پانچواں مرتبہ عشق ہے۔ عشق اس لیئے ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر توجہ درست نہیں ہوتی۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے۔ توجہ اس لیئے ضروری ہے کیونکہ توجہ کے بغیر سلوک حاصل نہیں ہوتا۔ ساتواں مرتبہ سلوک ہے، سلوک اس لیئے درکار ہے کیونکہ اس کے بغیر پیش گاہ کا دروازہ نہیں کھلتا، آٹھواں مرتبہ درِ پیش گاہ کا کھلنا ہے،

پیش گاہ کا دروازہ کھلنا چاہیئے تاکہ مقصود ظاہر ہو۔

اوّل مرتبہ سلوک کا کیا ہے، یہ کہ دونوں جہان سے باہر آئے مقصود کیا ہے، یہ کہ تو نہ رہے کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِكٌ اِلَّا وَجۡھَہٗ آج بھی اپنے سامنے رکھے۔

رباعی کار یست ورای علم زو آن راباش — در بند گہر مباش رو کان راباش

دل ہست مقام گاہ بگذارد بیا — جان منزل آخرست رو جان راباش

تیرے سامنے ایک راستہ رکھا گیا ہے جو باریک بھی ہے اور دراز بھی، اور تجھ کو ایک عمر دی گئی ہے جو تاریک بھی ہے اور کوتاہ بھی، اور اس کوتاہ عمر میں تجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس راہ دراز پر چل، اور شب دُنیا اگرچہ تاریک ہے کہ الدنیا کلّھا ظلمۃ اس تاریکی میں تیرے لیئے مطالع عنایت سے ایک مہتاب روشن کیا گیا ہے۔ کہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہٖ۔ اللہ نور السموات والارض واشرقت الارض بنور ربھا، اٹھ اور جلدی کر اور اس مہتاب کو غنیمت سمجھ، اور یہ عمر کوتاہ جو تجھ کو دی گئی ہے اس کو گزری ہوئی خیال کر، اور خود کو مُردوں میں شمار کر، اور اگرچہ تو مردہ نہیں ہے مگر مُردنی سمجھ، اور ہمیشہ اس بیت کو دل سے پڑھ۔ بیت

جانی است ہر آئینہ بخواہد رفتن — اندر غم عشق تو رود اولی تر

لیکن خواجہ بستر غفلت پر خواب غُطلت میں خوش سویا پڑا ہے اور نہیں جانتا کہ دعویٰ محبت کس نے کیا ہے۔ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور جب رات آئے تو اپنے محبوب کے ساتھ نہ سوئے اُس کا نام جھوٹوں کے دفتر میں لکھا جائے گا کذب من ادّعیٰ محبتی ثمّ اذا جنّ علیہ اللیل نام عنّی،

سوال: آدمی جب مر جاتا ہے اور اُس کی جان اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے یا نہیں ؟

جواب: اصل کی طرف وہ رجوع کرتی ہے جو زندگی میں کہ اس کو حیاتِ طبیعی کہتے ہیں اپنے مرجع کو پہچانے، اور حجابوں کو جانے، اور عوائق و علائق کو معلوم کرے اور اس کے اندر اُس عالم کا عشق ظاہر ہو، پھر حجابوں کے دور کرنے میں شوق اس کی مدد کرے اور عوائق و علائق کو قطع کرے اور موجودات سے مُنہ پھیر کر موجد کی طرف مُنہ کرے، اور ہر مقام کا حق جیسا کہ چاہیئے ادا کرے، اور ہر اُس مقام کے اجزا جس سے وہ متصل ہے اُسی مقام میں چھوڑ دے اور مرگِ طبعی سے پہلے مرگِ حقیقی سے مر جائے، جب اس طرح زندہ رہے گا اور اس طرح مرے گا تو اپنی اصل سے جا ملے گا اور وصل کا دمساز ہو گا۔

سوال: شریعت اور طریقت کو کیونکر ایک جانیں ؟

جواب: جیسے کہ تم اپنے جان و تن کو ایک جانتے ہو، طریقت شریعت کی جان ہے۔

سوال: راہ کیا ہے اور منزل کونسی ہے ؟

جواب: تم نے ایسا سوال کیا ہے کہ اس میں بہت اسرار ہیں اور تمام راستہ چلنے والوں کے کام کا ہے، اس کا جواب اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ کی مدد کے بغیر نہیں دے سکتے، اور یہ موتی کہ جس کے پڑھنے سے عقلائے عالم عاجز ہیں۔ گفتار میں نہیں پرویا جا سکتا، اس کے بیان کو زبانِ حال اور اس کے سننے کو گوشِ حال چاہیئے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو اس سے کم درکار نہیں کیونکہ کہنے والا

دل سے کہتا ہے اور سننے والا دل سے سنتا ہے، اور میرے تمہارے پاس وہ نہیں، اس لیے ہم گفتہ وشنیدہ کا تصور نہیں کر سکتے۔

سوال: کچھ تو فرمائیں کیونکہ بغیر کہے اور سنے چارہ نہیں ہے تاکہ دل مضطرب نہ رہیں اور جانیں نومیدی کا تختہ نہ پڑھیں۔

جواب: اچھا اللہ کی عنایت اور حکم سے کہتا ہوں، تم کون سی راہ اور منزل کا سوال کرتے ہو، ارباب شریعت کی راہ ومنزل کا یا اصحاب طریقت کی راہ ومنزل کا۔

سوال: دونوں کی راہ ومنزل کا۔

جواب: ارباب شریعت کی راہ ومنزل تو نفس ومال سے باہر آنا اور نعیم مقیم میں داخل ہونا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ (الآیتہ) اور اصحاب طریقت کی راہ ومنزل جان ودل سے باہر آنا کر وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا اور وحدت کے ذروۂ اعلا پر پہنچ جانا ہے وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی، اے درویش! تجھ سے کہتا ہوں کیونکہ تو مسافر ہے اور دیگر لوگ مقیم ہیں، شریعت کے مسافر کو اقامت کی نیت درست نہیں کیونکہ شریعت کے مسافر کا خیال مال وملک سے آگے نہیں ہوتا اور طریقت کے مسافر کی توجہ مالک الملک کی طرف ہوتی ہے۔

سوال: مالک الملک کہاں ہے تاکہ دل کو اس کی طرف متوجہ کریں۔

جواب، کونسی جگہ ہے جہاں وہ نہیں، اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ط مرد کو چاہیئے کہ نصیبِ دُنیا وآخرت سے باہر آئے اور نفسانی لذتوں کو چھوڑے

پھر جہاں کہیں ہوگا اُس کے ساتھ ہوگا اور جہاں جائے گا اُس کا سامنا ہوگا اور جو کچھ کہے گا اسی کی زبان سے کہے گا اور جو کچھ ڈھونڈے گا اُس سے ڈھونڈے گا بلکہ اُسی کو ڈھونڈے گا، خبردار یہ نہ سمجھ کر وہ جلّ جلالہٗ تجھ سے دور ہے بلکہ تو اُس سے دور ہے، جب تو اپنی خودی کے بغیر اپنے آپ میں محو ہوگیا پھر تجھ پر وہ دروازہ کھل جائے گا جو کسی پر نہیں کھلا اور تجھ کو تجھ سے مقصود دکھائیں گے۔

سوال: کسی نے دیکھا ہے جو اس کو دکھائے گا؟

جواب: اُس نے دیکھا ہے جس کے آنکھ ہے، نہیں نہیں اُس نے دیکھا ہے جس کے آنکھ نہیں ہے۔

تا دیدہ بود دیدہ کجا آید دوست　　　خواہی کہ شود دیدہ برون آئی ز پوست

از دیدہ و دیدنی چو تو بگذشتی　　　دانی کہ کسی نیست بہ بینی ہمہ اوست

سوال: کیا فخر ہر حال میں مذموم ہے؟

جواب: فقر امر عدمی ہے، وجود کے ساتھ فخر کرنا مذموم ہے اور عدم کے ساتھ فخر کرنا محمود ہے اسی سبب سے ہمارے خواجہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا و آخرت کے وجود کے ساتھ فخر نہ کیا، جب کام فقر کو پہنچا تو فرمایا الفقر فخری (میرا فقر میرا فخر ہے)۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ

اسم گرامی محمد بن عطاء ہے، ہندوستان کے مشائخ متقدمین سے ہیں۔ علم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مصاحبین سے ہیں۔ اگرچہ آپ کو سلسلۂ سہروردیہ سے بھی نسبت ہے اور شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدینؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں اور ان میں حمید الدین ناگوری ہیں۔ واللہ علم

آپ کے مشرب پر وجد و سماع غالب تھا۔ سماع کے بہت مشتاق تھے آپ کے زمانہ میں کسی شخص کو سماع میں اتنا دخل نہ تھا جتنا کہ آپ کو تھا۔ علمائے عصر نے آپ پر محضر بنایا تھا۔ آپ کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اس کو جاری رکھا اور تغلق شاہ کے عہد میں ان پر بھی محضر بنایا گیا۔ اور وہی محاضر جو قاضی حمید الدین کیلئے لکھے تھے پیش کئے۔ قاضی حمید الدینؒ بہت تصانیف کے مالک ہیں، عشق و ولولہ کی زبان میں بات کرتے ہیں، آپ کی ایک مشہور تصنیف کا نام طوالع شموس ہے اس میں اسمائے حسنیٰ کی شرح بیان کی ہے۔ اس میں بہت بلند اور مؤثر کلام ہے۔ آپ جامع علوم شریعت و طریقت و حقیقت تھے۔ طبیعت ظریفانہ تھی۔ اور کبھی کبھی احباب سے خوش طبعی فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ اور شیخ برہان الدین اور قاضی کبیر جو اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے اور دیگر احباب گھوڑوں پر سوار ہو کر جا رہے

تھے، جس گھوڑے پر قاضی حمید الدین سوار تھے وہ بہت چھوٹا تھا اور اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ قاضی کبیر نے کہا کہ تمہارا گھوڑا بہت صغیر ہے قاضی حمید الدین نے جواب دیا "مگر کبیر سے بہتر ہے"۔

آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے بڑی محبت تھی، فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ شیخ فرید الدین قدس سرہٗ اور ان کے ذوق سماع کا کچھ ذکر ہوا۔ فرمایا کہ ایک وقت انہوں نے سماع سننے کی خواہش کی۔ قوال حاضر نہ تھا۔ انہوں نے بدر الدین اسحاق سے کہا کہ وہ مکتوب لاؤ جو قاضی حمید الدین ناگوری نے بھیجا ہے۔ شیخ بدر الدین گئے اور مکتوبات و رقعات کی تھیلی لا کر سامنے رکھ دی۔ جب اس میں ہاتھ ڈالا گیا تو پہلے وہی خط ہاتھ میں آیا۔ اسے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخؒ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھو۔ شیخ بدر الدین نے اس مکتوب کو پڑھنا شروع کیا۔ اس میں یہ تحریر تھا کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا جو درویشوں کا غلام ہے اور بسر و چشم ان کے قدموں کی خاک ہے۔ حضرت شیخ رح کو اتنا سنتے ہی ایک حال و ذوق پیدا ہوا، بعد ازاں یہ رباعی بھی پڑھی جو اس مکتوب میں درج تھی۔ رُباعی

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد — آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال — آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

آپ کی قبر خواجہ قطب الدینؒ کے پائین مزار ایک اونچے چبوترے پر ہے، کہتے ہیں کہ آپ نے از راہ تعظیم خود کو خواجہؒ کے پائین رکھا، آپ کی اولاد کو یہ امر ناگوار گزرا اور انہوں نے خواجہ رح کی قبر سے بلند تر ایک چبوترا بنوا دیا۔ آپ کی وفات ۶۰۵ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیائے سے منقول ہے کہ اس شہر میں قاضی حمید الدین

ناگوری نے سماع کا سکہ بٹھا دیا اور قاضی منہاج الدین جورجانی جب قاضی مقرر ہوئے تو چونکہ وہ صاحب سماع تھے اس کام کو استقامت ہوئی، قاضی حمید الدین سے مدعیوں نے بہت دشمنی اور جھگڑا کیا مگر وہ سماع پر مستقیم رہے۔ پھر فرمایا کہ بحیری قاضی حمید الدین ناگوری سے جھگڑا کرتے تھے یہاں تک کہ مولانا شرف الدین بحیری بیمار ہو گئے۔ قاضی حمید الدین درویشوں کی صاف باطنی سے عیادت کو ان کے گھر گئے ان کو خبر کی گئی کہ قاضی حمید الدین آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جو خدا کو معشوق کہتا ہے آیا ہے میں اس کا منہ نہیں دیکھتا۔ اس مجلس میں امیر حسن شاعر بھی حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس معشوق سے مقصود محبوب ہے سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس امر میں بہت بحث ہے۔

نیز شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ قاضی حمید الدین ناگوری سے ہم تک پہنچا ہے کہ ایک دفعہ سماع تھا، باوجود اس کے کہ قوال حاضر تھے مگر ذوق پیدا نہ ہوتا تھا۔ صاحب سماع نے کہا کہ آؤ اگر کسی صاحب کو کسی کے ساتھ رنجش ہو تو ایک دوسرے سے صلح کرلیں۔ یہ بھی کیا گیا لیکن مؤثر ثابت نہ ہوا، پھر کہا کہ آؤ دیکھیں کوئی بیگانہ نہ ہو، دیکھا تو بیگانہ بھی نہ تھا۔ سماع کو چھوڑ کر استغفار میں مشغول ہو گئے اس اثنا میں ایک درویش نکلا۔ اور اس نے ایک بیت پڑھی۔ اس کے سنتے ہی اثر پیدا ہو گیا۔ اس مجلس میں ایک عزیز نے اسی حال میں جان بحق تسلیم کی۔

نقل از طوالع شموس، حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب حقیقت مآب کا جوہر جگہ اسرار حقیقت سے موج موج اور معانی طریقت سے فوج فوج ہے اختصار و انتخاب بہت مشکل ہے، اس کے تمام مقامات متانت وحرارت وحالت میں متشاکل ومتشابہ

واقع ہوئے ہیں۔ اول کتاب سے جہاں اسم ھُوْ کی شرح کرتے ہیں چند کلمے نقل کیے جاتے ہیں، اس کلمہ کی شرح میں اتنے معانی لکھے ہیں کہ کاتب حروف کا وقت اس کے احاطہ سے قاصر ہے، مگر جس قدر لکھا جائے وہی بہتر ہے۔

فرماتے ہیں ھُوْ حرفِ اشارہ ہے اور اشارہ مشاھدہ کے ساتھ ہوتا ہے جب کوئی موجود نظر آئے یا اُس کی خبر آئے۔ پھر جب اُس سے کوئی فعل جو اس کے لائق ہو دیکھا جائے تو عرف میں کہیں گے کہ اُس نے کیا ہے اور بہت اچھا کیا ہے جیسا کہ حضرت خلیل صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہ نے جب ستاروں سے مُنہ پھیرا اور تمام مظاہر سے بیزاری کا اظہار کیا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ تو روئے دل کو محبوبِ جاں کی طرف لائے وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا، بتوں سے بری ہونے اور خدا کی طرف منہ کرنے کے بعد اُن سے پوچھا گیا کہ تم نے کس کی طرف منہ کیا۔ فرمایا اپنے اُس رب کی طرف جو مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ یہ اشارہ اگرچہ مقام تفرقہ سے تھا کیونکہ حروف اضافات اس کی دلیل ہیں لیکن مشارٌ الیہ کی طلب میں جمع اور صفۂ بارگاہِ محبت میں شمع ہوئے، اس وقت سلوک میں آئے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ . . . . .

اے برادر! تو اپنے آپ کو فراموش کر اور خاموش ہو، یہ فراموشی عجیب یاد کرنا ہے اور یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے یعنی قبل اس کے کہ تو اپنے نفس کو بھول جائے۔ ایک روز شبلیؒ نے خود کو فراموش کر دیا اور لب پر لب رکھ کر خاموش بیٹھ گئے یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا۔ جب پھر اپنے آپ میں آئے تو اُس درد سے بہت بے قرار ہوئے اور کہنے لگے۔ شعر

نسیت الیوم من عشقی صلاتی　　فلا ادری غدائی من عشائی

فذکرک سیدی اکلی وشربی　　ووجھک ان رایت شفاء دائی

ترجمہ: آج میں عشق کے باعث اپنی نماز بھول گیا میں نہیں جانتا ہوں صبح کو شام سے، اے میرے آقا تیرا ذکر میرا کھانا پینا ہے، اور تیرا مُنہ اگر میں دیکھ لوں تو میرے مرض کی دوا ہے۔

اسم ھُو جلالِ ذوالجلال کے خطبوں کا دیباچہ اور اوصافِ کمال کا فاتحہ ہے۔ اس اسم کا ذاکر اگرچہ صاحب نظر ہو اور اسرار سے باخبر ہو مگر سلطانِ ہویت کے غلبہ سے والہ و حیران ہوگا اور عشق کے بیابانوں میں سرگردان ہوگا، اس کو اپنا شعور نہیں رہتا اور اس کی صفات میں غیبت و حضور نہیں رہتا۔ اس کی اشارت اُس سے ہوتی ہے اور اس کے بھید کی نظر دائماً اُس کے ساتھ رہتی ہے، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ط

اکابرِ طریقت میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عاشق کو دیکھا اور جب میں اُس کے پاس پہنچا تو اُس کو بحرِ شہود میں غرق اور مشہود کے ساتھ مستغرق پایا۔ میں نے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اُس نے جواب دیا ھُو۔ میں نے کہا تُو کون ہے؟ کہا ھُو۔ میں نے کہا کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا ھُو۔ میں نے کہا کہاں جاؤ گے؟ کہا ھُو۔ میں نے کہا کیا ھُو کہنے سے تیری مراد حضرت ذوالجلال متعال ہے جس کا ملک لم یزل ولایزال ہے۔ اُس نے ایک نعرہ مارا اور گر کر مر گیا۔ نعرہ کے سبب جدا ہو گیا اور اُس کی جان رویتِ بادشاہ کے استقبال کو روانہ ہوئی۔

تعجب ہے کہ خواجۂ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم جب بحرِ نُور کے تیراک ہوئے اور

عالمِ خودی سے دُور ہوئے اور انوارِ محبوب میں مستور ہوئے پھر امواجِ شہود کے تلاطم سے اوپر آئے تو سلطانِ غیریت نے آپؐ کو دیکھا اور آپؐ خودی میں موجود ہوئے فریاد کی کہ اے اللہ میرے دل میں نور کر اور میری آنکھوں میں نور کر اور میرے کانوں میں نور کر اور میرے اوپر نور کر اور میرے نیچے نور کر اور میرے آگے پیچھے نور کر اور مجھ نوراً فی نورٍ کر

ع سرتاپایم فدائے سرتاپایت۔

یعنی محمد آباد اور جبرئیل آباد میں یہ معنی نہیں پائے جاتے۔ مقصورہ الرحمٰن کا دروازہ کھول اور ہمارا اُنی اپنے آپ میں نظر کرتا کہ قبل اس کے کہ ہم انوارِ جلال کے پرتو سے جل جائیں تیری وجہِ کریم کے پرتوِ سبحات سے مشرف ہوں، اور قبل اس کے کہ بیخود ہو کر تیرے حضور میں آئیں تیرے صفحۂ جمال کے چمکنے سے نور ہو جائیں۔ اس معنی میں غور کرنا چاہیئے اور اس کے ادراک کے لیے ذوقِ سلیم چاہیئے تا کہ جمال دیکھے۔ . . .

پروردگارِ عالم اور آفریدگارِ آدمی و آدم جلّ جلالہٗ و عمّ افضالہٗ نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس ایک آیت میں تین ناموں کا ذکر کیا هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ راہِ عشق پر چلنے والوں کے تین مراتب ہیں۔ ظالم و مقتصدؔ و سابقؔ، اور مراتبِ نفوس بھی تین ہیں۔ امارہؔ و لوامہؔ و مطمئنہ، اسم هُو مقربانِ سابق کے نصیب میں ہے جو نفوسِ مطمئنہ رکھتے ہیں اور اُس کے انوارِ احدیت کے پرتو میں جل گئے ہیں اور غیر کے دیکھنے سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں، ہر ایک مقامِ استغراق میں کل چیزوں سے بے شعور ہیں اور اُس لطف کے نور کے مجذوب ہیں، اُن میں سے کوئی غیر کے ساتھ موافقت نہیں کرتا یا اس کو عزیز نہیں رکھتا، بلکہ آدم و آدمیاں اور عالم و عالمیاں کو معدوم شمار کرتا ہے اور نابود سمجھتا ہے کیونکہ یہ سب عالمِ امکان میں ہیں اور قید خانۂ حدوث کے

اسیر ہیں۔

اے برادر نقش اسم ھُو ہمیشہ کہنا منتہیان سابق کا کام ہے کہ ان کی جان حضرت عزت پر ہزار دل سے عاشق ہے کیونکہ اسم ھُو اسم اللہ کی منتہا ہے اور اس بھید سے وہی شخص آگاہ ہے جس کی جان بادشاہ کے عشق میں مستغرق ہے۔

اے عزیز جس کو محبوب کے عالم ہیبت میں بار دیا گیا وہ اپنی انانیت میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ مشاہدۂ جلال کے غلبات سے پگھل جاتا ہے، خود سے بے شعور ہو جاتا ہے اور اُس نور کے پرتو میں رہتا ہے۔ مقامات و کرامات، سکر و صحو، اثبات و محو، فنا و بقاء، خوف و رجا، بسط و قبض، نفل و فرض، انس و ہیبت اور سرور و رہبت کو اس سے اضافت نہیں کر سکتے چونکہ محبوب بے نشان ہے وہ بھی بے نشان ہو جاتا ہے، اور بوئے گل کی طرح پھول میں پیدا و پنہاں ہو جاتا ہے۔

ایک عزیز نے جو طریقت میں قدم رکھتا تھا اور حقیقت کا دم بھرتا تھا اس ضعیف سے کہا کہ میں روم کے ایک گرجا میں گیا وہاں ایک دوربین راہب جو مجھ میں نظر رکھتا تھا اور میرے حال سے باخبر تھا مجھ کو ایک جگہ لے گیا۔ میں نے ایک شخص کو خاشع اور شہود پر آمادہ کھڑے دیکھا، میرے دل پر اس کی ہیبت چھا گئی۔ اُس راہب نے کہا اے عزیز بارہ سال ہوئے ہیں کہ یہ مشاہدۂ جمال میں ہے اور قدم انتظار پر اجابتِ دعوت کو آمادہ کھڑا ہے، ہر روز صبح کے وقت یکایک اس سے اسم ھُو کی آواز ہمارے کانوں میں پہنچتی ہے، جب یہ اسم ھُو کہتا ہے اس کے مُنہ سے ایک نور چمکتا ہوا نکلتا ہے جیسے کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

اے عزیز! بے شک ھُو کا کہنے والا والہ و حیران ہوتا ہے، جب محبوب

بے نشان کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو محبوب کی ہویّت اُس کی انانیت کو مضمحل
کردیتی ہے اور اُس کو اپنے چہرے کی تجلی سے جلادیتی ہے، اگر وہ مقامِ استغراق
سے مقامِ استہلاک میں جا پڑے تو پھر محبوب میں گم ہوجاتا ہے اور بے نشان ہو
جاتا ہے اور تمام اسرار اُس پر عیاں ہوجاتے ہیں جیسے کہ لجۂ محیطِ عشق میں قطرہ ہو
بے شک اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جاسکتا اور اُس کے اسرار بیان نہیں کیے جاسکتے
اور اگر مقامِ استہلاک سے مقامِ اصطلام میں جا پہنچے تو ملکِ دو عالم اس کو مسلّم ہوگیا ؎

بندہ جائے رسد کہ محو شود   بعد ازاں کار جز خدائی نیست

اس مقام میں رستہ چلنے والوں کو جو کچھ اُس سے سنائی دے وہ آتا ہے، پہلے
مقام میں خود سے اُس کو اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے هُوَ، اس مقام میں اُس سے
خود کو اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے۔ ؎

اَی عزیزی کہ رازِ مطلق گفت   راست جنید کو انا الحق گفت

شیخ جلال الدین تبریزیؒ

اکمل مشائخ میں سے ہیں، آپ کے مناقب مشائخ چشت کی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ، شیخ ابو سعید تبریزیؒ کے مرید تھے، مرشد کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہے اور ایسی خدمت کی کہ کسی بندہ و مرید نے نہ کی ہوگی۔

کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین ہر سال سفرِ حج کو تشریف لے جاتے تھے چونکہ بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے اس لیے جو توشہ اُن کیلئے ساتھ لے جاتے تھے اُن کی طبیعت کے موافق نہ آتا تھا، شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے یہ اہتمام کیا کہ ایک چولھا اور پتیلا اپنے سر پہ اٹھا کر ساتھ لے جاتے تھے اور چولھے کو اس ترکیب سے گرم رکھتے تھے کہ سر نہ جلے۔ جب شیخ کھانا مانگتے تو گرم گرم ان کے سامنے رکھ دیتے

آپ خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤ الدین سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے آپ کا ذکر مشائخ چشت کی کتابوں میں بہت آیا ہے، خواجہؒ کے زمانے ہی میں دہلی تشریف لاتے تھے۔ شیخ الاسلام دہلی شیخ نجم الدین صغری جن کی قبر مولانا برہان الدین بلخی کے برابر ہے آپ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے آپ پر ایک امر شنیع کی تہمت لگائی اور ایسا فتنہ برپا کیا کہ آپ کو بنگالہ کی جانب جانا پڑا۔ جب بنگالہ میں پہنچے تو ایک دن

وہاں پانی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ اٹھ کر تازہ وضو کیا اور حاضرین سے کہا آؤ شیخ الاسلام دہلی کی نماز جنازہ پڑھیں کیونکہ انھوں نے اس وقت انتقال کیا ہے، اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے حاضرین کی طرف منہ کر کے فرمایا: "شیخ الاسلام دہلی نے ہم کو شہر سے باہر کیا، ہمارے شیخ نے اس کو دُنیا سے باہر کیا۔"

نیز فوائد الفواد میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی رح جب دہلی میں آئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد چل دیئے اور کہنے لگے کہ "جب میں اس شہر میں آیا تو زرِ خالص تھا اور اب چاندی ہوں۔ دیکھئے آگے کیا ہو۔"

اسی کتاب میں منقول ہے کہ جب شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ بدایون میں پہنچے تو ایک دن گھر کی دہلیز میں بیٹھے تھے ایک شخص دہی بیچنے والا سر پر دہی کا کونڈا رکھے دروازے کے سامنے سے جاتا تھا۔ یہ دہی بیچنے والا لاڈا کوؤں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو بدایون کے گرد و نواح میں ہوتے ہیں۔ اس کی نظر شیخ جلال الدین کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو ایک ہی جھلک میں اس کا باطن فنا ہو گیا، جب شیخ نے اس کو تیز نگاہ سے دیکھا تو کہنے لگا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ایسے صاحب کمال بھی ہیں۔" اور اسی وقت ایمان لے آیا، شیخ نے اس کا نام علی رکھا۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ اپنے گھر گیا اور ایک لاکھ چیتل لے کر خدمت میں حاضر ہوا شیخ نے قبول کر لیے اور فرمایا کہ ان چاندی کے سکوں کو اپنے پاس ہی رکھو، جہاں میں کہوں گا خرچ کرنا۔ القصہ اس نے اس چاندی کی بخشش شروع کی اور کسی کو سو درم دیتا تھا، کسی کو پچاس، کسی کو زیادہ اور کسی کو کم اور جس کو تھوڑا دینے کا حکم ہوتا اس کو پانچ چیتل

دیتا۔ شیخ کا کم سے کم صدقہ پانچ چیتل ہوتا تھا۔ تھوڑے سے عرصہ میں وہ سب چاندی ختم ہو گئی، صرف ایک درم باقی رہ گیا۔ علی کہتا ہے کہ میرے دل میں خیال آیا اب میرے پاس ایک درم سے زیادہ نہیں اور شیخ کا کم سے کم بخشش پانچ درم ہے اگر وہ کسی کو کچھ بخشنے کا حکم دیں تو میں کیا کروں گا، اسی اندیشہ میں تھا کہ ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ شیخ نے مجھ کو حکم دیا کہ ایک درم اس کو دے دو۔

اسی کتاب میں نقل ہے کہ ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سفر حج سے واپس آئے، اہل بغداد اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک نے بہت نقد و جنس نذر کی۔ اسی اثنا میں ایک بڑھیا آئی اور اُس نے اپنی پرانی چادر کی گرہ کھول کر ایک درم شیخ کی نذر کیا۔ شیخ نے وہ ایک درم لے کر ان سب تحفوں اور ہدیوں کے اوپر رکھ دیا۔ پھر سب حاضرین سے فرمایا تم کو جو تحفہ چاہیئے لے لو، ہر ایک نے اٹھ کر کچھ نقدی یا تھیلی یا مال اٹھا لیا۔ شیخ جلال الدین طیب اللہ ثراہ بھی وہاں حاضر تھے۔ ان کو اشارہ کیا کہ تم بھی کچھ اٹھا لو۔ شیخ جلال الدین نے اٹھ کر وہی ایک درم جو بڑھیا لائی تھی لے لیا۔ شیخ شہاب الدین نے جب یہ دیکھا تو فرمایا یہ سب کچھ تم نے ہی لے لیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے مل کر بہت سیاحت کی ہے ایک مرتبہ اُس شہر میں پہنچے جہاں شیخ فریدالدین عطار رہتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین کی یہ عادت تھی کہ جب منزل پر پہنچتے عبادت میں مشغول ہو جاتے اور شیخ جلال الدین شہر کی سیر کو نکل جاتے۔ آپ نے شیخ فرید عطار کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا اور اُن کے انوار کمالات میں محو ہو گئے۔ جب اپنی خواب گاہ میں واپس آئے تو شیخ بہاؤالدین سے کہا کہ آج میں نے ایک شاہباز دیکھا جس نے مجھے وارفتہ کر دیا ہے۔ شیخ بہاؤالدین نے فرمایا

کہ اس وقت تم نے اپنے پیر کے جمال باکمال کو یاد کیا ہوتا۔ کہا کہ اس کے سامنے میں سب کچھ بھول گیا، اس تاریخ سے شیخ جلال الدین اور شیخ بہاؤ الدین میں مفارقت ہو گئی

فوائد الفواد میں نقل ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کی جانب ایک مکتوب بھیجا جس میں یہ لکھا تھا من احب اتخاذ النساء لم یفلح ابداً (جس نے شہوت پرستی کی وہ کبھی فلاح نہیں پاتا) اور لکھا تھا کہ جس کسی نے صنعت میں دل لگایا وہ دُنیا کا بندہ ہو گیا۔

جوامع الکلم میں جو سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات کا مجموعہ ہے لکھتے ہیں کہ شیخ فرید الدین قدس سرہٗ اکثر مشغول و مستغرق رہتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان کو قاضی بچہ دیوانہ کہہ کر پکارتے تھے، ایک دفعہ شیخ جلال الدینؒ اس جگہ پہنچے اور پوچھا کہ یہاں کوئی درویش ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ایک لڑکا ہے دیوانہ دل، جو جامع مسجد میں پڑا رہتا ہے شیخ جلال الدین اسکو دیکھنے گئے اور اس کے ہاتھ میں ایک انار دیا وہ روزے سے تھا آخر انار لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کا ایک دانہ وہیں پڑا رہ گیا۔ لڑکے نے اسی ایک دانے سے افطاری کے وقت روزہ کھولا۔ اس روز اس کے مراتب میں اور ترقی ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ اگر میں سارا انار کھا لیتا تو کس قدر فائدہ ہوتا۔ جب وہ شیخ الاسلام قطب الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ حکایت بیان کی، شیخ الاسلام نے فرمایا:

"بابا فرید! جو کچھ تھا اسی ایک دانے میں تھا جو تیرے لیے رکھ چھوڑا تھا۔"

سیر الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب شیخ فرید الدینؒ اور شیخ جلال الدین باہم گفتگو کر رہے تھے شیخ فرید الدین کے کپڑے نہایت پارہ پارہ تھے ہر بار جب ہوا چلتی تو شیخ دامن پیراہن سے پھٹے ہوئے ازار کے مقام کو چھپاتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر شیخ

جلال الدین نے فرمایا کہ بخارا میں ایک درویش تعلیم میں مشغول تھا اور اسکے بدن پر سات
برس تک ازار بھی نہ تھا، خاطر جمع رکھ، دیکھ کیا ہوتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے
تھے کہ شیخ جلال الدین نے اُس درویش سے خود کو مراد لیا تھا۔

شیخ جلال الدین تبریزی کی قبر شریف بنگالہ میں ہے۔ زیارت و برکت کا مقام
ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز۔

شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ

سلطان شمس الدین کے عہد کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی آپ کو دیکھا تھا میر حسن نے فوائد الفواد میں لکھا ہے بندہ نے عرض کی کہ حضور بھی کبھی اُن کے وعظ میں شریک ہوئے ہیں۔ شیخؒ نے فرمایا "ہاں مگر اُس وقت میں بچہ تھا اور مطالب کو حسب منشا نہ سمجھ سکتا تھا" ایک روز میں اُن کے وعظ میں گیا، ان کو دیکھا کہ جوتا پہنے ہوئے مسجد کے دروازے میں کھڑے ہیں پھر انہوں نے پاؤں سے جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور مسجد میں داخل ہو گئے اور دو رکعت نماز ادا کی میں نے کسی شخص کو اس ہیئت میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا، نہایت راحت سے دوگانہ پڑھنے کے بعد منبر پر چڑھ گئے، قاسم نامی ایک خوش آواز مقری نے کوئی آیت پڑھی، بعد ازاں شیخ نظام الدین ابو المؤید نے آغاز کلام کیا کہ میں نے اپنے بابا کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے، ابھی وہ کچھ اور نہ کہنے پائے تھے کہ یہ بات حاضرین کے دل پر لگی، اور سب نے رونا شروع کر دیا، پھر شیخ نظام الدین ابو المؤید نے یہ دو مصرعے پڑھے ؎

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد جان در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

اس کے سنتے ہی خفقت سے نعرے بلند ہوئے اس کے بعد انہوں نے دو تین بار بھی دو مصرعے دہرائے اور کہا "اے مسلمانو! اس رباعی کے اگلے دو مصرعے یاد نہیں

آنے، کیا کروں، یہ بات انہوں نے ایسے عاجزانہ پیرائے میں کہی کہ تمام سامعین پر کیفیت طاری ہو گئی پھر قاسم مقری نے وہ دونوں مصرعے یاد دلائے۔ ؎

پُر درد دلے بخاک در خواہم شد　　　پُر عشق سرے ز گور بر خواہم کرد

یہ رباعی پڑھ کر منبر سے نیچے اتر آئے۔"

شیخ نظام الدین ابوالمؤید کے دادا کو شمس العارفین کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور شیخ جمال کولوی جن کا مقبرہ کول میں ہے آپ کی اولاد سے ہیں۔

رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہم

شیخ برہان الدین محمودؒ

بن ابی الخیر اسعد البلخی سلطان غیاث الدین بلبن کے وقت میں اکابر علماء میں سے تھے۔ علم و دانش اور وجد و سماع سے بہرۂ وافر رکھتے تھے، جامع علومِ شریعت و طریقت تھے۔ آپ کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا اور بعض درویشانہ اشعار آپ سے نقل کیے جاتے ہیں مثلاً یہ بیت ؎

گر کرامت عام شد رفت زبرہان عذاب

در بعمل حکم شد وہ کر چہا دیدنی ست

آپ نے مشارق حدیث کی سند مصنف سے حاصل کی تھی۔

نقل ہے آپ فرماتے تھے میں چھ سات برس کا بچہ ہی تھا کہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا، یکایک مولانا برہان الدین مرغینانی، صاحب ھدایہ کی آمد کا شور سنائی دیا، والدِ ماجد اُن کے راستے سے کنارہ کر کے دوسرے کوچے میں چلے گئے اور مجھے وہیں چھوڑ گئے، جب مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری نزدیک پہنچی تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ انہوں نے میری طرف بڑی تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا "خدا مجھ سے یہ بات کہلوا رہا ہے کہ یہ بچہ اپنے زمانے کا علامہ ہوگا" میں نے یہ بات سُنی اور ان کی رکاب میں چل دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا "خدا مجھ سے یہ بات کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اس مرتبے کو پہنچے گا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر

حاضر ہوں گے۔"

نقل ہے کہ آپ بارہا فرمایا کرتے تھے خدا تعالیٰ کے یہاں مجھ سے کسی گناہ کبیرہ کے بارے میں پرسش نہیں ہوگی سوائے ایک کے، حاضرین نے پوچھا کہ وہ کونسا گناہ کبیرہ ہے، کہنے لگے کہ سماعِ چنگ، کیونکہ میں نے چنگ بہت سنا ہے اور اگر اس وقت بھی ہو تو سننے کو تیار ہوں۔

آپ کی قبر حوض شمسی کے مشرق کی جانب ہے اور اس کو تختۂ نور کہتے ہیں یزار و یتبرک بہ اس دیار کے لوگ آپ کی قبر کی مٹی بچوں کو کھلاتے ہیں تاکہ اُن پر علم کے دروازے کھلیں۔ اسی وجہ سے آپ کی قبر پائین سے شکستہ ہو گئی تھی اور کئی بار ویران ہو کر از سرِ نو تعمیر ہوتی رہی۔ رحمتہ اللہ علیہ ط

شیخ احمد نہروانیؒ

قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں، مرد بزرگ تھے، آپ کا پیشہ بافندگی تھا، شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ بہت کم کسی کو پسند فرماتے تھے لیکن شیخ احمد نہروانی کے باب میں فرماتے ہیں کہ اگر احمد کی مشغولی مدن کی جائے تو دس صوفیوں کی مشغولی کے برابر ہوگی۔

شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ جس مجلس سماع میں شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ واصل بحق ہوئے اس میں احمد نہروانی بھی موجود تھے۔

شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانی جب کرگے پر کام کرتے تو کبھی کبھی ان کو ایسا حال پیدا ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے غائب ہو جاتے اور کام کرنا بند کر دیتے تھے اور کپڑا خود بخود بُنتا جاتا تھا۔

ایک روز قاضی حمید الدین ناگوریؒ آپ کے دیکھنے کو آئے ہوئے تھے۔ ملاقات کے بعد رخصت ہونے لگے تو قاضی صاحب۔ نے فرمایا "احمد یہ کام کب تک کرتے رہو گے" یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے، شیخ احمد اسی وقت میخ کسنے کے لیے اٹھے لیکن وہ ڈھیلی پڑ چکی تھی آپ کا ہاتھ میخ پر لگا اور ٹوٹ گیا، شیخ احمد نے ہندوستانی میں کہا "اس بڈھے یعنی قاضی حمید الدین، نے میرا ہاتھ توڑ ڈالا" اس واقعہ کے بعد شیخ احمد نے کاروبار چھوڑ دیا اور ہمہ تن اللہ سے لو لگا لی۔ آپ کی قبر بدایوں میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ ط

شیخ محمد ترک نارنولیؒ

آپ کا اصلی وطن ترکستان تھا۔ وہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور نارنول میں مقیم ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ خواجہ عثمان ہرونیؒ کے مرید ہیں۔ ملفوظاتِ مشائخ میں ہم نے کہیں آپ کا ذکر نہیں دیکھا، اس دیار کے عوام آپ کو پیر ترک یا ترک سلطان کے لقب سے بھی یاد کرتے ہیں اور آپ کا مقبرہ زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

جب آپ ترکستان سے ملکِ ہندوستان میں وارد ہوئے قصبہ نارنول میں ایک حوض تھا جس کے کنارے آپ کا مزار ہے، اب وہ حوض مسمار ہو چکا ہے اور شہر کی آبادی میں آ چکا ہے، آپ نے وہیں سکونت اختیار کی، آپ مجرّد، متوکل، حضور اور توالد و تناسل سے دُور تھے۔ کسی شخص سے بیعت نہ لی اور مرید نہ کیا۔

کہتے ہیں کہ اوائل اسلام میں نارنول میں کفّار کا غلبہ تھا اور شہر میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، ہندو موقع کی تاڑ میں رہتے تھے۔ عید کا دن تھا، نماز میں یک بارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو شہید کر دیا۔ اُس روز بہت مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا، شیخ محمد ترک بھی اسی روز شہید ہوئے۔ اکثر شہداء کو حوض تہند پال کے کنارے دفن کیا گیا۔ اور شیخ جہاں رہتے تھے وہیں دفن ہوئے۔ اس گنجِ شہیداں میں دو شہید آسودہ ہیں۔ ان میں سے ایک کا مزار بلندی پر ہے اسے بلند شہید کہتے ہیں اور دوسرے کا مدفن نشیب میں واقع ہے اس کو نشیب شہید کہتے ہیں۔ دونوں کلام مجید کے حافظ

تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوتِ قرآن کی آواز سنی ہے گویا دور کر رہے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو بادشاہ نے زبردستی ٹھٹھہ کی جانب روانہ کیا۔ وہ نارنول کے راستے سے ٹھٹھہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب نارنول ایک کوس رہ گیا تو سواری سے نیچے اتر آئے اور شیخ محمد ترک کے مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ روضہ کے اندر قبر کے سامنے ایک پتھر لگا ہوا ہے، تھوڑی دیر اس پتھر کے سامنے کھڑے رہے۔ پھر شیخ کی قبر کی طرف متوجہ ہوئے۔ زیارت سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے دریافت کیا" اس میں کیا راز تھا کہ پہلے آپ پتھر کی طرف متوجہ ہوئے، اور بعد میں قبر کی طرف"؟ انہوں نے فرمایا" خوش نصیب ہے وہ خادم جس کی نوازش کے لیے خود مخدوم اس کے گھر آئے اور اس کو سرفراز کرے، میں نے جناب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کو اس پتھر میں جلوہ افروز دیکھا اور جب تک وہ معنی مجھ پر منکشف رہے میں اس پتھر کی طرف متوجہ رہا۔ جب وہ معنی میری بصیرت سے غائب ہو گئے میں شیخ کی قبر کی جانب متوجہ ہوا۔" یہ کہہ کر شیخ نصیر الدین محمودؒ مراقبے میں چلے گئے، جب مراقبے سے سر اٹھایا تو فرمایا جس کسی کو کوئی سخت مشکل درپیش ہو اور وہ اس روضے کی طرف متوجہ ہو امید ہے کہ وہ مشکل آسان ہو جائے گی۔ اس پر ایک ہی باک نے کہا کہ اب تو آپ کو خود ایک مشکل درپیش ہے۔ انہوں نے فرمایا "اسی سبب سے میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کی برکت سے میری مشکل آسان کر دے گا۔" نارنول سے دو تین منزل نہ گئے ہوں گے کہ بادشاہ کی موت کی اطلاع ملی۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ واپس دہلی آ گئے۔ وہ پتھر اب تک شیخ محمد ترک کی قبر کے مقابل

موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

رحمتہ اللہ علیہ

شیخ ترک بیابانیؒ

شاہ ترکمان کے لقب سے مشہور ہیں، کہتے ہیں کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مریدوں میں سے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کے احوال کچھ معلوم نہیں ہوئے کہ تحریر میں لائے جائیں۔ مزار قلعہ دہلی کے نزدیک فیروز آباد کی جانب ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ

شیخ شاہی موئے تاب رح

بدایون میں رہتے تھے، قاضی حمید الدین ناگوری رح آپ کو شاہِ روشن ضمیر
کہا کرتے تھے، جب آپ کو خرقہ عطا کیا تو شیخ محمود موئینہ دوز کی خدمت میں روانہ کر کے
پیغام بھجوایا کہ آج ہم نے یہ کام کیا ہے کہ ایک بادشاہ (شاہی) کو گدڑی پہنا دی
ہے۔ آپ اس بات کو پسند فرمائیں گے؟ شیخ محمود نے جواب دیا آپ کی ہر بات
پسندیدہ ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن آپ کے دوست دھوپ میں کھڑے رہے یہاں تک
کہ ان کے پسینہ بہنے لگا، خواجہ شاہی رح نے اسی وقت حکم دیا کہ حجام کو بلاؤ، حاضرین نے
پوچھا، کیا ماجرا ہے۔ فرمایا "میرے دوستوں کا جس قدر پسینہ ٹپکا ہے میں اپنا اتنا ہی
خون نکلوانا چاہتا ہوں"۔ یہ تمام قصہ خیر المجالس میں نقل کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک
دفعہ آپ کے دوست آپ کو کہیں باہر لے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے چاول پکائے
جب دسترخوان چنا گیا تو شیخ شاہی نے اس کھانے کو دیکھ کر فرمایا کہ اس میں خیانت ہوئی
ہے ہم اسے نہیں کھائیں گے، دوست حیران رہ گئے اور کہنے لگے ہم میں سے تو
کسی نے خیانت نہیں کی، لیکن ان میں سے دو دوست، جنہوں نے شیر برنج پکایا تھا
آگے بڑھے اور عرض کیا کہ دودھ میں جوش آ گیا تھا اور جھاگ باہر بہہ رہی تھی۔ ہمارے
پاس کوئی برتن نہ تھا کہ جس میں نکالتے، زمین پر گرنے لگا ہم نے سوچا کہ شیرہ زمین پر

گر رہا ہے بہتر ہے کہ ہم کھا لیں۔ تا چار ہم نے کھا لیا۔ آپ نے فرمایا اس سے پہلے کہ
کھانا درویشوں کے سامنے رکھا جاتا ہے جو کوئی لیتا ہے خیانت کرتا ہے۔ یہ عذر
قبول نہ ہوا اور ان لوگوں کو [illegible] ہونا پڑا چونکہ موسم گرم تھا ان کے پسینے ٹپکنے لگا تب فرمایا
میں نے معاف کر دیا۔ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ بعد میں حجام کو بلا کر فرمایا کہ حقنا پینے سے
دوستوں کا بہا ہے اتنا کہ ان کا خون زمین پر گرا دو۔ شیخ نظام الدین بیان فرماتے ہیں
محبت کا یہ عالم کہ اپنا خون بہا دینے کا حکم دیا اور آپ کا احترام ملحوظ رکھا ان کا عذر
قبول نہ فرمایا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید بیمار ہو گئے۔ انہوں نے حضرت
شاہی موئے تاب کو بلا کر فرمایا کہ آپ ہمت باندھیں تاکہ میری بیماری صحت میں تبدیل ہو جائے
خواجہ شاہی نے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ آپ بزرگ ہیں اور مجھ سے یہ خواہش کرتے
ہیں میں تو ایک بازاری آدمی ہوں۔ بھلا میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں۔ شیخ
نظام الدین نے ان کی معذرت قبول نہ کی اور فرمایا آپ کو ضرور دعا کرنی چاہیئے اور
ہمت باندھنی چاہیئے تاکہ میں تندرست ہو جاؤں۔ آپ نے کہا۔ بہت اچھا، میرے
دو دوست بلوائیے، ایک کا نام شرف تھا جو مرد صالح تھا اور دوسرا درزی تھا۔
ان دونوں کو بلایا گیا۔ خواجہ شاہی نے ان سے کہا کہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید
نے مجھے اس کام کے لیے فرمایا ہے۔ اب تم میری مدد کرو۔ شیخ کا بدن سر
سے لے کر سینے تک میں لیتا ہوں اور سفلی حصہ یعنی سینے سے ایک پاؤں تک
ایک سنبھال لے اور دوسرے پاؤں تک دوسرا لے لے۔ القصہ تینوں حضرات
مصروف کار ہو گئے اور شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی بیماری صحت میں تبدیل ہو گئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بدرالدین موئے تابؒ

یہ بزرگوار شیخ شاہی موئے تابؒ کے بھائی ہیں۔ شیخ شاہی رحمۃ اللہ علیہ کی
وصیت کے مطابق آپ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو
انہوں نے فرمایا "آپ ہے شیخ بدرالدین! صاحب ولایت"
آپ کا مزار بدایوں میں نمازگاہ شمسی کے عقب میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمود موئینہ دوزؒ

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے مرید ہیں۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدینؒ [illegible]
مصاحبوں اور معتقدوں میں سے ہیں۔ ان کے یہاں سب مجالس ہوتی
[illegible] تھے۔ خواجہؒ کے ملفوظات میں آپ کا ذکر آیا ہے۔ آپ کا مقبرہ خواجہ
قطب الدینؒ کے روضہ کے جوار میں اس دروازے کے باہر واقع ہے جس میں ایک
حوض شمسی کو راستہ جاتا ہے۔ جب کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو تو آپ کے روضہ
مبارک پر سے ایک پتھر لے جا کر ایک گوشہ میں رکھ دیتا ہے جب مراد پوری ہو
جاتی ہے تو اس پتھر کے ہم وزن شکر تقسیم کر دیتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مجدالدین حاجیؒ

ہم نے ملفوظاتِ مشائخ میں کسی جگہ آپ کا ذکر اور آپ کے احوال کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیکھا لیکن بعض بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ یہ بزرگ سلسلۂ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے اور شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے مریدہیں۔

آپ نے بارہ مرتبہ زیارت حرمین کی سعادت حاصل کی اور آخرکار دہلی میں آ گئے۔ سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو عہدۂ ولایت مقرر کیا، لیکن آپ اس منصب پر خوش نہ تھے۔ دو سال تک فرائض منصبی سے بوجہ احسن عہدہ برآ ہوتے رہے اور اعلیٰ نظم و نسق قائم کیا۔ پھر التماس کی کہ اب فقیر کو معذور سمجھیں اور معاف کر دیا جائے، سلطان شمس الدین نے آپ کی التماس کو قبول کیا اور آپ کو صدارت کے منصب سے خلاصی دی۔

ایامِ تشریق میں جب کہ خورونوش اور ضیافت فی سبیل اللہ کا سلسلہ عام ہوتا ہے یہاں کے لوگوں کا معمول ہے کہ گھروں سے باہر نکل جاتے ہیں اور خواجہ حاجیؒ کے مزار پر جمع ہو جاتے ہیں، اس اجتماع کو مولانا مجد حاجی کا ختم کہتے ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ

شاہ خضرؒ

قلندریہ مشرب کے بزرگ تھے، آپ کا اصلی وطن ولایت روم ہے۔ بہت کرامات و خوارق عادات آپ سے ظہور میں آئی تھیں مگر کسی کے مرید نہ ہوئے تھے جب ہندوستان تشریف لائے تو اس زمانے میں شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بقید حیات تھے، چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ خواجہؒ نے کلاہ اور خرقہ بھی آپ کے یہاں بھجوا دیا اور رخصت ہونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد آپ کو جونپور کی جانب سفر کا اتفاق ہوا۔ جب سرائے ہرپور میں پہنچے تو شاہ قطب آپ کے مرید ہو گئے، شاہ قطب کو منصب خلافت عطا کرنے کے بعد شاہ خضر روم تشریف لے گئے۔ ہندوستان میں اب تک آپ کا سلسلہ قائم ہے جو قلندریہ چشتیہ کے نام سے مشہور ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بدر الدین غزنویؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے خلیفہ ہیں۔ صاحب سماع تھے۔ مشائخ وقت آپ کی بزرگی کے معترف تھے۔ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا پیرایۂ بیان بہت جاذب تھا اور اثر بہت کیا کرتے تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ آپ کی مجلس وعظ میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ پہلے غزنین سے لاہور میں آ ہوئے اور پھر دہلی جا کر خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید ہو گئے۔

سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ شیخ بدر الدین غزنویؒ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات تھی۔ ایک دفعہ آپ کے والد بزرگوار نے کہا مجھے خضرؑ کی صورت دکھلا دو تو بہتر ہو۔ چنانچہ ایک روز آپ کسی مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص بلند جگہ پر لوگوں سے علیحدہ بیٹھا تھا۔ شیخؒ نے اپنے والد کو اشارہ کیا کہ وہ ہیں خواجہ خضرؑ۔ انہوں نے کہا کہ وعظ کے بعد ان سے ملوانا۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو خواجہ خضرؑ بھی وہاں سے روپوش ہو گئے۔

حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں میں نے شیخ بدر الدین سے سنا ہے کہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ دو بیتی بہت پڑھا کرتے تھے۔ رباعی

اے دل کہ تو اندر دل دیوانۂ ماست — ہر جا کہ حدیث تست افسانۂ ماست

بیگانہ گر از تو گفت آں خویش من است — خویشی کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

نیز وہ فرماتے ہیں کہ شیخ بدرالدین غزنوی سن رسیدہ تھے اور بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ شیخ بوڑھے ہو گئے ہیں رقص کس طرح فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "شیخ نمی رقصد عشق می رقصد ہر کہ عاشق است او را رقص است" شیخ نہیں رقص کرتا عشق رقص کرتا ہے جہاں عشق ہے وہاں [illegible]۔ سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ شیخ بدرالدینؒ بڑھاپے سے چل نہ سکتے تھے مگر جب سماع ہوتا تو اس طرح رقص فرماتے جیسے کوئی [illegible] ہو۔ مزار شریف خواجہ قطب الدین کے مزار کے پائین ہے۔ قدس اللہ سرہما

خواجہ بست رح

خواجہ قطب الدینؒ کے مزار سے بالائے شمال کی جانب ایک قبر ہے جو خواجہ بست کے نام سے منسوب کی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ یہ بزرگ فتح دہلی کے اوائل میں خواجہ قطب الدینؒ کے مقبرہ سے پہلے مدفون تھے لیکن صاحب قبر کے حالات کا مطلق کوئی علم نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولینا ناصح الدینؒ

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے صاحبزادے اور اُن کے صاحب سجادہ ہیں۔
سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ ایک شخص
جس کا نام [illegible] تھا، مولانا ناصح الدین بن قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہما
کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بدایون سے دہلی آیا تاکہ آپ سے خرقہ حاصل
کرے۔ اس نیت سے اُس نے حوض سلطان کے کنارے مجلس قائم کی۔ بعض درویش
بھی وہاں پہنچے۔ اس اثنا میں اس شخص نے جو خرقہ کی طلب میں آیا ہوا تھا، حوض
سلطان کی طرف دیکھ کر کہا "یہ ایک معمولی حوض ہے۔ حوض ساغر جو بدایون میں ہے
اس حوض سے بہتر ہے۔" وہاں محمد کبیر بھی موجود تھے۔ انہوں نے جب یہ بات
سنی تو مولانا ناصح الدین سے آکر کہا کہ اس شخص کو خرقہ نہ دیں کیونکہ یہ کذاب ہے۔

شیخ فخر الدینؒ

خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین قدس سرہٗ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ زراعت کے
کسب میں مشغول تھے اور اجمیر کے قریب موضع ماندل میں کھیتی کیا کرتے تھے ملفوظات
مشائخ چشتیہ میں جو مذکور ہے کہ خواجۂ بزرگ کے فرزندوں کا ایک گاؤں جاگیر تھا
مگر حاکمِ وقت مزاحمت کرتا تھا اور اس سلسلے میں حضرت خواجۂ بزرگ دہلی تشریف
لائے تھے تو وہاں شیخ فخر الدینؒ ہی کی طرف اشارہ ہے۔ آپ اپنے والدِ ماجد کے
بعد بیس سال تک بقیدِ حیات رہے اور اجمیر سے سولہ کوس پر قصبہ سروار میں وفات
پائی۔ آپ کا مدفن قصبہ سروار میں حوض کے نزدیک ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

طبقۂ دوم

(حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور ان کے معاصرین و مریدین کے ذکر میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں، خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتیؒ سے بھی نعمت پائی ہے آپ کا شمار اکابر اولیاء اور ارکان صوفیاء میں ہے۔ نہایت ریاضت و مجاہدہ و فقر و تجرید رکھتے تھے، آپ کی ذات گرامی کشف و کرامت کا نمونہ اور ذوق و محبّت کی علامت تھی، ستر و اختفار کا ہمیشہ اہتمام کرتے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے دُور رکھتے تھے، شہر بشہر پھرتے رہتے آخر کار اجودھن آئے جہاں کے باشندے تندخو، ظاہر پرست اور درویشوں کے منکر تھے فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے کے لائق ہے۔ چنانچہ یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہاں کسی نے حضرت کا حال نہ پوچھا۔ قصبہ کے باہر کریر کے درخت تھے ایک گھنے درخت کے نیچے یادِ حق میں مشغول ہو گئے، اور بیشتر اوقات جامع مسجد میں مشغول رہتے۔ وہیں آپ کے فرزند پیدا ہوئے، شدید فاقوں، مجاہدوں اور ریاضت کشی کے بعد آخر کار چونکہ دلیل قوی رکھتے تھے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

منقول ہے کہ ایک بار آپ کا لباس پارہ پارہ اور بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے کرتہ نذر کیا۔ آپ نے وہ کرتہ پہن کر فوراً ہی اتار ڈالا اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ

کو دسے کر ارشاد فرمایا کہ جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتہ میں حاصل تھا اس کرتہ میں نہیں۔

نقل ہے کہ روزہ اکثر شربت سے افطار کرتے تھے ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی سی کشمش ملی ہوتی حاضر کیا جاتا تو اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی شربت حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی ایک تہائی خود نوش فرماتے، پھر اس میں سے بھی کسی طلبگار کو عنایت کر دیتے، اس کے بعد دو روغنی روٹیاں لائی جاتیں۔ ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین میں بانٹ دیتے، پھر طرح طرح کے کھانے دستر خوان پر چنے جاتے۔ ان کھانوں کو مہمان نوش جاں کرتے لیکن خود دوسرے دن افطاری تک کچھ نہ تناول فرماتے، سوتے وقت اسی کمبل کو بستر استراحت بناتے جس پر دن کو بیٹھتے تھے۔ کثرت استعمال کے باوجود وہ کمبل نہیں پھٹتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ فرید الدینؒ زیادہ تر زنبیل کی روٹی تناول فرماتے۔ افطار کے وقت تو ضرور ہی زنبیل کی روٹی کے دو ٹکڑے لائے جاتے۔ شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ فرید الدینؒ کی خدمت میں کئی سال زنبیل گردانی کرتا رہا۔ اور شیخ نظام الدین اولیاء بار ہا فرمایا کرتے کہ جس رات شیخ کے یہاں ڈیلا یا گل کر پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا اس دن عید ہوتی اور پھر یہ مفت کا کھانا تھا، ایک ساتھی مچک لے کر آتا اور سب کھا لیتے۔ لیکن جب ڈیلوں ورکریر کا موسم نہ ہوتا تو زنبیل گردانی کرتے، پھر فرمایا کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی کئی سال تک زنبیل گردانی کی ہے۔ بعدہٗ فرمایا۔ وہ لوگ یہی کچھ کھا کر کمال کو پہنچے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ خادم نے شیخؒ کی خاطر ایک درم کا نمک ادھار لیا جب

انطار کے وقت اُس نے کھانا پیش کیا تو آپ کو نورِ باطن سے معلوم ہو گیا اور فرمایا "دریں طعام بوئے تصرف می آید، روانہ باشد کہ من این طعام بخورم" یعنی اس کھانے میں سے تصرف کی بُو آتی ہے اس لیے میرے لیے یہ کھانا جائز نہیں۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایک حرم محترم نے آکر عرض کیا کہ اے خواجہ! آج فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے۔ شیخؒ نے سر اوپر اٹھایا اور فرمایا: "مسعود بندہ کیا کرے، اگر تقدیرِ الٰہی آجائے اور وہ اس دُنیا سے سفر کر جائے تو اس کے پاؤں میں ایک رسّی باندھ کر باہر پھینک دینا"

نقل ہے کہ جب آپ نے مجاہدہ اختیار کرنا چاہا تو اس باب میں خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ سے عرض کیا، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ طے کا روزہ رکھو آپ نے اس پر عمل کیا اور تین یوم تک کچھ نہ کھایا۔ تیسرے دن افطاری کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضرِ خدمت ہوا آپ نے رزقِ غیب سمجھ کر روزہ افطار کیا مگر فوراً ہی کراہت محسوس ہوئی اور اسی وقت قے آگئی۔ آپ نے یہ حقیقت پیرو مرشد کی خدمت میں بیان کی انہوں نے فرمایا "مسعود! تو نے تین یوم کے بعد ایک شرابی کے کھانے سے افطار کیا لیکن عنایتِ خداوندی تیرے کام آئی اور وہ کھانا تیرے معدے سے نکل گیا، اب جا اور تین دن پھر طے کا روزہ رکھ اور جو کچھ غیب سے ملے اس سے افطار کر"

آپ نے پھر تین دن تک روزہ رکھا جب افطار کا وقت آیا تو کوئی کھانا نہ پہنچا یہاں تک کہ پہر بھر رات گزر گئی، ضعف بڑھ گیا حرارت

سے نفس جلنے لگا۔ دستِ مبارک زمین کی طرف بڑھایا اور چند کنکر اٹھا کر منہ میں رکھ لیے۔ وہ کنکر آپ کے منہ میں شکر پارے بن گئے جب یہ کیفیت دیکھی تو خیال کیا کہ شاید اس میں کچھ مکر ہو۔ چنانچہ آپ نے اُن کو منہ سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ پھر ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ ضعف بہت ہی بڑھ گیا تو زمین پر سے چند اور کنکر اٹھا کر منہ میں رکھے، وہ بھی شکر بن گئے۔ اسی طرح اس کرامت کی تین بار تکرار ہوئی، تب آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ لطف خداوندی ہے۔ دن چڑھے آپ نے یہ ماجرا اپنے مرشد خواجہ قطب الدینؒ سے بیان کیا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا "تم نے اچھا کیا کہ ان سے افطاری کی کیونکہ یہ کھانا غیب سے تھا، جاؤ تم شکر کی طرح شیریں رہو گے۔"

اس دن کے بعد آپ گنج شکر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ یہ قصہ سیر الاولیاء میں مذکور ہے۔ شکر گنج کی وجہ تسمیہ میں اس کے علاوہ ایک اور روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک سوداگر شکر لاد کر کہیں لے جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے شکر مانگی، سوداگر نے کہا، یہ شکر نہیں نمک ہے آپ نے فرمایا "نمک ہی ہوگا" سوداگر نے جب منزلِ مقصود پر پہنچ کر مال کو کھولا تو سب نمک ہی نمک تھا، اسی وقت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی تقصیر کی معافی چاہی۔ پھر عرض کیا دعا فرمائیں کہ یہ نمک شکر میں تبدیل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا "شکر ہو جائے گی۔"

خان خانان محمد بیرم خان کہ علوِ منصب جاہ و جلال کے باوجود

حدِ تصور سے بھی زیادہ سلوک طریقہ درویشاں اور ان کے اعتقادِ محبت میں جود و تواضع ۔ امر اللہ کے لیے طریقہ تعظیم کی رعایت اور خلق اللہ پہ شفقت میں انصافِ کامل و توفیقِ شامل رکھتے تھے اور عاش سعیدًا و مات سعیدًا کے مصداق تھے ۔ انہوں نے اس قصہ کو اس طرح نظم کیا ہے ؎

کانِ نمک جہانِ شکر شیخ بحر و بر — آں کو شکر نمک کند و از نمک شکر
کانِ نمک و گنجِ شکر شیخ فرید — گنجِ شکر کانِ نمک کرد پدید
در کانِ نمک کرد نظر گشت شکر — شیریں تر ازیں کرامتی کس نشنید

بعد ازاں آپ نے اچہ کی جامع مسجد حاج کے کنوئیں میں چلہ معکوس کھینچا ۔ چالیس روز تک ہر رات آپ کو اس کنوئیں کے ایک درخت پر سے کنوئیں کے اندر الٹا لٹکا دیتے اور دن کے وقت باہر نکال لیتے تھے ۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ میں نے ایک دانشمند کو جن کا نام ضیاء الدین تھا اور جو منارہ کے نیچے درس دیا کرتے تھے یہ کہتے سنا کہ ” ایک دفعہ میں شیخ فرید الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں سوائے علم خلاف کے اور کچھ نہ جانتا تھا ۔ میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ اگر حضرت نے ان علوم کے متعلق مجھ سے سوال کیا جن کو میں نہیں جانتا تو میں کیا جواب دوں گا ۔ میرے دل میں یہی اندیشہ تھا کہ یکایک آپ نے پوچھا کہ تنقیح مناط کیا ہوتی ہے اور تنقیح مناط علم خلاف کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے ۔ میں خوش ہوا اور اس کا بیان شروع کیا اور اس میں جو کچھ نفی و اثبات ہے حسبِ منشا بیان کیا ۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ پانچویں محرم ۶۶۴ھ میں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ عمر شریف ۹۵ سال کی تھی۔ نقل ہے کہ پانچویں محرم کی رات کو حضرت پر مرض کا غلبہ ہوا۔ آپ نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی، پھر بے ہوش ہو گئے، ایک ساعت کے بعد ہوش میں آئے تو فرمایا، کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے؟ حاضرین نے عرض کیا ہاں پڑھ چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک بار اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہو۔ دوسری مرتبہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ اب کے بے ہوشی کا غلبہ زیادہ تھا۔ پھر ہوش میں آتے تو وہی سوال دہرایا۔ حاضرین نے جواب دیا کہ آپ دو بار پڑھ چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک بار اور پڑھ لوں کون جانے کیا ہو۔ تب آپ نے تیسری مرتبہ پڑھی اور اس کے بعد یا حیّ یا قیوم کہتے ہوئے جان بحق تسلیم کی۔

حضرت بابا گنج شکرؒ کے بعض ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے دست مبارک سے لکھے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

چار چیزوں کو سات سو پیران طبقات سے پوچھا گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا،

آدمیوں میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے، گناہوں کو ترک کرنے والا

آدمیوں میں سب سے زیادہ ہشیار کون ہے، جو کسی چیز سے پریشان نہ ہو

آدمیوں میں سب سے زیادہ غنی کون ہے، قناعت کرنے والا

آدمیوں میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے، قناعت کو ترک کرنے والا

فرمایا اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور وہ اس کو خالی پھیر دے۔

فرمایا اگر ہے تو غم نہیں، اور اگر نہیں ہے تو غم نہیں۔

نامرادی کا دن مردانِ خدا کی شبِ معراج ہے۔

اپنی سرگرمی کو لوگوں کی سرد کلامی کی وجہ سے ترک نہیں کرنا چاہیئے۔

فرمایا شیخ الاسلام جلال الدین نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کلام دل کو لنشیں کر دیتا ہے۔ کلام کے اوّل و آخر کو تول، اگر وہ اللہ کے واسطے ہو تو کہہ ورنہ چپ رہ۔

جب فقیر لباس پہنتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کفن پہن لیا ہے۔

جیسا تو ہے ویسے ہی نظر آ ورنہ اصلیت خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔

جَذْبَۃٌ مِّنْ جَذْبَاتِ الْحَقِّ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ۔

(جذباتِ حق میں سے ایک جذبہ دونوں جہان کی عبادت سے بہتر ہے)

حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خوشی ہو اس شخص کو جس کے عیب نے اس کو لوگوں کے عیوب دیکھنے سے بچا رکھا ہے۔

فرمایا صوفی سے کُل چیزیں صاف ہوتی ہیں اور کوئی شے اس کو مکدر نہیں کرتی۔

فرمایا اگر تم بزرگوں کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بادشاہوں کی اولاد سے دُور رہو۔

فرمایا ۔

دوشینہ شبم دلِ حزینم بگرفت	واندیشۂ یارِ نازنینم بگرفت
گفتم بسر و دیدہ روم بردرِ تو	اشکم بدوید آستینم بگرفت

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے حرمت و حلت سماع میں جس میں علماء کا اختلاف گفتگو ہو رہی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا:
"سبحان اللہ! کوئی تو جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف میں پڑے ہوں۔"

فرمایا: اَلْاٰفَۃُ فِی التَّدْبِیْرِ وَالسَّلَامَۃُ فِی التَّسْلِیْمِ (تدبیر میں آفت ہے اور تسلیم میں سلامتی ہے)

فرماتے ہیں: اَلْعُلَمَاءُ اَشْرَفُ النَّاسِ وَالْفُقَرَاءُ اَشْرَفُ الْاَشْرَافِ (علماء لوگوں میں اشرف ہیں اور فقراء اشراف میں اشرف ہیں)

فرمایا: اَلْفَقِیْرُ بَیْنَ الْعُلَمَاءِ کَالْبَدْرِ بَیْنَ کَوَاکِبِ السَّمَاءِ (فقیر علماء میں ایسا ہے جیسے کہ آسمان کے ستاروں میں چودھویں رات کا چاند)

فرمایا۔ انسانوں میں سب سے رذیل وہ شخص ہے جو کھانے پینے اور پہننے میں مشغول رہے۔

نقل ہے کہ ایک بار کسی شخص نے شیخ فریدالدین گنج شکر[1] قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے پاس اس کی سفارش کریں، آپ نے سلطان کو یہ رقعہ لکھا:

رَفَعْتُ قَضِیَّتَہٗ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ اِلَیْکَ فَاِنْ اَعْطَیْتَہٗ شَیْئًا فَالْمُعْطِیْ ھُوَ اللّٰہُ وَاَنْتَ الْمَشْکُوْرُ وَاِنْ لَّمْ تُعْطِہٖ شَیْئًا فَالْمَانِعُ ھُوَ اللّٰہُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ (ترجمہ) میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

---

[1] نسخہ مجتبائی میں شیخ بدرالدین لکھا ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔

میں اور اس کے بعد آپ تک پہنچاتا ہوں۔ اگر آپ اس کو کچھ عطا کر دیں گے تو تحقیق عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ کچھ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور سمجھے جائیں گے ۔

رحمت اللہ تعالیٰ علیٰ جمیع عبادہ الصالحین ۔

خواجہ نظام الدّین محمّد بدایونیؒ

شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ اسم مبارک محمد بن احمد بن علی بخاری اور لقب سلطان المشائخ و نظام اولیاءؒ ہے۔ درگاہِ الٰہی کے محبوبوں اور مقرّبوں میں سے ہیں۔ ملک ہندوستان آپ کے آثارِ برکات سے پُر ہے۔ آپ کے دادا خواجہ علی بخاری اور نانا خواجہ عرب، دونوں بخارا سے وارد ہوئے اور کچھ مدت لاہور میں رہ کر بدایون چلے آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ حضرت کے والد بزرگوار خواجہ احمد آپ کے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے اور بدایون میں مدفون ہوئے۔ شیخ نظام الدین نے ہوش سنبھالا تو والدہ ماجدہ نے آپ کو مکتب میں بٹھا دیا۔ آپ نے کلام مجید ختم کر کے کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ کم سنی ہی میں جب سن شریف بارہ کے قریب ہوگا آپ لغت کی کتاب پڑھتے تھے

ایک مرتبہ ایک شخص ابوبکر قوّال ملتان سے آپ کے استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے سامنے سماع کیا میں یہ قول پڑھ رہا تھا۔ ع لَقَدْ لَسَعَتْ حَیَّۃُ الْھَوٰی کَبِدِیْ[1]۔ (ترجمہ) تحقیق خواہشات کے سانپ نے میرے جگر کو ڈسا ہے

اور دوسرا مصرع یاد نہیں آتا تھا۔ شیخ موصوف نے یاد دلا دیا۔ پھر اس نے شیخ بہاؤالدین

---

[1] دوسرا مصرع یہ ہے فَلَاطَبِیْبَ لَھَا وَلَا رَاقِیْ (نہ کوئی اس کا معالج ہے اور نہ منتری۔)

زکریا کے مناقب بیان کرنے شروع کیے کہ وہاں ذکر ایسا ہوتا ہے اور عبادت الٰہی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہا کہ چکی پیسنے والی لونڈیاں بھی ذکر کرتی ہیں، غرضکہ اس طرح کی بہت باتیں سنائیں۔ لیکن شیخ نظام الدینؒ کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا اور یہاں ایک ایسے بادشاہ کو دیکھا کہ کچھ نہیں کہہ سکتا اور بہت تعریف بیان کی۔ یہ سنتے ہی آپ کے دل میں ایسی محبت وارادت پیدا ہوئی کہ از خود رفتہ ہو گئے۔ اس وقت سے آپ کے سینے میں حضرت شیخ فریدالدین کی محبت جاگزین ہوئی اور روز بروز نشو ونما پاتی رہی۔ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، کھاتے پیتے آپ کی زبان پر شیخ فریدالدین کا ذکر تھا۔

بعدازاں آپ حصولِ تعلیم کی غرض سے دہلی تشریف لائے اور صدر ولایت شمس الملک کی شاگردی میں مقاماتِ حریری پڑھی اور علمِ حدیث بھی پڑھا اور طالب علموں کے درمیان آپ نظام الدین بحاث کے نام سے مشہور تھے۔ پھر حضرت شیخ فریدالدین کے شوقِ ارادت سے اجودھن تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے ان سے قرآن مجید کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھے اور عوارف المعارف کے چھ ابواب کی سند حاصل کی اور تمہید ابو شکور سالمی اور بعض دیگر کتابیں بھی اُن سے پڑھیں۔

نقل ہے کہ فرماتے تھے جب میں نے شیخ فریدالدینؒ کی سعادتِ پابوسی حاصل کی تو سب سے پہلے شیخ کی زبانِ مبارک سے یہ کلام سنا۔ بیت

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

پھر میں نے چاہا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے اشتیاق کا قصہ بیان کروں

مگر حضوری کی دہشت نے اس قدر غلبہ کیا کہ میں صرف یہی کہہ سکا کہ اشتیاقِ پابوسی بہت غالب تھا۔ جب حضرت نے مجھ میں دہشت کا اثر مشاہدہ کیا تو فرمایا۔ لِکُلِّ دَاخِلٍ دَھْشَۃٌ (ہر نئے اندر آنے والے کے لیے دہشت ہے) اسی روز شیخ کی بیعت سے مشرف ہوا اور عرضداشت کی کہ کیا فرمان ہے۔ کیا تحصیلِ علم کو ترک کر کے اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں، انہوں نے فرمایا:

"ہم کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتے، یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو۔ دیکھو کیا غالب آتا ہے اور درویش کے لیے قدرے علم بھی ضروری ہے۔"

اس کے بعد شیخ نظام الدینؒ نعمتِ خلافت سے مشرف ہوئے اور دہلی میں تشریف لائے اور جب تک شیخ فریدالدین گنج شکرؒ حیات رہے آپ تین بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن ان کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھے جیسے کہ شیخ فریدالدین، خواجہ قطب الدین کی رحلت کے وقت اور خواجہ قطب الدین خواجۂ بزرگ معین الدین قدس اللہ اسرارہم کے انتقال کے وقت حاضر نہ تھے۔ بعدازاں شیخ نظام الدین اولیاءؒ ایک غیبی اشارہ پا کر دہلی سے متصل غیاث پور میں آ کر مقیم ہو گئے جہاں اس وقت آپ کی خانقاہ ہے۔

منقول ہے آپ فرماتے تھے کہ ایک بار میں حضرت شیخ کے ہمراہ کشتی میں سوار تھا، شیخؒ نے مجھ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا، ادھر آؤ تمہیں کچھ بتاؤں، پھر کہا کہ جب تم دہلی جاؤ تو مجاہدہ اختیار کرو، بے کار رہنے میں کچھ فائدہ نہیں، روزہ رکھنا نصف راہ ہے اور دوسرے اعمال مثلاً نماز اور حج نصف راہ، ایک بار انہوں نے فرمایا میں نے دعا مانگی ہے کہ جو کچھ تو خدا تعالیٰ سے چاہے گا تجھ کو مل جائے گا، یہ بھی فرمایا

کہ میں نے تمہارے لیے کچھ دُنیا بھی مانگی ہے۔ اور خلافت عطا کرتے وقت ارشاد فرمایا راہِ سلوک میں استعداد حاصل کرنے کے لیے مجاھدہ کرنا چاہیئے۔ ایک بار وہ حجرہ کے اندر ننگے سر تشریف رکھتے تھے، بُشرہ مبارک متغیر ہو رہا تھا اور یہ بیت پڑھ رہے تھے رُباعی

خواہم کہ ہمیشہ در رضائے تو زیم — خاکی شوم و بزیرِ پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ ز کونین توئی — از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

یہ بیت پڑھ کر سربسجود ہو گئے۔ چند مرتبہ میں نے یہی حال دیکھا۔ میں حجرہ میں داخل ہوا اور اپنا سر شیخؒ کے قدموں میں رکھ دیا۔ انہوں نے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو میں نے کچھ مدعائے دینی طلب کیا جو شیخؒ نے مجھ کو بخش دیا۔ بعدازاں میں پشیمان ہوا کہ میں نے یہ کیوں نہ مانگا کہ سماع میں واصل بحق ہو جاؤں۔

نقل ہے کہ حضرت رات کو حجرہ میں تنہا رہتے تھے اور دروازہ بند کر کے تمام شب راز و نیاز میں مشغول ہوتے۔ جب صبح ہوتی جس کسی کی نظر حضرت کے جمال پہ پڑتی خیال کرتا کہ نشہ میں از حد مست ہیں، اور رات کی سخت بیداری کے بعد حضرت کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ امیر خسروؒ نے یہ بیت اپنے پیر کے وصف میں کہی ہے بیت

تو شبانہ می نمائی بہر کہ بودی امشب — کہ ہنوز چشم مستت اثر ی خمار دارد

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کیونکہ مومن کا دل ربوبیت کے ظہور کا محل ہے اور فرماتے تھے کہ قیامت کے بازار میں کوئی مال اس قدر مقبول نہ ہوگا

جتنا کہ دلوں کی دریافت۔

نقل ہے کہ ایک وقت آپ قیلولہ فرما رہے تھے۔ ایک درویش آیا۔ کسی نے اُس کو واپس کر دیا۔ آپ نے حضرت شیخ فریدالدینؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اگرچہ گھر میں کوئی چیز نہ ہو لیکن آنے والے کے ساتھ حسنِ رعایت واجب ہے، یہ کہاں سے آیا ہے کہ ویسے ہی خستہ دل واپس چلا جائے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو یہ حال دریافت کیا۔ جس شخص نے اُس درویش کو واپس کیا تھا اس پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ کو غصہ میں دیکھا ہے اور مجھ پر عتاب کرتے ہیں۔ بعد ازاں جب قیلولہ سے بیدار ہوتے تو یہی دو باتیں پوچھتے، ایک تو یہ کہ سایہ ڈھل گیا ہے، دوسرے یہ کہ کوئی آنے والا آیا ہے؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان علاؤالدین خلجی نے بغرضِ امتحان آپ کی خدمت میں پرداخت و امورِ سلطنت کے بارے میں چند فصلیں لکھ کر روانہ کیں، ان میں سے ایک فصل کا یہ مضمون تھا "چونکہ حضرت شیخ تمام دُنیا کے مخدوم ہیں اور دین و دُنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے آپ کے آستانے سے پوری ہو جاتی ہے خداوند تعالیٰ نے دُنیا کی سلطنت کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں دی ہے، ہمیں چاہیئے کہ کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت میں پیش آئے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے آگاہ فرمائیں، اس مقدمہ کی بنا پر اس مضمون کی چند فصلیں لکھ کر خدمت میں ارسال کی جاتی ہیں جن امور میں خیریت کا پہلو ہو ان کے ذیل میں تحریر فرمائیں تاکہ ان پر عمل کیا جائے۔"

سلطان نے یہ رقعہ خضر خاں کے ہاتھ ارسال کیا جو اُس کا محبوب ترین فرزند تھا

اور شیخ کا مرید بھی تھا۔ خضر خان نے جب یہ رقعہ شیخ کے دست مبارک میں دیا تو آپ نے اسے نہ پڑھا اور حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ آؤ فاتحہ پڑھیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ درویشوں کو بادشاہوں کے کام سے کیا واسطہ، میں ایک درویش ہوں۔ اور شہر کے ایک گوشے میں پڑا ہوا ہوں، اور بادشاہوں اور مسلمانوں کے لیے دعا گوئی میں مشغول ہوں۔ اگر پھر بادشاہ اس وجہ سے مجھے کچھ کہے گا تو میں یہاں سے بھی چلا جاؤں گا۔ ارض اللہ واسعۃ۔ جب یہ خبر سلطان علاؤ الدین کو پہنچی۔ تو وہ بہت خوش ہوا اور آپ کا معتقد ہو گیا اور اس نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کی التماس کی۔ شیخ نے فرمایا کہ آپ کے آنے کی ضرورت نہیں، میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور دعائے غیب بہت اثر رکھتی ہے۔ سلطان علاؤ الدین نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لیے منت سماجت کی تو شیخ نے پیغام بھجوایا کہ اس ضعیف کے گھر کے دو دروازے ہیں اگر بادشاہ ایک دروازے سے اندر آئے گا تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے حضرت کی مجلس میں بیان کیا کہ فلاں موضع میں آپ کے یاروں نے جمع ہو کر مجلس کی ہے اور اس میں مزامیر بھی ہیں آپ نے فرمایا میں نے منع کیا ہوا ہے کہ مزامیر اور محرمات بیچ میں نہ ہوں، انہوں نے اچھا نہیں کیا ہے۔ اس باب میں بہت غلو کیا اور فرمایا کہ شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ شہاب الدین کے پاس آئے تو شیخ نے اپنا مصلیٰ لپیٹ کر زانو کے نیچے رکھ لیا ــــ مشائخ کے نزدیک اس سے غایت تعظیم مطلوب ہوتی ہے ــــ جب رات ہوئی شیخ اوحد الدین نے سماع کی خواہش کی، شیخ شہاب الدین نے قوالوں کو بلایا اور مقام سماع مرتب کر کے خود ایک گوشہ

یں جاکر طاعت و ذکر میں مشغول ہو گئے[1]۔

منقول ہے کہ آپ نے رحلت سے چالیس روز پہلے کچھ نہ کھایا تھا۔ اور آخری وقت میں جب کہ اس عالمِ فانی کو الوداع کہہ رہے تھے آپ فرماتے کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نے نماز پڑھ لی ہے، اگر حاضرین کہتے کہ نماز تو آپ نے پڑھ لی ہے تو فرماتے دوسری بار پڑھتے ہیں، ہر نماز کو آپ دوبارہ پڑھتے تھے اور فرماتے ہم جاتے ہیں، ہم جاتے ہیں، ہم جاتے ہیں[2] اور اقبال خادم سے فرمایا۔ اگر گھر میں کسی قسم کی کوئی چیز رکھی ہے تو کل روزِ قیامت خداوند تعالیٰ کو جواب دِہ ہوں گے، خادم نے سب کچھ لٹا دیا مگر کچھ غلہ درویشوں کے چند روز کھانے کے لیے رکھ لیا۔ حضرت نے فرمایا اس مُردہ ریگ کو کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ اس کو بھی باہر نکالو اور گھر میں جھاڑو پھیر دو، اسی وقت توشہ خانوں کو کھول دیا گیا، ایک دُنیا جمع ہو گئی اور سب کچھ لوٹ لیا۔ بعد ازاں حاضرین نے عرض کیا کہ مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا کہ تمہیں میرے روضے میں اتنا مل جایا کرے گا کہ خرچ کے لیے کافی ہو گا، انہوں نے کہا کہ ہم میں تقسیم کون کرے گا۔ فرمایا وہ شخص جو اپنے حصے سے دست بردار ہو جائے۔

---

[1] محررِ سطور عفی اللہ عنہ کہتا ہے کہ یہ حکایات نفحات الانس کے اس بیان کی تردید کرتی ہیں کہ جب شیخ شہاب الدین کے پاس شیخ اوحدالدین کا ذکر کیا جاتا تو وہ فرماتے میرے سامنے اس بدعتی کا نام نہ لو۔ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہؒ فرماتے ہیں کہ یہ خبر صحیح ہے اگر چہ اوقات مختلف ہوں۔ واللہ اعلم (اخبار الاخیار)

حضرت کی وفات ۱۰ ربیع الآخر ۱۲۵۵ھ کو روز چہار شنبہ طلوعِ آفتاب کے بعد واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ارشاداتِ عالیہ میں ہے کہ رہرو، کمال حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی سالک جب تک سلوک میں ہے کمال کا امیدوار ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ ایک سالک ہے، ایک واقف، ایک راجع، سالک وہ ہے جو راہ پر چل رہا ہو، واقف وہ ہے جس کو رستہ چلنے میں وقفہ حاصل ہو، اس محل پر حاضرین نے سوال کیا کہ کیا سالک کو بھی وقفہ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں جس وقت سالک کی طاعت میں فتور ہو جاتا ہے اور اس کو طاعت کا ذوق نہیں رہتا تو اس کو وقفہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس وقت جلد تدبیر کرے اور توبہ کرے تو پھر سالک بن سکتا ہے، اور اگر عیاذاً باللہ اسی حال میں رہے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ راجع ہو جائے گا۔ پھر اس کو سات قسم پر بیان فرمایا۔ ۱۔ اعراض۔ ۲۔ حجاب ۳۔ تفاصل۔ ۴۔ سلب مزید ۵۔ سلب قدیم۔ ۶۔ تسلی۔ ۷۔ عداوت۔ ان کی تفصیل میں فرمایا کہ عاشق و معشوق دو دوست ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی محبت میں مستغرق، اس دوران میں اگر عاشق سے کوئی حرکت یا فعل ایسا سرزد ہو جائے جو اس کے دوست کو پسند نہ آئے تو وہ دوست اس سے اعراض کرتا ہے یعنی منہ پھیر لیتا ہے، پس عاشق کو چاہیئے کہ استغفار، معذرت کرے تو دوست بالضرور اس سے راضی ہو جاتا ہے، لیکن اگر عاشق اس خطا پر اصرار کرے اور معذرت نہ چاہے تو وہ اعراض، حجاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے، یعنی معشوق درمیان میں پردہ حائل کر دیتا ہے، پس عاشق کے لیئے ضروری ہوتا ہے کہ توبہ کرے اور اگر اس بارے میں بھی تاخیر کرے تو حجاب

سے تفاصل تک نوبت پہنچ جاتی ہے، پھر کیا ہوتا ہے، وہ دوست اس سے جدا ہو جاتا ہے، اور اگر عاشق اس پر بھی استغفار نہ کرے تو سلب مزید کی صورت پیدا ہوتی ہے یعنی اس سے اوراد میں ذوق طاعت وغیرہ جاتا رہتا ہے، اگر وہ اس پر بھی عذرخواہی نہ کرے اور اسی طرح معطل رہے تو سلب قدیم واقع ہو جاتا ہے، یعنی سلب مزید سے پہلے کی طاعت و راحت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اگر اس مقام پر بھی توبہ کرنے سے قاصر رہے تو اس کے بعد تسلی ہو جاتی ہے یعنی دوست اس کو دل کی جدائی پر تسکین دیتا ہے، اب بھی اگر توبہ میں مخالفت کرے تو عداوت واقع ہو جاتی ہے نعوذ باللہ منہا

فرمایا سماع علی الاطلاق حلال نہیں ہے اور علی الاطلاق حرام نہیں ہے

ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ سماع کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سننے والا کون ہے۔ سماع ایک موزون آواز ہے وہ کیونکر حرام ہو سکتا ہے، لیکن سماع مزامیر سے حرام ہے۔

ایک موقع پر فرمایا کہ بعض درویش ایک پیر کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں تو اس پر اکتفا نہیں کرتے یہاں تک کہ کسی اور پیر کے پاس جا کر اس سے بھی بیعت کر کے خرقہ لیتے ہیں، میرے یہاں ایسا نہیں ہے، بیعت وہی ہے جو اوّل کسی سے کی جائے اگرچہ وہ پیر عام لوگوں میں سے ہو۔

حضرت شیخ نظام الدین رح سے سوال کیا گیا کہ شیخ منصور حلاج کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مردہ ہیں، وہ خیر نساج کے مرید ہوئے، پھر ان کو ترک کر کے شیخ جنید کی خدمت میں آئے اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت جنید نے فرمایا تم خیر نساج کے مرید ہو، میں تجھ کو دست بیعت نہیں دیتا،

اور ان کو رد کر دیا۔ جنید مقتدائے وقت تھے۔ اُن کا رد کرنا سب کا رد کرنا ہو گیا[1]

فرمایا ہے

گرچہ یزد در ہدایت دین   بندہ را اجتہاد باید کرد

نامۂ کاں بحشر خواہی خواند   ہم ازینجا سواد باید کرد

فرمایا اگر مرید، شیخ سے کہے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور شیخ کہے کہ تو میرا مرید نہیں ہے تو وہ شخص مرید ہی سمجھا جائے گا، لیکن اگر شیخ کہے کہ تو میرا مرید ہے اور مرید کہے کہ میں آپ کا مرید نہیں ہوں تو وہ شخص مرید نہ ہوگا کیونکہ ارادت مرید کا فعل ہے نہ کہ شیخ کا۔

فرمایا کہ سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں، ان تمام کنجیوں کی مدد سے اس کو کھولنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اگر ایک سے نہ کھلے تو شاید دوسری کنجی سے کھل جائے گا۔

صبحِ صادق صبح کا نام ہے لیکن صبحِ عاشقاں شام ہے، اسی لیے مشائخ مغرب و عشاء کے درمیانی وقت کو ذکرِ الٰہی سے زندہ رکھتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ جو کپڑا صحبتِ مشائخ سے عطا ہوا ہو وہ کسی کو نہ دینا چاہیئے

---

[1] حضرت مسعود رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ منصور حلاج کے باب میں مختلف روایات آئی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، لیکن حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ مقرب عند اللہ ولی تھے، ان کے قدم کو لغزش ہوئی اور ان کے عہد میں کسی نے ان کا ہاتھ نہ پکڑا، اگر میں ان کے عہد میں ہوتا تو ضرور اُن کی دست گیری کرتا۔ واللہ اعلم (اخبار الاخیار)

اگر اس کو دھو ڈالیں تو کچھ حرج نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ نہ دھوئیں۔

فرماتے تھے کہ صحبتِ پیر سے ملے ہوئے تحائف کی۔ وصیت کرے کہ اس کی قبر میں رکھ دیں تو روا ہے، اور یا وصیت کر دیں کہ ان فرزندوں کو دے دیئے جائیں جو صالح ہوں۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ انتقال کے بعد جب حضرت سلطان المشائخ کو قبر میں اتارا گیا تو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے جو خرقہ حضرت کو ملا تھا وہ آپ کے جسمِ مبارک پر ڈال دیا گیا اور شیخ موصوف کا مصلّا آپ کے سرِ مبارک کے نیچے رکھ دیا گیا۔

ایک بار شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن اس جماعت کے بعض لوگوں کو چوروں کے درمیان کھڑا کریں گے، لیکن وہ کہیں گے کہ ہم نے کوئی چوری نہیں کی ہے، جواب ملے گا کہ تم نے جو مردوں کا لباس پہنا اور عمل نہ کیا، آخر وہ لوگ پیرانِ کرام کی شفاعت سے نجات پائیں گے۔

نیز فرمایا کہ اس ضعیف نے جتنے خرقے دیے ہیں ان میں سے صرف چار خرقے ارادت کے ہیں، باقی تمام تبرک کے خرقے ہیں،

ایک مرتبہ فرمایا سلوک کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سلوک کے سو مراتب ہیں ان میں سے سترھواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے۔ اگر سالک اسی مرتبے میں رہ جائے تو اگلے تراسی مراتب تک کس طرح پہنچ سکتا ہے، پس فقیر کی نظر کرامت پر محدود نہیں ہونی چاہیئے۔

فرماتے ہیں کہ جب آپ کے مخدوم نے مجھ کو خلافت سے سرفراز کیا تو ارشاد فرمایا

"حق تعالیٰ نے تجھ کو علم کی دولت بخشی اور عقل عطا کی اور عشق دیا، جس شخص میں یہ تین صفات ہوں وہ مشائخ کی خلافت کے شایان ہے اور وہی اس کام کو بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔"

رحمۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین

شیخ نجیب الدین متوکل

شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے بھائی اور خلیفہ ہیں۔ سخت معاملہ رکھتے تھے اور نہایت متوکل تھے۔ ستر برس شہر میں رہے اور کوئی صورتِ معاش نہ رکھتے تھے، باوجود عیال و اطفال کے عیش و خوشی سے بسر کرتے یہاں تک کہ یہ بھی نہ جانتے کہ آج کونسا دن ہے اور یہ کون مہینہ ہے اور یہ درم کتنے کا ہے۔

ایک مرتبہ عید کے روز آپ کے گھر میں درویش جمع ہوئے۔ اس روز آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ بالا خانے پر جا کر یادِ حق میں مشغول ہو گئے اور اپنے دل میں کہتے تھے کہ یا اللہ! عید کا دن ایسے ہی گزر جائے اور میرے بچے کھانے کو ترس جائیں اور مسافر آئیں تو وہ بھی نامراد واپس جائیں۔ اسی خیال میں تھے کہ دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ چھت پر چلا آ رہا ہے اور اس کی زبان پر یہ شعر رواں ہے۔ بیت

بادل گفتم دلا خضر را بینی   دل گفت اگر مرا نماید بینم

اُس مرد نے کھانے سے بھرا ہوا خوان پیش کیا اور کہا تمہارے توکل کی دھوم عرش پر ملاءِ اعلیٰ میں مچی ہوئی ہے اور تم ایسے خیال میں مشغول ہو۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے اپنے لیے یہ خیال نہیں کیا بلکہ اپنے یاروں کے لیے ملتفت ہوا تھا، غالباً وہ بزرگ خواجہ خضرؑ تھے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں، قبل اس کے کہ میں شیخ فریدالدین

قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا ایک دن میں نے شیخ نجیب الدینؒ کی مجلس میں اٹھ کر عرض کیا کہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۃ اخلاص اس نیت سے پڑھیں کہ میں کسی جگہ قاضی بن جاؤں، شیخ نجیب الدین نے اغماض سے کام لیا، میں نے سمجھا کہ انھوں نے میری عرض نہیں سنی ہیں سے پھر کہا کہ ایک بار سورۂ فاتحہ و اخلاص اس نیت سے پڑھیں کہ میں کسی جگہ قاضی بن جاؤں، اس مرتبہ آپ نے تبسم کیا اور فرمایا تم قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔

منقول ہے کہ ایک دن شیخ نجیب الدینؒ نے شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کے حضور میں عرض کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ مناجات میں یا رب کہتے ہیں تو اس کا جواب آتا ہے کہ لَبَّیْکَ عَبْدِیْ، حضرت شیخ نے فرمایا، خیر، بعدہٗ فرمایا الارجاف مقدمۃ الکون۔ پھر شیخ نجیب الدین نے عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس خضر علیہ السلام آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خیر پھر پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں آپ کی خدمت میں ابدال آتے ہیں اس باب میں آپ نے کچھ ارشاد نہ کیا اور فرمایا کہ تم بھی ابدال میں سے ہو۔ ایک روز ایک فقیر آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ نجیب الدین متوکل[1] آپ ہی ہیں آپ نے فرمایا میں ہی ہوں نجیب الدین متاکّل (یعنی کھانے والا)۔

آپ کا مرقد مبارک خواجہ قطب الدینؒ کے مزار شریف کے راستے میں بجے منڈل کے مقابل ہے جو سلطان محمد عادل کی عمارتوں میں سے ہے۔ آپ کا مکان اور شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا مکان اسی جگہ تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] اصل نسخوں میں یہاں بھی "متوکل" لکھا ہے جو صحیح نہیں (مترجم)

سید جلال الدین بخاریؒ

یہ بزرگ سید جلال سرخ کے نام سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے مرید اور سید جلال کے، جو مخدوم جہانیاں کے لقب سے مشہور ہیں، جدِ امجد ہیں، آپ بخارا سے بھکر تشریف لائے اور اس شہر میں اقامت اختیار کی، اور سید بدر الدین بھکری سے جو وہاں کے اکابر و اعیان میں سے تھے قرابت کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خواب میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو بشارت ملی کہ سید بدر الدین کی صاحب زادی کو عقد میں لائیں۔ سید بدر الدین کو بھی اس خوش نصیبی کی بشارت ملی چنانچہ انھوں نے اپنی دختر کو آپ کے عقد میں دے دیا۔ وہاں سے رشتہ داروں کے حسد و نزاع کے باعث آپ اُچ تشریف لے گئے۔ سید جلال الدین صوری و معنوی اولاد سے شادکام ہوئے اور آپ پر برکاتِ کثیر کے دروازے کھل گئے۔

آپ کی قبر بھی اُچہ میں ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ گردیزؒ

گردیز کے سادات میں سے ہیں، وہاں سے ملتان تشریف لائے اور یہیں متوطن ہو گئے، آپ کا روضہ بھی ملتان میں ہے جو مشہور زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

منقول ہے کہ آپ قبر میں سے دستِ بیعت نکال کر لوگوں کو مرید کرتے تھے، چنانچہ اب بھی آپ کی قبر میں وہ راہ موجود ہے جہاں سے آپ ہاتھ نکالا کرتے تھے۔

آپ ملتان کے قدمائے مشائخ میں سے ہیں اور مخدوم شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ کے ہم عصر ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

شیخ صدر الدینؒ

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریاؒ کے فرزند ارجمند تھے، والد بزرگوار کے بعد ارشاد و تربیت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور بہت سے اولیاء آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے امیر حسینی سادات جیسا کہ مشہور ہے آپ کے مرید تھے اور کنز الرموز میں انہوں نے آپ کی، آپ کے والد بزرگوار کی اور شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرٗہ کی مدح کی ہے، آپ کی مدح میں کہتے ہیں، **مثنوی**

آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرورِ دین، افتخار صدرگاہ

صدرِ دین و دولت آں مقبولِ حق — نہ فلک از خوانِ جودش یک طبق

آبِ حیوان قطرۂ بحرِ دلش — چوں خضر علمِ لدنی حاصلش

معتبر چوں قول او افعالِ او — ہم بیانِ او گواہ حالِ او

مقتدای دین، قبولِ خاص و عام — دو نقش گفتہ توئی خیر الانام

ملکِ معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بکسب و ہم بمیراث آنِ او

شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کی مدح میں لکھتے ہیں **بیت**

من کہ زعاز نیک و بد بر تافتم — این سعادت از قبولش یافتم

کنوز الفوائد شیخ صدر الدین کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے جمع کیے تھے۔ اس میں لکھا ہے، من وصایا الشیخ صدر

الدین الی بعض مریدیہا۔

حدیثِ قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن من عذابی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ میرا حصن (قلعہ) ہے، جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ ایک حصن ہوتا ہے اور ایک حصار، حصار وہ ہے جو گرد اگرد ہو مگر کبھی حفاظت کرتا ہے کبھی نہیں کرتا، اور حصن وہ ہے جو گرد اگرد ہو اور حفاظت کرے، اور اس حصن میں آنا تین قسم کا ہوتا ہے، ظاہر و باطن و حقیقت۔ ظاہر یہ ہے کہ ضرر کا خوف اور نفع کی امید سوائے خدا کے سب سے ترک کرے کہ اگر تمام عالم اس کا دشمن ہو جائے یا دوست بن جائے تو خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس کو کوئی نفع و ضرر اور خیر و شر نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ط باطن یہ ہے کہ تحقیق جان لے کہ جو کچھ موت سے پہلے اس مرنے والی میں پیش آتا ہے ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے اور اس پر قلم عدم چل چکا ہے۔ تو نہ تعالیٰ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ؛ اس کو ثبات حاصل نہیں اور اس کی ہستی و نیستی کی طرف التفات نہ کرے اس وقت حصن باطن میں داخل ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ دوزخ کا خوف ہو۔ اللہ کے سوا کسی چیز سے قرار نہ پکڑے۔ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ۔ جب وہاں پہنچے تو بہشت خود بخود اس کے پیچھے چلی آتی ہے اور دوزخ دُور بھاگ جاتی ہے۔

نیز اس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ صدر الدین رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض

مریدوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر حضور ؐ ایمان لائے اس پر ایمان لا کر بندہ ثابت قدم رہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ دل سے بے شک و بے شبہ معتقد نہ ہو۔ رضا و رغبت اور محبت و معرفت کے ساتھ زبان سے اقرار نہ کرے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے، وہ ہمیشہ صفاتِ کمال سے موصوف ہے، تمام اسماً وصفات و افعال کے ساتھ قدیم ہے، اوہام و افہام کے ادراک سے منزہ ہے حدوث و عوارض و اجسام کی علامتوں سے پاک ہے، تمام عالم اس کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کی ذات و صفات پر چوں و چگونگی درست نہیں، نہ وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے، تمام پیغمبر اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں، جو کچھ آپ ؐ نے فرمایا ہے صحیح اور درست ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ اگر نہ آئیں تب بھی ان کو تسلیم کر لینا چاہیئے تاکہ اعتقاد درست رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کو چاہا اور جانا، اس کی کیفیت معلوم کرنے کی کوشش نہ کی اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو جائز ہے۔ ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو دل میں خوشی محسوس ہو اور اگر اس سے بُرائی سرزد ہو تو اس کو بُرا محسوس ہو اور ایمان میں استقامت کی علامت اس بات کا یقین ہے کہ اس کے نزدیک خدا اور رسولِ خدا، ذوق و حال کی بنا پر نہ کہ علم و ایمان کی رو سے، سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اور بعض مریدوں کو وصیت کی ہے کہ کوئی سانس، ذکر کے بغیر باہر نہ نکلنا چاہیئے

کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے وہ اپنا مال ضائع کرتا ہے، ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہیئے اور جب یہ صفت مستقل طور پر پیدا ہو جائے گی تو ذکر کے نور سے وسوسہ اور حدیث نفس جل کر راکھ ہو جائے گی اور دل میں نور ذکر اترتا جائے گا اور ذکر کی حقیقت دل میں بیٹھ جائے گی۔ تب ذکر کے ساتھ مذکور کا مشاہدہ شامل ہوگا اور دل نور یقین سے منوّر ہو جائے گا یہی طالبوں کا مقصود اور سالکوں کا مقصد ہے۔ ع

این کار دولت ست کنون تا کرا رسد

نیز آپ کی وصیتوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو بندۂ سعید لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے دوام ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے، اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے تو قلب خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکر کثیر ہے، اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق خفی سے بری نہ ہو، جس کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے۔ اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاؤُهَا (کہ میری امت میں زیادہ منافق قاری ہیں) اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور ماسوا کے ساتھ تعلق باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے، پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے اور وہ برے خیالات اور اخلاق مذمومہ سے پاک وصاف ہو کر تفرید باطنی سے معزز ہوتا ہے تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر جلوہ گر ہو اور شیطانی وداعی

اور نفسانی خواہشات اس سے دُور ہو جائیں اور اس کے باطن میں ذکر نور کا جوہر نمایاں
ہو جائے یہاں تک کہ اس کو ذکر کے ذریعے مذکور کا مشاہدہ حاصل ہو، اور یہ وہ مرتبۂ عظمیٰ
اور عطیۂ کبریٰ ہے جس کے حصول کی خاطر امّت کے اصحاب ہمّت اور ارباب بصیرت
جد و جہد کرتے ہیں۔ واللّٰہ الموفق والمعین ط

شیخ رکن الدین ابوالفتح رح

یہ شیخ صدرالدین کے فرزند اور شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ العزیز رحیم کے پوتے ہیں، شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ کے صاحب سجادہ راستین ہیں فتاویٰ صوفیہ میں جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے آپ کا ذکر بہت آیا ہے۔

مجمع الاخبار میں آپ کے ملفوظات دیے ہیں جو آپ نے بعض مریدوں کو مکتوبات میں لکھے تھے۔ ایک مرید کو لکھتے ہیں:۔

عزیز کو معلوم ہو کہ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے صورت اور صفت، اور حکم صرف صفت پر ہے نہ کہ صورت پر، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ (خدائے عزوجل تمہاری صورتوں یا اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے) لیکن حکم صفت کی تحقیق صرف دارِ آخرت میں ظہور پذیر ہوتی ہے، کیونکہ وہاں اشیا کے حقائق ظاہر ہوتے ہیں اور یہ شکل و صورت نیست و نابود ہو جاتی ہے، وہاں ہر شخص کو اس صورت میں جمع کرتے ہیں جو اس کی صفت کے موافق ہو۔ چنانچہ بلعم باعور کو اتنی عبادت کے باوجود کتے کی صورت میں اٹھائیں گے، فمثلہ کمثل الکلب اور اسی طرح ظلم و تعدی کرنے والا شخص اپنے آپ کو بھیڑیے کی شکل میں دیکھے گا، اور صاحب کبر چیتے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اور بخیل و حریص خنزیر کی شکل میں، فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ یہی ہوگا اور جب تک کرتی

شخص اوصافِ ذمیمہ سے پاک نہیں ہوتا اس کا شمار جانوروں اور درندوں میں ہے
بلاشک کالانعام بل ھم اضل۔ اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب
تک بندہ حضرتِ عزت کی بارگاہ میں التجا و استعانت نہ کرے وما ابری نفسی ان
النفس لامارۃ بالسوء الا من رحم ربی ان ربی لغفور رحیم ط جب تک اللہ
تعالیٰ کا فضل و رحمت دستگیری نہ کرے تزکیۂ نفس حاصل نہیں ہوتا۔ ولولا فضل
اللہ علیکم و رحمتہ ما زکیٰ منکم من احدٍ ابداً ، اور اس فضل و رحمت کے ظہور
کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور
عظمتِ الٰہی کے انوار کے پرتو سے کہ جس کے سامنے تمام اسرار معدوم ہو جاتے
ہیں اس کا باطن منور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ تمام دنیا اور اس کی شان و شوکت اس
کی نظر میں خاک معلوم ہوتی ہے، اور اہل دنیا کی اس کے دل میں کوئی قدر نہیں رہتی
جب اس کے باطن پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو ناچار اس کو اربابِ دنیا کے
حیوانی اوصاف سے نفرت آتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ اوصاف فرشتوں کے
اوصاف میں تبدیل ہو جائیں، چنانچہ اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے
حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار
کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر یہ معاملہ عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے لیے ہے
طالبانِ حق کا کام اس سے بالاتر ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ خاص انہیں کے
لیے مسلّم ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر شخص کی عقل کام نہیں آتی۔ ؎

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست — شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

منقول: مجمع الاخبار میں لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین نے اپنے بعض رسائل میں

جو بعض مریدوں کو بھیجے تھے لکھا تھا، ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کبھی کسی شخص کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین! بدی تو غیر آپ سے نہیں ہو سکتی مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جلّ وعلا کا قول ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا (یعنی جس نے اچھے کام کیے اپنے نفس کے لیے کیے اور بُرے کام کیے تو وہ بھی اپنے نفس کے لیے کیے) پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر و حادث ہوئی وہ درحقیقت میرے لیے اور مجھ پر تھی نہ کہ کسی دوسرے پر۔ واللہ اعلم، اسی لیئے بزرگوں نے کہا ہے کہ سلاح این کس صلاح اوبس است ؎

چو میدانی ہر آنچہ کاری دِروی   آخر بہیہ حال نکوکاری بہ

ایک عاقل کو دُنیا و آخرت کے لیے اتنی نصیحت کافی ہے۔ واللہ الموفق بالخیر

حضرت شیخ رکن الدینؒ ایک مرید کو وصیت کرتے ہیں کہ اعمال پر متابعت یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات و مکروہات سے قولاً و فعلاً باز رکھے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، وہ چیز جو طالب کو حق تعالیٰ سے برگشتہ کرکے دُنیا کی طرف مائل کرتی ہے اس کے اوقات کو بیہودہ ضائع کرتی ہے، بطالوں کی صحبت سے بھی احتراز ضروری ہے۔ جو شخص کہ طالب حق نہیں ہے حقیقت میں وہ بطال ہے۔

مجمع الاخبار میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے پوچھا کہ آپ نے شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت دیکھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک بار جمعہ کے روز بہت سے لوگ ان کی قدم بوسی کے لیے

ح مجھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس کوئی تسخیر کا عمل ہے، میں بھی
لم ہوں لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ اگلے دن صبح کو شیخ کی خدمت
، حاضر ہو کر یہ پوچھنا چاہیئے کہ وضو کرتے وقت کلی کرنے (مضمضہ) اور ناک میں پانی
لینے (استنشاق) میں کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھتا ہوں
یخ مجھ کو حلوا کھلا رہے ہیں جس کی شیرینی دن تک میرے حلق میں باقی رہی، میں
، خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے ا
، سویرے جا کر یہ مسئلہ ضرور پوچھنا چاہیئے، صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر
ا تو فرمایا میں تمہارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی اور اس کے دوران میں فرمایا۔
بت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابتِ دل اور جنابتِ تن۔ جنابتِ تن وہ ہے جو
ی کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو اور دل کی جنابت نالائقوں کی صحبت
ے ہوتی ہے۔ جنابتِ تن تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت آنسوؤں
ے دھوئی جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہونی چاہئیں کہ اس کو پاکیزہ
نبابت کو دور کرنے والا کہا جا سکے، اور وہ تین صفتیں لون (رنگ) طعم (مزہ) اور
ح (بو) ہیں، اسی لیئے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو
م رکھا ہے۔ تا کہ کلی سے مزہ معلوم ہو جائے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو
ۃ چل جائے۔ یہ بات سنتے ہی مولانا ظہیر الدین کے بدن سے پسینہ جاری ہو گیا۔
شیخؒ نے فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا اسی طرح
حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا، کیونکہ شیخِ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت
ل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا "مولانا ظہیر الدین از علوم قالی ملولی ہست اما از علوم

حالی خالی ست :- (یعنی مولانا ظہیر الدین علوم قال سے تو مالا مال ہیں مگر علوم حال سے خالی ہیں)

شیخ رکن الدین، سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین کے زمانے میں دہلی میں تشریف لائے تھے، حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ اس وقت مسندِ ارشاد و تربیت پر جلوہ افروز تھے۔ آپ کے استقبال کے لیے اپنی خانقاہ سے حوض خاص علائی تک جو شہرِ دہلی میں واقع ہے تشریف لے گئے۔ جب آپ نے اپنے حضور شریف سے سلطان قطب الدین کی مجلس کو مشرف کیا تو اس نے دریافت کیا کہ اہلِ شہر میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا۔ فرمایا کہ جو شخص اہلِ شہر میں بہترین ہے۔ سلطان قطب الدین کو شیخ نظام الدین کے ساتھ عداوت تھی اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین کے بلانے سے اس کا مقصد حضرت شیخ نظام الدین کی تحقیر اور کسرِ شان تھی لیکن شیخ رکن الدین نے اس کلام سے اُس کے وہم کو مٹا دیا اور اُس کو اس توقع سے ناامید کر دیا۔

سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان دونوں بزرگوں کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی، پہلے حضرت شیخ نظام الدین اپنی نماز کی مقررہ جگہ سے اٹھے اور شیخ رکن الدین کے پاس تشریف لائے، پھر تھوڑی دیر بعد شیخ رکن الدین، حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں آئے اور کچھ صحبت رہی۔ پھر ایک روز شیخ نظام الدین اپنے مقبرہ میں جو اس وقت زیرِ تعمیر تھا تشریف رکھتے تھے کہ ناگاہ شیخ رکن الدین کی آمد کا شور بلند ہوا حضرت شیخ نظام الدین نے طعام کا حکم فرما کر مجلس مرتب کی۔ غالباً شیخ رکن الدین کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی اور جس پالکی میں سوار ہو کر آئے تھے اس میں بیٹھے رہے شیخ نظام الدین اور دوسرے لوگ آپ کی پالکی کے سامنے بیٹھ گئے۔ جب صحبت گرم ہوئی تو شیخ

عمادالدین اسمٰعیل برادر شیخ رکن الدین نے عرض کیا کہ بزرگواروں کا یہ اجتماع غنیمت ہے، اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے انفاس شریف سے نفع حاصل کیا جائے۔ بندہ کے دل میں یہ خیال ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں کیا حکمت تھی۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ غالباً اس میں یہ حکمت تھی کہ جناب رسالتؐ کے بعض کمالات و درجات کا ظہور عالم فعل میں اصحاب صفہ کی صحبت پر موقوف رکھا گیا تھا۔ شیخ نظام الدین نے فرمایا کہ فقیر کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ حکمت تھی کہ مدینہ کے بعض فقراء جن کے لیے آنحضرتؐ کی سعادتِ صحبت حاصل کرنا محال تھا اس نعمت سے مشرف ہوں۔ کہتے ہیں کہ ایسا فرمانے سے ان دو بزرگواروں کو ایک دوسرے کی تواضع مقصود تھی۔ شیخ رکن الدین کا مقصد یہ تھا کہ ہمارا یہاں آنا طلبِ کمال اور استفادہ کے لیے ہے اور شیخ نظام الدین کی غرض یہ تھی کہ آپ کا آنا تکمیل و افادہ کے لیے ہے۔ سیر الاولیاء میں ایسے ہی لکھا ہے، محرر سطور عفی اللہ عنہ کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال جو اصحاب صفہ کی صحبت پر موقوف تھا یہی ارشاد و تکمیل ہے جس کے باعث ثوابِ دعوت اور حصولِ درجات ہے نہ کمالِ ذاتی حاشا پس دونوں باتوں کا مآل ایک ہوا واللہ اعلم۔

بعدہٗ کھانا حاضر کیا گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اقبال خادم نے چند اعلیٰ ریشمی پارچات اور ستّر اشرفیاں ایک ایسے باریک کپڑے میں کہ جس میں سے اُن کا عکس باہر پڑتا تھا لپیٹ کر شیخ رکن الدین کے قدموں کے نیچے رکھ دیں۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا استر ذھبک (یعنی اپنے سونے کو ڈھکو)۔ شیخ نظام الدین نے جواب میں فرمایا ذھبک و مذھبک (اپنے سونے اور اپنے طریق کو یعنی سونا، طریق کو

چھپانے کا سبب اور درویش کے حال کا تقاضا ہے تاکہ عوام کی نظر سے مستور رہے۔ شیخ رکن الدین نے اس کے پینے میں تامل کیا۔ حضرت شیخ نظام الدین نے اس کو شیخ عماد کے ہاتھ پر رکھا۔

دوسری مرتبہ آپ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی عیادت کو گئے اور فرمایا کہ عشرہ ذی الحجہ میں ہر شخص سعادتِ حج حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، میں نے شیخ المشائخ کی زیارت سے مشرف ہونے کی کوشش کی۔ اس کے بعد جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ رحلت فرما گئے تو آپ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ بظاہر یہاں تین سال تک دہلی میں رہنے کی یہی حکمت تھی کہ اس نعمت کا حصول ہو، پھر تھوڑی مدت بعد وطن کو تشریف لے گئے۔

خیر المجالس میں حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ سے منقول ہے کہ جب شیخ الاسلام شیخ رکن الدینؒ ملتان سے دہلی آئے تو قلندر اور جوالقی درویش ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، قلندروں نے شیخؒ سے شربت کی درخواست کی، شیخؒ نے ان کو کچھ دیا، پھر جوالقی اٹھے اور شیخ سے کہنے لگے کہ ہمیں خرچ دو، انہوں نے ان کو بھی کچھ دیا، پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص قوم کا پیشوا ہو اس کے پاس تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے، اوّل اس کے پاس مال ہونا چاہیئے تاکہ یہ لوگ جو کچھ طلب کریں ان کو دیا جائے۔ اس وقت قلندروں نے شربت مانگا، اگر درویش کے پاس کچھ نہ ہوتا تو کہاں سے دیتا جس پر یہ لوگ بدگوئی کرتے چلے جاتے اور قیامت کے دن سزا پاتے، دوم اس کے پاس علم کا ہونا ضروری ہے تاکہ جب علماء کی صحبت میں بیٹھے تو اُن کے ساتھ علم کی باتوں میں حصہ لے، سوم حال کی ضرورت ہے تاکہ درویشوں کے ساتھ حال میں شریک ہو۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ صلاح الدین درویشؒ

شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ ہیں، آپ ایک عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ شیخ نصیر الدین کے ہم عصر اور ہمسایہ تھے، سلطان محمد بن تغلق شاہ کی جانب سے مشائخ کو جو ایذا و تکلیف پہنچتی تھی شیخ نصیر الدینؒ اپنے مشائخ کی وصیت کے مطابق سب کچھ برداشت کرتے اور اُف نہ کرتے تھے، بخلاف شیخ صلاح الدین کے کہ وہ سلطان مذکور کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آتے تھے۔ آپ ملتان سے دہلی تشریف لائے اور یہیں متوطن ہو گئے۔ وفات بھی اسی جگہ پائی۔ آپ کا مقبرہ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مقبرہ شریف کے نزدیک ہے، بائیسویں صفر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

آپ کی ایک مناجات لوگوں میں مشہور ہے جس کو مناجاتِ شیخ صلاح کہتے ہیں اس میں لکھتے ہیں

یا الٰہی! اُس وقت اور اُس ساعت کی حرمت کی قسم جب تو نے صلاح درویش کو فیل سفید کہا تھا، یا الٰہی اس وقت اور اس ساعت کی حرمت کی قسم کہ جب تو نے صلاح درویش کو اگرہ کے مقام میں بڑ کے درخت کے نیچے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو سلام کہتا ہے" اور اس قسم کے اور کلمات بھی ہیں۔

منقول ہے کہ ایک جوان گھوڑے پر سوار جا رہا تھا، گھوڑا بہت خوش شکل اور خوش رفتار تھا یکایک اُس جوان نے گھوڑے کو ایک کوڑا مارا جس کے زخم کا نشان گھوڑے کی سُرین پر پڑ گیا، شیخؒ اس جوان پر غضبناک ہوئے اور وہ گھوڑے سے گر پڑا، لوگوں نے دیکھا تو اس کوڑے کا زخم شیخ کے جسم پر تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا بدرالدین اسحاقؒ

بن علی بن اسحاق الدہلوی، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے خادم، خلیفہ اور داماد تھے، اپنے زمانے کے مشائخ سے تھے اور زھد و ورع اور فقر و عشق میں بے نظیر تھے، اوائل حال میں آپ دہلی میں تحصیل علم کرتے تھے اور طالب علموں میں خوش طبعی و حدتِ ذہن کے باعث ممتاز تھے۔ دہلی میں علمی تحصیلات کی تکمیل اور اپنے زمانے کے تمام علوم و فضائل سے آراستہ ہونے کے بعد آپ نے بخارا کا عزم کیا۔ جب اجودھن پہنچے تو شیخ فریدالدینؒ کے کمالات کا آوازہ سن کر ان کی خدمت میں پہنچنے کا اشتیاق ہوا ایک دوست نے آپ کو حضرت شیخؒ کی ملازمت کے لیے آمادہ کیا۔ اُن کی ملازمت سے مشرف ہونے پر آپ نے وہ تمام فضائل جو حاصل کیے ہوئے تھے اُن کے کمالات میں گم کر دیئے اور اُن کے جمال و کمال کے عاشق ہو گئے۔ حضرت شیخؒ کو آپ میں جوہر قابلیت نظر آیا تو آپ کو اپنی خادمی اور دامادی کے لیے مخصوص کر لیا اور تربیت فرمانے بعد خرقۂ خلافت عنایت کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ اکثر اوقات گریہ کرتے رہتے تھے او آنکھیں نمناک رہتی تھیں، ایک روز یہ بیت پڑھ رہے تھے بیت

پیشِ صلابتِ عشق روح نطق نمی زند ۔۔۔ اے زہزار صعوہ کم پس تو نوا چہ می زنی

سارا دن اسی بیت کے ذوق میں عالم تحیر میں رہے، شام کی نماز کا وقت آیا تو حضرت شیخؒ نے آپ کو امامت کے لیے کہا۔ مولانا نے نماز شروع کی تو قرأت کے بجائے یہ

شعر زبانِ مبارک پر آیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو شیخؒ نے پھر آپ کو امامت کے لیے فرمایا۔

ایک رسالہ اسرار الاولیاء آپ کی تالیف ہے، اس میں حضرت گنج شکرؒ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ ایک کتاب علمِ تصریف میں نظم کی ہے اور اس میں تبحرّ و فصاحت کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں جو چند اشعار لکھے ہیں وہ سیر الاولیاء میں درج ہیں، اور آخر کتاب میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کے التماس سے یہ چند سطریں اپنے قلم سے لکھی ہیں:

(ترجمہ از عربی) سنا مجھ سے اور پڑھا اس نظم کو عزیز امام مجاہد، نظام الملّت والدّین محمد بن احمد نے جو پسندیدہ خصائل اور بلند شمائل کے مالک ہیں، اُن کے شمائل و آثار ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور اُن کے فضائل و انوار سب پر عام ہیں، اور میں اگرچہ اس صناعت میں قلیل البضاعت ہوں لیکن اس نظم کا اتفاق ایسے شخص کے حکم سے ہوا ہے جس کا حکم بجا لانا واجب ہے، جیسے کہ چیونٹی کی سعی سلیمان علیہ السلام کے سامنے، اور اُن دام فضلہ نے اپنی عالی قدری کے باوجود مجھ سے ان چند سطروں کا التماس کیا، پس میں نے یہ سطریں اُن کے امتثالِ امر میں اپنے خط سے لکھیں اس امید پر کہ میرے حق میں دعائے خیر کریں اور میں ہوں اضعف الفقراء الی اللہ الغنی اسحاق بن علی الدھلوی، حامداً و مصلیاً۔

آپ کا مدفن اجودھن کی قدیم جامع مسجد کے صحن میں ہے جہاں اکثر آپ یادِ حق میں مشغول رہتے تھے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ جمال الدین احمد ہانسوی رح

خطیب تھے، سلسلۂ نسب آپ کا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ سے ملتا ہے، شیخ الشیوخ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں، ظاہری و باطنی کمالات کے جامع تھے، آپ کی محبت میں شیخ فریدالدینؒ بارہ سال تک ہانسی میں رہے، اور آپ کے حق میں فرماتے تھے "جمال جمالِ ماست" یعنی جمال درحقیقت ہمارا جمال ہے کبھی فرماتے "جمال! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے گرد طواف کروں" حضرت بابا گنج شکرؒ جس کسی کو نعمتِ خلافت عطا کرتے پہلے خلافت نامہ آپ کی خدمت میں بھیجتے اگر آپ قبول کرتے تو اس کی خلافت درست ہوتی اور اگر آپ رد کر دیتے تو پھر شیخؒ بھی قبول نہ کرتے اور فرماتے کہ "پارہ کردۂ جمال را فرید نتواں دوخت" — یعنی جمال کے پارہ کیے ہوئے کو فرید نہیں سی سکتا"

ایک روز ہانسی سے ایک شخص حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ ہمارے جمال کا کیا حال ہے، عرض کیا کہ مخدوم جس روز سے حضور کی خدمت سے پیوست ہوئے ہیں، انہوں نے سب مواضع و اسباب و شغلِ خطابت کو بالکل ترک کر دیا ہے اور سخت فاقہ کشی اور مشقت اختیار کی ہے۔ شیخ فریدالدینؒ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا الحمدللہ کیا ہی اچھا ہے۔

منقول ہے کہ آپ نے جس روز سے یہ حدیث سنی۔ اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ

رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفْرَۃِ النِّیْرَانِ۔ (قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) نہایت مضطرب ہو گئے اور اس وعید کے باعث بے قرار رہنے لگے، جب رحمت حق سے پیوست ہوئے تو کچھ عرصہ بعد لوگوں نے چاہا کہ آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کرایا جائے۔ چنانچہ کھدائی شروع ہوئی، جب لحد کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ قبلہ کی جانب ایک دریچہ کھلا ہوا ہے جس میں سے نسیم بہشت کے جھونکے آ رہے ہیں لوگ اسی وقت وہاں سے ہٹ گئے اور اس جگہ کو اسی طرح بند کر کے اوپر عمارت بنا دی۔

شیخ جمال الدینؒ کے بعض رسائل اور اشعار ملتے ہیں، ان میں سے ایک رسالہ مسجع عربی زبان میں ہے جس میں متفرق اقوال جمع کیے ہیں اور اس کا نام ملہمات رکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں۔

فقر ایک خلق شریف ہے جس سے صلاح، عفت، زہد، ورع، تقویٰ، طاعت، عبادت، جوع، فاقہ، مسکنت، قناعت، مروت، فتوت، دیانت، صیانت، امانت، سہر، تہجد، خضوع، خشوع، تذلل، تواضع، تحمل، کظم، عفو، اغماض، اشفاق، انفاق، ایثار، اطعام، اکرام، احسان، اعراض، اخلاص، انقطاع، انفصال، صدق، صبر، سکوت، حلم، رضا، حیا، بذل، جود، سخاوت، خشیت، خوف، رجا، ریاضت، مجاہدہ، مراقبہ، موافقت، مرافقت، مداومت، معاملت، توحید، تہذیب، تجرید، تفرید، سکوت، وقار، مدارات، مواسات، عنایت، رعایت، شفقت، حفاوت، شفاعت، لطف، کرم، تفقد، شکر، فکر، ذکر، حرمت، ادب، اعتصام، احترام، طلب، رغبت، غیرت، عبرت، بصیرت، تیقظ، حکمت، حسبت، ہمت، معرفت، حقیقت، خدمت، تسلیم، تفویض، توکل،

تبتّل، یقین، ثقت، غنا، استقامت اور حُسن خلق پیدا ہوتا ہے، جس فقیر میں یہ سب صفات پائی جائیں وہی فقیر کامل ہے اور اگر اُس میں یہ صفات نہ ہوں تو اُس کو فقیر نہیں کہہ سکتے۔

آپ کا مزار ہانسی میں ہے۔ اپنی اولاد کے تین اور افراد کے ساتھ ایک ہی گنبد میں خوابیدہ ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

روایت ہے کہ لوگوں نے آپ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور آپ کا حال دریافت کیا، فرمایا کہ جب مجھے قبر میں اتارا گیا تو اس وقت عذاب کے دو فرشتے آئے ان کے پیچھے پیچھے دو فرشتے اور آ گئے جو یہ فرمان لائے کہ ہم نے اس کو دو رکعت صلوۃ البروج جو وہ نماز شام کی سنت سے متصل پڑھتا رہا ہے اور جس میں فاتحہ کے بعد سورۃ بروج و طارق کی قرأت کرتا تھا اور نماز فرض کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کے عوض بخش دیا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ برہان الدین صوفیؒ

شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے فرزند رشید ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیخ جمال الدینؒ نے جب اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی تو آپ اس وقت کمسن ہی تھے، آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں لایا گیا، وہ بہت لطف و عنایت سے پیش آئے اور انہوں نے وہی نعمتِ فقر جو شیخ جمال الدینؒ کو دی ہوئی تھی۔ شیخ برہان الدین کو عطا فرمائی اور اس کے ساتھ خلافت نامہ، مصلا اور عصا مرحمت فرمایا؛ پھر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت کی وصیت کی۔ چنانچہ آپ ہر سال اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر تربیت حاصل کرتے، اور جب تک سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ زندہ رہے آپ نے کسی کو مرید نہ کیا۔

شیخ جمال الدینؒ کے ایک اور فرزند دانش مند تھے جو دیوانے ہو گئے تھے حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ وہ گاہے گاہے ہوش میں آتے اور عقل کی باتیں کرتے تھے، ایک دن اُن کی زبان سے سنا اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰہِ الْاَکْبَرُ (علم اللہ کا بہت بڑا حجاب ہے) میں سمجھ گیا کہ یہ حقیقی مجذوب ہیں، میں نے اس کلام کی وضاحت چاہی تو کہنے لگے "علم غیرِ حق ہے اور جو کچھ غیرِ حق ہے وہی حجابِ حق ہے"

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ عارفؒ

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے مُرید ہیں، کہتے ہیں کہ اُچہ و ملتان کے ایک حکمران نے آپ کے توسط سے ایک سو ٹنکے حضرت شیخؒ کو بطور نذر بھیجے، آپ نے پچاس ٹنکے تو اپنے پاس رکھ لیئے اور باقی پچاس شیخ گنج شکرؒ کے پیش کر دیئے حضرت شیخؒ نے تبسم کیا اور فرمایا "عارف تم نے برادرانہ تقسیم کی ہے"! عارف شرمندہ ہوتے اور فوراً وہ پچاس ٹنکے جو آپ نے چھپا رکھے تھے نکال کر حاضر کر دیئے، پھر بہت عجز کیا اور مرید ہو کر سر منڈا دیا، اس کے بعد شیخ الخدمت ہو گئے اور استقامت حاصل کی، اور حضرت شیخؒ نے آپ کو بیعت کی اجازت دے کر حدودِ سیلوستان میں بھیج دیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ صابرؒ

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ ایک ثابت قدم اور صاحب نعمت درویش تھے حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے مرید ہیں۔ شیخ موصوف نے جب آپ کو بیعت کی اجازت عطا کی تو فرمایا "صابر! تم اچھی زندگی بسر کرو گے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب تک زندہ رہے خوش باشی میں بسر کی، آپ ایک خوش طبع اور کشادہ رُو بزرگ تھے۔

غالباً یہ شیخ صابر اُن شیخ علی صابر کے علاوہ ہیں جو شیخ فریدالدینؒ کے داماد اور خلیفہ تھے۔ اُن کی قبر قصبہ کلیر میں ہے اور شیخ عبدالقدوس وغیرہ کا سلسلہ اُن پر منتہی

ہوتا ہے۔ صاحب سیر الاولیاء نے اُن کا ذکر مطلقاً نہیں کیا، جو ذکر ہے وہ انہی شیخ صابر کا ہے جس طریقے سے کہ عنوان میں مذکور ہے اور اُن کا ذکر نہ کرنا غرابت سے خالی نہیں، ہو سکتا ہے کہ شیخ صابر سے مراد وہی شیخ علی صابر ہوں۔ واللہ اعلم

رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ نصیر الدینؒ

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے بڑے صاحب زادے تھے، تمام عمر باری تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ لقمہ حلال کی خاطر آپ نے کھیتی باڑی کے کام پر قناعت کی اور زندگی طاعت و عبادت میں بسر کی۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا شہاب الدین رح

ابن شیخ فرید الدین قدس سرہ ، وفورِ علم و فضائل سے آراستہ تھے ، بیشتر اوقات شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ، شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے اور مولانا شہاب الدین رح کے درمیان بہت مستحکم محبت تھی ، ایک مرتبہ شیخ فرید الدین کے پاس عوارف کا ایک نسخہ تھا جس سے وہ افادہ کرتے تھے لیکن وہ نسخہ بہت باریک خط میں تھا اور سقیم تھا ۔ شیخ رح کو اس کے بیان میں ایک گونہ توقف ہوتا تھا ۔ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے یہاں اس کتاب کا ایک اور نسخہ دیکھا ہوا تھا مجھے اس نسخہ کا خیال آگیا اور میں نے عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین کے پاس ایک صحیح نسخہ ہے مگر یہ بات شیخ کے دل پر گراں گزری فرمایا یعنی درویش میں سقیم نسخے کو تصحیح کرنے کی قوت نہیں ، میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ بات کس کی نسبت ارشاد ہوئی ہے ۔ جب معلوم ہوا کہ روئے سخن میری طرف ہے تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سر برہنہ ہو کر شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور عرض کیا نعوذ باللہ کہ میری اس سے یہ مراد ہو ، میں نے ایک اور نسخہ دیکھا ہوا تھا جو اس وقت مجھے یاد آگیا اور میں نے اس کا ذکر کر دیا ۔ ہر چند میں معذرت کرتا تھا لیکن شیخ ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے ۔ میں مضطرو حیران ہو کر مجلس سے باہر آگیا ۔ اس روز میرے غم کی انتہا نہ تھی ، آخر میں ایک کنوئیں پر پہنچ گیا ۔ جی میں آیا کہ کنوئیں میں چھلانگ مار دوں ، پھر کچھ تامل کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ مُردہ فقیر تو مُردہ ہی ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ بدنامی باقی رہ جائے ۔ غرض اسی طرح

محوِ حیرت میں تھا، آخرکار ایک دن مولانا شہاب الدینؒ نے شیخؒ کی خدمت میں میرے متعلق کسی بہتر پیرائے میں ذکر کیا۔ اس وقت وہ راضی ہو گئے، مجھے اپنے پاس بلایا اور مہربانی و شفقت سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا تمہارے کمال کی خاطر کیا تھا کیونکہ پیر، مرید کے حق میں مشاطہ کا حکم رکھتا ہے۔ پھر میرے لیے خلعت کا حکم دیا اور لباسِ خاص سے مشرف فرمایا۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بدرالدین سلیمانؒ

شیخ فرید الحق والدین قدس سرہٗ کی اولاد میں سب سے زیادہ مشہور رہیں۔ والد ماجد کے بعد بھائیوں اور مریدوں کے اتفاق سے سجادۂ خلافت پر بیٹھے، آپ کی نسبتِ ارادت خاندانِ چشت سے ہے۔ خواجہ زور اور خواجہ عمر جو خلفائے خواجگانِ چشت سے تھے حضرت گنج شکرؒ کے صدرِ حیات میں چشت (خراسان) سے اجودھن تشریف لائے۔ شیخ نے تبرکاً و تیمناً مولانا شہاب الدین اور شیخ بدرالدین کو ان کے ہاتھ سے کلاہِ ارادت پہنا کر مرید کیا۔

رحمۃ اللہ علیہم

خواجہ نظام الدینؒ

حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ آپ کو تمام فرزندوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہ سپاہی پیشہ تھے۔ حضرت شیخ کی رحلت کے وقت غیاث الدین بلبن کے ہمراہ قصبہ پٹیالی میں تھے جس رات حضرت شیخ نے رحلت فرمائی آپ تشریف لے آئے لیکن چونکہ قلعہ کا دروازہ بند کردیا گیا تھا اندر نہ آسکے اور شیخؒ کو اس حالت میں دیکھنے سے محروم رہے۔ صبح کو جب جنازہ لے کر شہر سے باہر نکلے تو آپ پہنچ گئے۔ شیخؒ کے دیگر فرزندوں کی رائے تھی کہ شیخؒ کو شہر سے باہر گنج شہیداں میں دفن کیا جائے مگر آپ نے یہ مصلحت دیکھی کہ ان کو وہاں دفن کیا جائے جہاں اس وقت حضرت شیخؒ کا مقبرہ شریف ہے، چنانچہ آپ کی رائے پر سب نے اتفاق کیا۔

خواجہ نظام الدین کفار کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے اور آپ کا کوئی نشان نہ ملا۔ رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ یعقوبؒ

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ بذل و ایثار میں مشہور تھے اور نفس گیرا رکھتے تھے۔ آپ اہل ملامت کے طریق پہ چلتے تھے خلقت کے ساتھ آپ کا جو معاملہ تھا حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے بالکل برعکس تھا۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کو امروہہ کے راستے میں مردانِ غیب اٹھا کر لے گئے۔

رحمتہ اللہ علیہ

مولانا داؤد پالہیؒ

رودولی کے ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے
تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپ کا بہت ذکر کیا کرتے کہ وہ ایک بڑے
تھے۔ فرماتے تھے ایک بار مجھ کو اور مولانا داؤد کو خدمتِ شیخ سے بیک وقت
ملی اور ہم اکھٹے باہر آئے، وہ راستہ میں بہت تیز قدم اٹھاتے تھے اور آگے پہنچ
میں مشغول ہو جاتے تا آنکہ میں ان کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ چونکہ مجھے ان کا مزاج
ہو گیا تھا ہم پہلے چل پڑتے تھے اور وہ ابھی نماز میں مشغول ہوتے تھے، ہم ایک
چلے جاتے تو وہ پیچھے سے آکر ہم تک پہنچ جاتے اور ہم سے ایک دو کوس
نکل کر پھر نماز میں مشغول ہو جاتے، اور ایسے جنگل و بیابان میں رستہ نہ بھولتے۔
نقل ہے کہ آپ صبح کی نماز کے بعد گھر سے نکل کر بیابان میں چلے جاتے اور
میں مشغول ہو جاتے۔ جنگل کے ہرن آپ کے گرداگرد کھڑے ہو جاتے اور
لگا کر آپ کو دیکھتے رہتے۔

رحمتہ اللہ علیہ

مولانا رضی الدین منصورؒ

بزرگ تھے، شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے ہیں کہ اودھ میں ایک بزرگ رہتے تھے، وہ بیمار ہوگئے اور اُن کی حالت ایسی ہوئی کہ تجہیز و تکفین کی تیاری ہونے لگی، مولانا داؤد جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور یہ مولانا رضی الدین منصورؒ دونوں ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے اب ہم آگئے ہیں جب تک صحت نہ ہوگی ایسے چھوڑ کر نہ جائیں گے، اس کے بعد مولانا رضی الدین نے کہا۔ مریض کی ایک طرف آپ لیجئے اور دوسری طرف میں لیتا ہوں۔ مولانا داؤد نے سر کی جانب کا حصہ لیا اور مولانا رضی الدین نے پاؤں کی جانب کا۔ چنانچہ دونوں بزرگوار بیٹھ گئے اور کچھ پڑھا۔ پھر یہ اٹھے اور اُس مریض کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "اٹھو!" وہ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور صحت یاب ہو گئے۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کمال الدین زاہدؒ

کمالِ ورع و تقویٰ و دیانت کے ساتھ موصوف تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے آپ سے مشارق کی سند لی تھی اور آپ نے مولانا برہان الدین بلخی سے اور انہوں نے مصنّف سے، مولانا کمال الدین زاھد نے ان مشارق کے ذیل میں جن کی شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کی خدمت میں سماعت کی تھی اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ تحریر فرمایا جس کی نقل سیر الاولیاء میں موجود ہے۔

نقل ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کی یہ آرزو تھی کہ مولانا کمال الدین زاہد کی امامت میں نماز پڑھے۔ لہذا اُس نے مولانا کو اپنے پاس بلایا اور کہا ہمیں آپ کے علمی کمال، دیانت اور محافظتِ نفس پر پورا اعتقاد ہے، اگر آپ ہمارے ساتھ موافقت کریں اور منصبِ امامت قبول فرمائیں تو محض کرم ہوگا اور ہمیں اپنی نماز کی مقبولیت پر وثوقِ تمام حاصل ہو جائے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ "ہمارے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اب بادشاہ چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہے۔"

مولانا نے یہ جواب اس قدر پُر جلال اور بارعب لہجہ میں دیا کہ سلطان خاموش ہو کر رہ گیا۔ اور پھر بہت عذر خواہی کر کے مولانا کو رخصت کیا۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ نورالدینؒ

ملکیار پرّان، شیخ بزرگ تھے، وطن مالوف لاد ہے۔ وہاں سے اپنے پیر کے حکم سے دہلی آ گئے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء آپ کے روضے کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ کا زمانۂ حیات بھی پایا ہوگا لیکن اُن کی باہمی ملاقات کا حال معلوم نہیں۔

سیرالاولیاء میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا میں نماز جمعہ کے لیے مسجد کیلوکھڑی میں جایا کرتا تھا، ایک دن گرم ہوا چل رہی تھی اور میں روزے سے تھا، یکایک مجھے چکر آ گیا، میں ایک دکان میں بیٹھ گیا تو میرے دل میں آیا اگر اس وقت میرے پاس سواری ہوتی تو میں اس پہ چلا جاتا۔ پھر مجھے شیخ سعدیؒ کا یہ شعر یاد آیا۔ بیت

ماقدم از سر کنیم در طلب دوستاں راہ بجائے نرود ہر کہ باقدام رفت

اور میں نے اس خطرے سے توبہ کی، اس کے تین یوم بعد شیخ ملکیار پرّان کے خلیفہ میرے لیے ایک گھوڑی لے کر آئے اور کہا کہ اس کو قبول کیجئے، میں نے ان سے کہا آپ ایک مرد درویش ہیں، آپ سے کس طرح لے سکتا ہوں، انھوں نے کہا آج تیسری رات ہے کہ شیخ ملکیار پرّاں مجھ سے خواب میں فرماتے ہیں کہ شیخ نظام الدین کو گھوڑی لے جا کر دو۔ میں نے ان کو جواب دیا۔ یہ بات آپ کے شیخ نے کہی ہے

اگر میرا شیخ مجھ سے کہے تو میں قبول کر لوں گا" تب وہ ایک اور سواری لے آئے جس کو میں نے عطیۂ ربانی سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس کے بعد ہمارے گھر میں کبھی گھوڑوں کی کمی نہ ہوئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ جس وقت شیخ ملکیار پران دہلی تشریف لائے تو آپ اسی جگہ قیام پذیر ہوئے جہاں اب آپ کا مزار ہے، اس زمانے میں شیخ ابا بکر طوسی ایک قلندر تھا اس نے آپ سے جھگڑا کیا، آپ نے کہا مجھ کو میرے پیر نے یہاں بھیجا ہے۔ اس نے حجت طلب کی، دہلی سے وہ جگہ جہاں آپ کا پیر رہتا تھا بہت دور تھی، برخلاف عادت آپ آن کی آن میں وہاں سے خبر لے آئے، اس روز سے آپ ملکیار پران کے نام سے مشہور ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

آپ کا روضہ دریائے جمنا کے کنارے شیخ ابابکر طوسی کی خانقاہ کے مقابل ہے۔ ایک باہیبت و عظمت مقام ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں پریوں کا مسکن ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ضیاؤ الدین رومیؒ

مشائخ کبار سے ہیں، شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے خلیفہ تھے، سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین آپ کا مرید و معتقد[1] تھا، کہتے ہیں کہ آپ کی وفات کے تیسرے روز حضرت شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی زیارت کو گئے تو سلطان قطب الدین بھی وہاں موجود تھا، اُس نے شیخ نظام الدین کی تعظیم نہ کی اور سلام کا جواب نہ دیا۔

---

[1] یہاں خلیفہ (نسخہ مجتبائی) کے بجائے معتقد پڑھا جائے۔ بحوالہ نسخہ ہاشمی۔ ۱۲

نقل ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے ایک مرتبہ فرمایا میں نے شیخ ضیاؤ الدین رومی سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میرا ایک دوست تھا، اس کو سماع میں حال وذوق حاصل تھا، اس کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ اس نے بہشت میں ایک عالی مقام پایا ہے لیکن مغموم بیٹھا ہوا ہے میں نے اس کو اس رتبہ عالی پہ مبارک بادی اور پوچھا کہ تم مغموم کیوں بیٹھے ہو، اس نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ مل گیا ہے مگر جو لذت وحالت سماع میں حاصل ہوتی تھی وہ نہیں پائی۔

آپ کا روضہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کے راستے میں بجے منڈل سلطان محمد عادل کے سامنے ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ شرف الدین کرمانیؒ

قصبہ سرسی کے رہنے والے تھے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں میں نے جنید نامی ایک قوال سے سنا کہ ایک دن مجلس سماع میں تھے۔ انہوں نے ایک بیت سنی اور آہ کھینچ کر جان بحق تسلیم کی۔

رحمۃ اللہ علیہ

"یہ ہیں نئی روشنی کے ایڈیٹر کمال سرمدی صاحب اور آپ ہیں ہفت روزہ ندائے لیگ کے مدیر اعلیٰ ایراد صاحب، اور آپ ہیں اختر صاحب، میرے پرانے ہم وطن اور ساتھی' لیگ کے مشہور ورکر رہے ہیں آپ اور آج کل ——— !"

" آج کل ڈیوائن آرٹسٹ !"

——— بھئی آپ لوگوں نے پریس کا نام لیا تو مجھے یاد آیا، کمال صاحب بھئی کمال ہو گیا، ——— پہلے تو خیال تھا کہ ندائے لیگ کو روزنامہ بنوالیں گے، اپنا ہی اخبار ہے اور اب تو بھئی اس کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی، نئی روشنی جو ہو گا ———"

"ہاں ہاں بھئی، ہماری خدمات حاضر ہیں! سیٹھ صاحب سے کسی وقت بات وات ہو جائے ———" کمال نے کہا۔

"کیوں نہیں"، سہیل بولا" اب کے سیٹھ صاحب ملے، بس اس دعوت کی مصروفیت تھی، اور یہ بھی ضروری تھی افسر لوگوں سے رابطہ رکھنے کو، دعوت کے بعد جب بھی ملاقات کرا دوں گا —!"

موسیقی تیز ہو گئی تھی، فضا سگریٹوں کے دھوئیں سے مکدر ہو رہی تھی اور فرش پر کافی جوڑے گھوم رہے تھے،

"یہ کون صاحب ہیں ؟"

"یہ اے۔ ڈی۔ ایم صاحب ہیں"

" اور وہ !"

"وہ انکم ٹیکس کے محکمہ میں ہیں، اس وقت یاد نہیں آ رہا کیا ہیں"

" اور وہ لڑکی !"

" نواب نواب احمد کی صاحبزادی ہیں"

" انگریز لگتی ہے —"

" نہیں، انگریز تو نہیں لیکن یورپ ہی میں پلی بڑھی ہیں —"

" بھئی، اور وہ نوجوان جو لڑکیوں کی اس میز کی طرف جا رہا ہے !"

"سیکرٹری ہے سنڑھیں، ـــــ مگر شہریار دیکھ تو توں کس کو دعوت دے رہا ہے اور وہ چند منٹ کے لیے دم سادھے دیکھتا رہا،

"مشکل ہے!"

"کیا"

"اس لڑکی کے ساتھ ڈانس!"

"اسے ناں کتنا بڑا مشکل ہے ۔ سیکرٹری ہے، کام پڑتے ہی رہتے ہیں ـــ"

"مگر وہ نوجوان جب ناکام واپس لوٹا تو وہ سب حیران تھے کہ ایسا کیونکر ممکن ہوا ـــــــ"

"رعنا بڑی سمجھ دار لڑکی ہے، کیوں اختر صاحب" سہیل نے کہا۔

"میں نے امتحان نہیں لیا بلکہ میری ملاقات ہی اس سے کتنی ہے!" چند لمحوں میں کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کسی کو، ممکن ہے تمہاری ملاقات زیادہ گہری ہو ـــ"

"نہیں، کچھ ایسی نہیں، یہ بلیک اور لیگ ٹکٹ کا چکر چل رہا ہے نا اس سلسلے میں چند بار ملاقات ہوئی ہے، سیٹھ صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہر میں اکثر لیگ ورکر میرے ساتھ ہیں تو انھوں نے خود مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور مجھ سے ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا اگر میں لیگ ٹکٹ لینے میں ان کی مدد کروں اور پھر ان کو اپنے مزدوروں کے قصبوں میں سیاسی پارٹیوں کے دخل کی وجہ سے ہم لوگوں سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے ـــــــ

بس اسی سلسلے میں آنا جانا ہوا تو سیٹھ صاحب کے یہاں اس سے ملاقات ہو گئی تھی سیٹھ صاحب کے سیاسی جرائم کے متعلق سارے کاغذات، فائلیں، خطوط اسی کے پاس ہوتے ہیں بلکہ مل کے معاملات میں بھی اسے دخل ہے، اور سیٹھ صاحب اس کی رائے کا احترام کرتے ہیں ـــــ معاشیات کا ایم۔ اے کرنے کا ارادہ ہے ـــــ!

رعنا ناچ کے لیے انکار کرنے کے بعد زیادہ دیر وہاں نہ بیٹھی، اٹھ کر چلی گئی اور وہ صاحب جو ناکام لوٹے تھے یہ کہتے ہوئے سنے گئے۔

"بے چاری کے سر میں سخت درد تھا، دیکھا اسی لیے اٹھ کر چلی گئی ہے، ورنہ

ایسی محفل چھوڑ کر کون جاتا ہے؟"

"ہمیں بھی چلنا چاہیئے!" اختر نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی ٹھہرو کچھ دیر، ہم بھی چلیں گے، ذرا یہ محفل ختم ہو جائے، سیٹھ صاحب سے مل کر جائیں گے ——"

"نہ بھائی ہم تو مزدور آدمی ہیں، صبح مزدوری پر جانا ہوگا، ہم تو اب چل دیئے پھر بیوی بچے، والد صاحب اور ہمشیرہ سبھی انتظار کرتے ہوں گے ——"

"اچھا بھئی، میں بھی کسی وقت آؤں گا ذرا ان جھنجھٹوں سے چھٹکارا ہو تو آؤں گا خان بہادر صاحب سے ملاقات ہوئے مدت گزر گئی ——"

"اچھا دعا کرتے ہیں تمھاری مصروفیات سے فرصت کی"

اختر باہر گیا تو اسے رعنائی کار نے روک لیا جو جانے کہاں سے آرہی تھی۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"اپنے گھر"

"چلئے میں چھوڑ آؤں، ابھی غزالہ کو چھوڑ کے آرہی ہوں"

"آپ ناحق تکلیف کر رہی ہیں، میرا کیا ہے، تھوڑی دیر میں پہنچ ہی جاؤں گا"

"تکلف کی بات نہیں، بیٹھئے دو منٹ کا تو راستہ ہے ——" رعنا بضد تھی، اختر نے سوچا بحث اور ضد فضول ہے چلو مان لو ——

عین اس وقت جب اختر اس کار میں بیٹھ رہا تھا، سہیل اور اس کے ساتھی ان کے قریب سے گزرے ——!

"میں نے تو سنا تھا آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، سر درد تھا"

"یہ آپ سے کس نے کہا"

"وہیں پر ایک صاحب کہتے ہوئے سنے گئے ہیں"

"یہ ان صاحب کا بہانہ ہوگا، میرا تو نہیں دکھتا تھا سر —— بڑے ہنستے ہیں افسری جتانے ——

کوئی افسری، کوئی لیڈری!"

"لیڈری؟"

"ہاں تو، وہ صاحب جو آپ کے ساتھ بیٹھے تھے، جانے کس جماعت کے کیا ہیں۔ کئی بار گھر آئے ہیں، ڈیڈی کو بھی کچھ خبط ہو گیا ہے لیڈری کا۔ گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں اور جانے پھر کیا کچھ بٹور کے لے جاتے ہیں۔"

"اس سے یہ بہتر نہیں کیا کہ وہی روپے اپنے ملازمین کی بہتری کے کسی کام میں صرف کریں۔"

"اس طرف سے تو پاپا غافل نہیں ہیں۔"

"یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ —— کبھی مزدوروں کی بستیاں دیکھو جا کر، کبھی فرصت ہو تو ——"

"آپ ہی لے چلئے مجھے تو فرصت ہی فرصت ہے —— گاڑی میرے پاس ہوتی ہے، ڈیڈی تو لیڈری کے چکر میں ہیں۔"

"لیڈری کا بھی نہیں، یہ وزیری کا چکر ہے —— صنعت کی پالیسیوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کا چکر ہے —— اور بستیاں خود ہی دیکھ آؤ جیسے میرے کمرے میں چلی آئی تھیں ویسے ہی کبھی ادھر جا نکلو، وہ بھی تو آخر ایک مزدور ہی کا کمرہ تھا —!"

"مزدور نہیں، فن کار، دماغ کی محنت سے کمانے والے مزدور نہیں کہلاتے، فن کار ہوتے ہیں —"

"یہ معاشیات کی نئی اصطلاحیں ہیں کیا؟"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کریں ——"

"جی اس بات کو چھوڑیئے آپ۔"

"میں سمجھتی ہوں انھی لیڈر صاحب کی زبان ہے کہ اسے بھی الیکشن پراپیگنڈا سمجھ کر نشر کر رہی ہے ——"

"اس بے چارے کو چھوڑیئے۔"

"آپ کا کیا رشتہ ہے اس سے؟"

"کچھ بھی نہیں ———" اور اختر یہ کچھ بھی نہیں کہہ کر سوچ میں پڑ گیا کہ کچھ بھی نہیں کہہ کر اُس نے کس کے ساتھ نا انصافی کی ہے اور پاکستان آنے کے بعد اس نے بار ہا اس بات پر غور کیا تھا کہ اس مسئلے سے کیسے عہدہ برا ہوا جائے، آتے ہی سٹیشن پر ملاقات کو وہ نیک فال سمجھا تھا،

اپنے پرانے شہر میں پاکستان بننے سے پہلے ہی اس کے متعلق گھر میں ذکر چلا تھا اور اسے معلوم ہوا تھا کہ عفت بھی سہیل کو کسی حد تک پسند کرتی تھی اور اس کا کالج کیریر اور سپورٹس میں نام اس کے پلڑے کو کافی وزنی بنا رہے تھے مگر ان دنوں اسے اس بات کی فرصت نہیں تھی اور خان بہادر صاحب سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی کیونکہ ابھی تک وہ آزاد زندگی اختیار نہ کر سکا تھا اور نہ ہی اس کا مقام متعین ہو سکا تھا، ———

پھر وقت گزرتا گیا اور آخر پاکستان قائم ہوا تو انہیں اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے ادھر آنا پڑا، ——— اور یہاں سٹیشن پر سہیل نے خود ہی اسے پہچانا اور پھر شروع شروع میں تو وہ کئی بار ہی ان کے یہاں آیا، اب وہ وکیل بن چکا تھا، سیاست میں اپنا نام پیدا کر رہا تھا، اُس کی مالی حیثیت یہاں آ کر بہت مضبوط ہو چکی تھی۔ دوہری دوہری الاٹمنٹ اور پھر تجارت میں نئے ڈھنگ کے منافع کے باعث تاجر سچ مچ دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے تھے مگر اس کی مالی حیثیت کے ساتھ ہی ساتھ ثقہ قسم کے بزرگوں کی نظر میں جیسے کہ خان بہادر تھے اس کی اخلاقی حالت پہلے سے کمزور ہو چکی تھی کیونکہ وہ اوّل تو اس قسم کی الاٹمنٹ کے ہی مخالف تھے اور پھر تجارت میں اس قسم کی ذخیرہ اندوزی اور منافع بازی کو بھی بُرا سمجھتے تھے شروع شروع میں اسے خیال گزرا بھی تھا کہ یہ بات چلائے مگر خان بہادر کی صحت اور حالات کے نارمل ہونے کا انتظار کرتا رہا اور آہستہ آہستہ اس دوران میں سہیل ان سے دُور ہوتا گیا، اس نے اپنی سیاست بازی میں ان کو شریک کرنا چاہا مگر یہ لوگ دامن بچا گئے، اب وہ ان سے پہلو تہی کر رہا تھا، وہ غالباً کہیں ایسی جگہ کے متعلق سوچ رہا ہو گا جہاں اس کے

موجودہ حالات اور خیالات کے مطابق اس کی پوزیشن زندگی میں اونچی ہو سکے، جہاں اس کے تعلقات سوسائٹی میں، تجارت میں یا پھر سیاست میں اس کی مدد کر سکیں، اسی لیے وہ ان سے گھُورہتا گیا تھا اور نئے سیاسی اور تجارتی اور صنعتی دائروں میں رسوخ بڑھا رہا تھا ——— وہ خود اب کیسے اس سے بات کرے۔

گاڑی میں وہ یہی کچھ سوچتا جا رہا تھا وہ اپنے آپ میں مگن تھا اور گاڑی تیزی سے فاصلے کو نگل رہی تھی، آخر بریک لگنے کے ایک دھچکے نے اسے چونکا دیا، اس نے باہر نظر کی،

"اوہو، ہم تو آگے نکل آئے"

"کہاں گم تھے آپ؟"

"ایسے ہی کچھ سوچ رہا تھا ——"

رعنا نے گاڑی واپس کی اور اختر گھر کے قریب اُتر گیا،

"مجھے آپ کی نوازشات سے کچھ الجھن بھی ہو رہی ہے بہرحال آپ کا بہت بہت شکریہ کہ اتنی رات گئے آپ نے یہ تکلیف کی"

"یہ باتیں آپ اپنے دیجئے، تکلف کی ضرورت نہیں"

——— اختر کی الجھنوں میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا، اور وہ اضافہ تھا یہ لڑکی، اتنے بڑے کارخانے کے مالک کی بیٹی اور اس کے ذہن کا یہ انوکھا جھکاؤ اور نرالی دلچسپی جو پہلے اسے مل کے کمرے میں کھینچ لائی اور پھر اتنی بڑی دعوت میں اس سے واقفیت بناتی پھری اور پھر رات گئے اسے گھر چھوڑنے آئی اور اب مزدور بستیاں دیکھنے کو کہہ رہی تھی ——— وہ اس کا کیا کرے، پیشتر اس کے کہ اس کی دلچسپی کچھ اور رنگ اختیار کرے اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دینا ہوگا یا ابھی نہیں، ابھی اس سے شاید کام لیا جا سکتا ہو، ممکن ہے وہ مل کے متعلق ان کے کاموں میں ان کی مدد کر سکے۔ مثلاً مزدوروں کی بہتری کے متعلق باتیں یا مطالبات اس کے ذریعے مالک تک پہنچانے بہتر ہوں، ——— آخر اس نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں مسئلوں، عفت، کے متعلق اور رعنا کے متعلق نیاز چچا سے صلاح مشورہ کرے گا۔

○

"چاچا جی مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے۔" اختر نے ایک شام نیاز صاحب سے کہا، اس وقت چند اور لوگ بھی ان کے گھر پر تھے،

"کہو بیٹا، کیا بات ہے؟"

"یہاں نہیں چاچا جی، علیحدگی میں، فرصت سے کرنے کی بات ہے!"

"کیا ہوا خیر تو ہے!"

"ہاں بات تو خیر ہی کی ہے مگر ضروری۔"

"اچھا تو ان لوگوں کو مصروف رہنے دو، ہم دوسرے کمرے میں چلے چلتے ہیں!" اور معذرت کر کے ان لوگوں سے علیحدہ ہو گئے،

اور اختر نے نیاز صاحب سے کہا "چاچا جی میرے سامنے دو مسئلے ہیں اور دونوں علیحدہ علیحدہ ہونے کے باوجود اس قدر متعلق ہیں کہ ایک کا جزو ہی معلوم ہوتے ہیں بظاہر تو ان کا آپس میں دور کا بھی تعلق نہیں لگتا مگر دراصل وہ ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔"

- "پہیلیاں نہ بجھاؤ میاں، کھل کے بات کرو۔"

"سیٹھ صاحب کی لڑکی رعنا اور اپنی عفت!" کہکر اختر نیاز چچا کی طرف دیکھنے لگا ان کے چہرے پر عجیب حیرانی کا تاثر تھا جیسے کچھ بھی سمجھ نہ پائے ہوں اور باوجود کوشش کے ان کے پلے کچھ نہ پڑا ہو،

"کیوں چچا پر کھلا گئے!"

"بات ہی ایسی ہے، آخر ان دونوں کا آپس میں تعلق!"

"یہی تو بات میں کر رہا تھا، آپ کو شاید علم نہیں کہ پاکستان میں آنے سے پہلے جب

عفت کالج کی طالب علم تھی، ایک لڑکا سہیل اس میں دلچسپی لیتا تھا سہیل پڑھائی میں بھی اچھا تھا اور سپورٹس میں بھی بڑا نام تھا اس کا، عفت بھی کچھ اس کے خلاف نہیں تھی، اس نے ایک بار کسی کی معرفت ایک طرح سے پیغام بھی بھیجا تھا، لڑکی عفت کی ہم جماعت تھی جو پیغام لے کر آئی تھی مگر ہم نے بات ابا تک نہ جانے دی تھی اس خیال سے کہ اوّل تو حالات ہی ایسے تھے، ابا زمینوں کے قضیے میں معروف تھے، اماں ابا حضور کے مشورے کے بغیر کچھ کہہ نہ سکتی تھیں اور ویسے بھی وہ ابا سے بھی بڑھ کر نام، خاندان، ذات پات کی بہت قائل تھیں اور پھر سہیل کی زندگی نے بھی اس وقت تک کوئی قطعی شکل اختیار نہ کی تھی، ابھی تو وہ اپنے تعلیم کے چکر ہی سے نہ نکلا تھا، اس لیے ہم نے انھیں ٹال سا دیا تھا کہ ابھی نہیں، کچھ حالات بہتر ہوں گے تو بات کریں گے، اتنے میں دونوں کی تعلیم بھی پوری ہو جائے گی اور اگر سہیل نے زندگی میں کوئی مستحکم پوزیشن بنالی تو ہم عفت کی خاطر نام اور خاندان، وراثت اور امارت کے چکر میں بات کو ضائع نہ ہونے دیں گے اور اماں سے اپنی بات منوالیں گے۔

اس کے بعد جب ہم ادھر آئے ہیں تو سہیل مجھے خود ملا اور پہلے پہل اس کے رویے سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ ابھی تک اس کا ارادہ وہی تھا وہ اکثر ہمارے یہاں آتا رہا، ابا حضور کی خیر خیریت پوچھتا رہا، ڈاکٹروں کے چکر بھی کاٹتا رہا، آپ کے شہر میں ہونے کی خبر بھی اسی نے سنائی تھی!"

"مجھے معلوم ہے بیٹا، ان دنوں تک اس کا ارادہ ایسا ہی تھا، خود مجھے بھی کسی سے یہی کہلوایا گیا تھا کہ خان بہادر صاحب سے بات کروں، ان دنوں تک مجھے اتنا معلوم تھا کہ شہر میں ان کا کافی نام اور کام تھا، کپڑے کی دکان، دوائیوں کی دکان اور پھر اس پر سیاست میں دخل تھا، میں نے سوچا تھا زمانہ کے لحاظ سے کافی کامیاب آدمی تھے اور شریف بھی ——— اور میرا خیال بھی تھا کہ تمھارے ابا سے بات کروں مگر بھائی کی طبیعت ایسی ویسی دیکھ کر خاموش ہو رہا کہ نہ جانے کیا خیال کر بیٹھیں ——— اور بعد کو شہر کے حالات میں دلچسپی لی اور ان کا پانا قصہ معلوم ہوا، ان کے کاروبار

خواجہ حسن افغانؒ

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے مریدوں میں سے ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ وہ صاحب ولایت اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ ایک دفعہ کسی کوچے میں گزرتے ہوئے ایک مسجد میں پہنچے۔ مؤذن نے تکبیر کہی۔ امام آگے بڑھا اور لوگ جماعت میں شریک ہوگئے۔ خواجہ حسن نے بھی اقتدار کی، جب نماز تمام ہوئی اور لوگ چلے گئے تو یہ امام کے پاس گئے اور کہا اے خواجہ! تم نے نماز شروع کی اور میں تمہارے ساتھ شامل ہوگیا۔ تم یہاں سے دہلی پہنچے اور وہاں سے غلام خرید کر واپس آئے۔ پھر ان غلاموں کو خراسان لے گئے اور وہاں سے چل کر ملتان آئے۔ اور میں تمہارے پیچھے پیچھے سرگردان پھرتا رہا، آخر یہ کیا نماز ہے؟

شیخ تقی الدین محمدؒ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ ایک صاحب حال اور دائم الاستغراق بزرگ تھے۔ مراقبہ میں ان کو کسی چیز کی خبر نہ تھی اور یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ کونسا دن ہے اور کونسا مہینہ ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص ان کے پاس ایک کاغذ لایا اور کہا شیخ! اس پر اپنا نام لکھ دیں، انہوں نے قلم اٹھایا اور متحیر ہو کر رہ گئے۔ خادم نے سمجھا کہ شیخ اپنا نام بھول گئے ہیں۔ عرض کیا مخدوم کا نام محمد

ہے۔ تب شیخؒ نے اس پر اپنا نام لکھا۔ ایک روز وہ جامع مسجد تشریف لے گئے
مسجد کے دروازے پر پہنچے تو متحیر کھڑے ہو گئے۔ خادم سمجھ گیا کہ شیخ اپنا داہنا
پاؤں بھول گئے ہیں۔ خادم نے اپنا ہاتھ ان کے داہنے پاؤں پر رکھ کر کہا۔
"حضور کا دایاں پاؤں یہ ہے۔" پھر انہوں نے داہنا پاؤں مسجد میں رکھا۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ برہان الدین نسفیؒ

فوائد الفواد میں ہے کہ وہ ایک کامل حال دانش مند تھے، جب کوئی شاگرد
کچھ پڑھنے کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تو فرماتے کہ پہلے میرے ساتھ
تین شرطیں طے کرو، پھر تمہیں کچھ پڑھاؤں گا۔ ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ
کھانا ایک وقت کھانا تاکہ علم کے لیے ظرف خالی رہے، دوسری شرط یہ ہے
ناغہ نہ کرنا۔ اگر ایک دن ناغہ کرو گے تو دوسرے دن تمہیں سبق نہ پڑھاؤں گا۔
تیسری شرط یہ ہے کہ جب کبھی مجھ سے راستے میں ملنے کا اتفاق ہو تو فوراً سلام
کر کے گزر جانا۔ راستے میں ہاتھ پاؤں پکڑ کر زیادہ تعظیم کا اظہار نہ کرنا۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولٰینا علاؤالدین اصولی بدائونی رح

ایت کامل بزرگ تھے اور شیخ نظام الدین اولیاؒ کے استادوں میں سے
برالمجالس میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین رح نے قدوری کا درس مولانا
ین سے ختم کیا۔ مولانا نے فرمایا شیخ نظام الدینؒ اب دستار باندھ لو۔
، چار گز کی دستار باندھتے تھے اور بڑی دستار میسر نہ تھی۔ یہ تمام قصہ
لی کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

ائد الفواد میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ لڑکپن میں مولانا علاؤالدین بدایون
ے کوچے سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ
ن پر پڑی۔ انھوں نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اپنا لباس اتار کر پہنا دیا
لاؤالدین کے تمام اوصاف و اخلاق اسی لباس کی برکت سے تھے۔
کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک نو خرید لونڈی تھی مگر وہ روتی رہتی تھی۔ مولانا
نے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میرا ایک لڑکا تھا میں اس سے جدا
دں۔ مولانا، لونڈی کو گھر سے باہر لے گئے اور اس کو موضع مراثی (بدایوں)
ستہ پر کر جو اس کا وطن تھا، چھوڑ دیا۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ خواجہ
ین اولیارؒ جب اس حرف پر پہنچے تو اُن کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں اور
علمائے ظاہر اس معنی کے منکر ہیں لیکن جاننا چاہیئے کہ انھوں نے کیا کیا۔

مزار بدایون میں ہے۔ یہ زیارت گاہ متبرک ہے۔

خیرالمجالس میں شیخ نصیرالدین محمودؒ کی زبانی لکھا ہے کہ علاؤالدین اصولی کبھی

کسی شخص سے کوئی چیز قبول نہ فرماتے تھے مگر جب ضرورت کے وقت کوئی شخص
ان کے پاس کچھ لے آتا تو اس میں سے بقدرِ حاجت لے لیتے۔ ایک دفعہ مولانا
فاقے سے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے کھل کھا رہے تھے۔ اس اثنا میں حجام آنکلا
ان کو یہ ناگوار گزرا کہ حجام پر ان کے فقر کا حال کھلے، چنانچہ انہوں نے کھل اپنی دستار
میں چھپا لی۔ حجام نے ڈاڑھی کے بال درست کیئے، پھر مولانا نے سر منڈانے
کے لیے پگڑی اتاری، کھل زمین پر گر پڑی۔ ایک روز حجام نے یہ قصہ کسی بڑے آدمی
کے روبرو بیان کیا۔ اس نے چند سیر طعام، چند گھی کے کپّے اور ایک ہزار جیتل مولانا
کی خدمت میں بھیج دیئے۔ مولانا نے ان چیزوں کو قبول نہ کیا اور واپس کر دیں بعد ازاں
اس حجام کو بلا کر ملامت کی اور کہا پھر کبھی میرے پاس نہ آنا۔ حجام نے اس بارے میں
لوگوں سے سفارش کرائی اور عہد کیا کہ اس کے بعد درویشوں کا راز فاش نہیں کرونگا
تب آپ نے اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

شمس الملک رحمۃ اللہ علیہ

صدر افاضل روزگار میں سے تھے اور اپنے زمانے میں فضل و علم میں ممتاز تھے۔ شیخ نظام الدین رح
نے اپنے زمانۂ تعلیم میں آپ سے تلمذ کیا اور مقاماتِ حریری پڑھی تھی۔ شہر کے اکثر علما آپ کے شاگرد تھے
شیخ نظام الدین رح فرماتے ہیں کہ جب میرے سبق کا ناغہ ہو جاتا اور دوسرے دن اُن کی خدمت میں
حاضر ہوتا تو فرماتے ؂ آخر کم از آنکہ گاہ گاہے ٭ آئی و بما کنی نگاہے
تاج زمرو نے جو اُس زمانے کے شعرا میں سے تھا آپ کی شان میں کہا ہے ؂
صدرا کنوں بکامِ دلِ دوستاں شدی ٭ مستوفیِ ممالکِ ہندوستاں شدی

قاضی جمال بدایونی ملتانی رح

ایک بزرگ تھے، شیخ نظام الدین اولیاء رح فرماتے تھے کہ ایک بار اس بزرگ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نواح بدایون میں ایک جگہ جلوہ افروز ہیں اور وضو فرما رہے ہیں، جب یہ بیدار ہوئے تو فی الفور اُس جگہ پہنچے، دیکھا کہ زمین تر تھی۔ فرمایا کہ میری قبر یہیں بنائی جائے۔ چنانچہ وفات کے بعد وہیں دفن کیے گئے۔ رحمت اللہ علیہ

شیخ صوفی بدھنی رح

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رح فرماتے ہیں کیتھل میں ایک بزرگ تھے ان کو شیخ صوفی بدھنی کہتے تھے، بہت بڑے تارک تھے یہاں تک کہ ستر عورت بھی نہ کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص کھانا پینا کہ جس سے بدن کا قوام ہوتا ہے اور کپڑا لتا جس سے ستر عورت کرتے ہیں ترک کر دے اس کو عذاب ہوگا، اور وہ ایسے تھے کہ ان باتوں سے بھی دور تھے۔ فوائد الفواد میں ایسے ہی لکھا ہے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود رح سے منقول ہے کہ صوفی بدھنی کو ذوقِ طاعت بہت تھا، مسجد میں محراب کے سامنے پڑے رہتے تھے اور شب و روز وہیں نماز پڑھتے، اس کے سوا کوئی کام نہ کرتے۔ ان کے پاس بہت سے لوگ آتے جاتے۔ ایک دن چند علماء آتے ہوتے تھے، شیخ رح نے اُن سے پوچھا کہ بہشت میں نماز ہوگی؟ انہوں نے کہا کہ وہ دارِ جزا ہے۔ وہاں کھانے پینے اور عیش کرنے کے سوا کچھ نہ

ہو گا۔ ہر عبادت دُنیا ہی میں ہے، صوفی بدہنی نے جب سنا کہ بہشت میں نماز نہ ہوگی تو فرمایا کہ مجھے اس بہشت سے کیا سروکار جس میں نماز نہ ہوگی، اور انہوں نے ایک لفظ ہندی کا ایسا سخت کہا جو بیان میں نہیں آ سکتا۔

بعدہٗ آپ کے مناقب میں چند باتیں بیان فرمائیں کہ ایک شخص صوفی بدہنی کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک روز صوفی بدہنی کسی بلند مقام پر جا رہے تھے، وہاں ایک مردِ غیب سے ملاقات کی۔ اس سے پوچھا کہ صوفی بدہنی کیسا شخص ہے۔ مردِ غیب نے کہا کہ وہ مرد بزرگ ہے مگر افسوس اتنا ہی کہہ کر اسی وقت استغفار کی، اور کہا استغفر اللہ۔ اُس شخص نے صوفی بدہنی کے پاس آ کر کہنا شروع کیا اُس روز کہ اُس مردِ غیب نے کہا تھا لیکن افسوس کس بات کا تھا فرمایا اگر اسی وقت استغفار نہ کرتا تو اس کو بلندی پر سے ایسا پھینکتا کہ اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔

ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ جب وہ یادِ حق میں مشغول ہوتے تو ایسی حالت پیدا ہوتی کہ اُن کا سر ہاتھ اور پیر جدا جدا ہو جاتے تھے، کسی نے عرض کیا کہ صوفی بدہنی کس زمانے میں تھے فرمایا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہٗ کے عہدِ دولت میں، کہتے ہیں کہ کبھی کسی نے آپ کے گنبد پر کسی کوّے کو بیٹھے ہوئے یا اس پر سے گزرتے نہیں دیکھا ہے، واللہ اعلم۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین اور شیخ صوفی بدہنی چنگیز خانی مغلوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ایک روز تمام بھوکے اور پیاسے رہے۔ خرقِ عادت کے طور پر خواجہؒ اپنی بغل میں سے کاک (روٹی) اور شیخ صوفی پانی کا کوزہ نکالتے اور تمام قیدیوں کو دیتے تھے، اس دن کے بعد خواجہ کا لقب کاکی پڑ گیا اور شیخ

صوفی کو بدسنی کہنے لگے کہ ہندی زبان میں کوزے کو کہتے ہیں ، اور خواجہ قطب الدین
کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے کہ ان کو کاک سے کیوں نسبت دیتے ہیں۔

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم

شیخ شہاب الدینؒ

خطیب ہانسوی، شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ وہ بڑے بزرگ تھے
ہر شب سورۂ بقر پڑھ کر سویا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ ایک رات جب میں اس سورت
کی تلاوت کر رہا تھا تو مکان کے ایک گوشے سے آواز آئی۔ بیت

داری سرِ ما وگرنہ دُور از برِ ما ما دوست کشیم و تو نداری سرِ ما

اس وقت سب اہلِ خانہ سوئے ہوئے تھے، یہ حیران رہ گئے کہ یہ کون
کہہ رہا ہے، گھر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس قسم کی بات کہہ سکے پھر دوبارہ
یہی آواز سنائی دی۔

نیز فرمایا کہ وہ مناجات کیا کرتے تھے کہ خداوندا! میں نے تیرے بہت عہد
پورے کیے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ تو بھی میرے عہد کو پورا کرے گا یعنی میرے
انتقال کے وقت میرے پاس کوئی نہ ہو۔ نہ ملک الموت ہو اور نہ کوئی فرشتہ بس میرے
اور تیرے سوا کوئی نہ ہو۔ آخر کار وہ اسی طرح رخصت ہوئے جیسے کہ اُن کی آرزو
تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ احمد بدایونیؒ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے دوستوں میں سے تھے۔ بڑے صالح بزرگ، درویشوں کے معتقد اور ابدال صفت انسان تھے، اگرچہ اَن پڑھ تھے لیکن تمام دن شرعی مسائل کی تحقیق میں لگے رہتے، جب انہوں نے دُنیا سے رحلت فرمائی تو ان کی وفات کے بعد ایک رات میں نے اُن کو خواب میں دیکھا کہ اسی طرح معمول کے مطابق مجھ سے مسائل و احکام فقہ دریافت فرما رہے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا یہ جو کچھ تم پوچھ رہے ہو زندگی میں کام آتا ہے کیا تم مُردہ نہیں ہو؟ میں نے جو یہ بات کہی تو کہنے لگے کہ تم اولیاء اللہ کو مُردہ کہتے ہو؟ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ قاضی منہاج جرجانیؒ

صاحب طبقاتِ ناصری، بزرگ تھے اور فاضل روزگار میں سے تھے۔ اہلِ وجد و سماع سے تھے۔ جب قاضی ہو گئے تو اس کام کو استقامت ہوئی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ میں ہر دوشنبہ کو اُن کے وعظ میں جایا کرتا تھا۔ ایک روز اُن کے وعظ میں تھا تو انہوں نے یہ رباعی پڑھی۔ رُباعی

لب برلبِ لعلِ دلبران خوش کردن　　　　وآہنگِ سرِ زلف مشوش کردن

ہ ز خوش ست یک فردا غوش نیست   خود را چو شمع طعمۂ آتش کردن !

جب میں نے یہ اشعار سنے تو مجھ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی، پھر
کے بعد ہوش میں آیا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ

مولانا احمد حافظ رح

یک دانش مند اور مرد خدا تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے
یک مرتبہ میں نے شیخ فرید الحق والدین قدس سرہٗ کی زیارت کا عزم
رتی کے راستے میں میری ملاقات ان سے ہو گئی۔ مجھ سے فرمایا کہ جب
کے روضۂ مبارک پر جاؤ تو میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں دُنیا نہیں طلب
اس کے طالب تو بہت ہیں۔ اور عقبیٰ بھی ایسے ہی ہے۔ میں صرف یہ
ہوں تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

ترجمہ: مجھے دُنیا سے بحیثیت مسلمان اٹھا اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔

رحمۃ اللہ علیہ

طبقۂ سوم

(حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ اور ان کے معاصرین کے زمانے سے ہمارے زمانے تک کے بزرگوں کے ذکر میں، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ

شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے بہت مشہور اور اعظم خلیفہ ہیں۔ ان کے صاحب سر اور وارثِ احوال ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی رحلت کے بعد ولایتِ دہلی آپ کی طرف منتقل ہوئی۔ آپ کو شیخؒ سے کمال اتباع تھا اور طریقہ آپ کا فقر وصبر و رضا و تسلیم تھا۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ نے امیر خسروؒ سے جو حضرت شیخ نظام الدین اولیائ قدس سرہٗ کی خلوتِ خاص کے محرم تھے التماس کی کہ میری جانب سے شیخؒ کی خدمت میں عرض کریں کہ بندہ اودھ میں مقیم ہے اور لوگوں کی آمدورفت سے جو مزاحمت پیدا ہوتی ہے اس کے سبب مشغول بحق نہیں ہو سکتا، اگر حکم ہو تو کسی جنگل میں جا کر فراغ دلی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں۔ امیر خسرو کا معمول تھا کہ عشا کی نماز کے بعد شیخؒ کی خدمت میں تشریف لے جاتے اور گزشتہ حالات بیان کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شیخؒ کے حضور میں حضرت نصیر الدین محمودؒ کی عرضداشت پیش کی، حضرت شیخؒ نے ارشاد فرمایا: اس سے کہو کہ تمہیں

خلق اللہ ہی کے درمیان رہنا چاہیئے اور لوگوں کی جفا و جفا کو برداشت کرنا چاہیئے
اور اس کا بدلہ بخشش و عطا سے دینا چاہیئے۔"

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخؒ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر پوچھا
کہ تمہارے دل میں کیا ہے اور اس کام سے تمہارا کیا مقصود ہے اور تمہارے والد
کیا کام کرتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ میرا مقصود حضرت خواجہ کے بیلیے دعا
کی دعا مانگنا اور درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنا ہے اور میرے والد نے غلام
رکھے ہوئے تھے جو کپاس کا بیوپار کرتے تھے۔ اس کے بعد شیخؒ نے فرمایا۔
سنو۔ جب مجھے اپنے مخدوم شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کا شرفِ ملازمت حاصل ہوا۔
تو ایک روز اجودھن میں ایک عالم جو میرا دوست اور ہم مکتب بھی تھا میرے پاس
آیا اور میرے بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر کہنے لگا۔ نظام الدین تجھے
کیا ہوا کہ اس حال تک نوبت پہنچ گئی، اگر اس شہر میں تعلیم کا سلسلہ کرتے تو اسباب
معیشت فراغت سے میسر آتے۔ میں نے اس دوست کی یہ گفتگو سن کر کچھ جواب
نہ دیا۔ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ نظام الدین! اگر
اگر تیرا دوست تجھ سے یہ کہے کہ تو نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے اور تو نے تعلیم کو
کیوں ترک کر دیا ہے جس سے فراغت و آسائش حاصل ہو سکتی تھی، تو تم کیا جواب
دو گے؟ میں نے عرض کیا جو حکم عالی ہو وہی کہوں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا یہ کہہ دینا

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو   ترا سعادت باد امرا نگونساری

اس کے بعد انہوں نے کھانے کا ایک خوان طلب کیا اور مجھ سے کہا۔ نظام الدین!
اس خوان کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ٹھہرا ہے وہاں لے جاؤ۔ میں نے ایسا

ہی گیا۔ اب کے اس دوست نے میرے ساتھ انصاف کیا اور کہا تجھے یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخؒ نے مجھے ایسی ایسی تلقین کی۔ اس کے بعد ریاضت و مجاہدہ کا حکم دیا، کبھی کبھی دس دن کا عرصہ گزر جاتا اور میں خالی پیٹ رہتا اور اکثر اوقات جب شہوت بہت مزاحمت کرتی تو کچھ ترشی کھا لیتا تھا۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق، شیخ نصیر الدین محمودؒ کو باوجود آپکے عالی رتبہ کے بہت ایذائیں دیتا تھا اور آپ کو سفروں میں اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے آپ کو اپنا جامہ دار مقرر کیا۔ آپ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے بموجب برداشت کرتے اور دم نہ مارتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۸۔ ماہ رمضان ۷۵۷ھ میں ہوئی۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کے لیے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا۔ اس کا مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا کہ اگر آپ کھانا کھانے سے انکار کر دیں گے تو اسی بات کو ایذا رسانی کی وجہ بنا لیا جائے گا اور اگر کھا لیا تو پوچھا جائے گا کہ آپ نے سونے چاندی کے ظروف میں کھا کر خلافِ شرع حرکت کیوں کی؟ جب کھانا شیخؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، آپ نے سونے کے پیالے سے تھوڑی سی یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی اور پھر اس کو چکھا۔ اس طرح بد اندیش، خائب و خاسر ہو کر رہ گئے

خیر المجالس میں لکھا ہے ایک بار کسی دوست نے آپ سے عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص دو مادہ گائے

ذبح کرے اُس کی گردن پر ایک خون ہوگا اور جو شخص چار مادہ گاؤ ذبح کرے اس کی گردن پر دو خون ہوں گے اور جو شخص دس بھیڑیں ذبح کرے اُس کی گردن پر ایک خون ہوگا۔ اس پر حضرت مخدوم نے پہلے تو فرمایا کہ وہ ہارونی نہیں ہروی ہیں۔ ہرون ایک گاؤں کا نام ہے۔ خواجہ وہیں رہتے تھے۔ پھر فرمایا کہ یہ ملفوظ ان کا نہیں ہے۔ یہ نسخہ میرے پاس بھی آیا ہے، اس میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اُن کے اقوال سے مناسبت نہیں رکھتے۔ بعدازاں ارشاد کیا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا: میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی کیونکہ شیخ الاسلام فرید الدین اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگان چشت میں سے کسی شخص نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

نقل ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے بعض مریدوں نے مجلس کی اور اس میں دف کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود مجلس میں موجود تھے، آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جانے لگے، احباب نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلافِ سنت ہے، انہوں نے کہا: آپ سماع کے منکر ہو گئے ہیں اور اپنے پیر کے مشرب سے پھر گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ حجت نہیں ہے، دلیل کتاب و حدیث سے ہونی چاہیئے۔ بعض غرض پرستوں نے یہ ماجرا حضرت شیخ سے فرمایا کہ شیخ محمود ایسا کہتے ہیں، حضرت کو آپ کے صدقِ معاملہ کی خبر تھی۔ انہوں نے فرمایا "وہ سچ کہتے ہیں اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔"

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین کی مجلس میں مزامیر نہ ہوتے تھے

اور تالی بجاتے تھے۔ اور اگر یاروں میں سے کوئی خبر کرتا کہ فلاں مزامیر سنتا ہے
تو منع کرتے اور فرماتے تھے کہ اچھا نہیں کرتا۔

خیر المجالس میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی عزیز نے شیخ نصیر الدین محمودؒ کی
خدمت میں عرض کیا کہ مجلس میں مزامیر اور دف، نے اور رباب کے ساتھ صوفیوں کا
رقص کرنا کس طرح روا ہے۔ شیخؒ نے فرمایا، مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں اگر
کوئی طریقت سے گرے تو شریعت میں رہے اور اگر شریعت سے بھی گر جائے
تو پھر کہاں کا رہے گا۔ اول تو سماع ہی میں اختلاف ہے، علماء کے نزدیک اہل سماع
کو بہت سی شرطوں کے ساتھ مباح ہے۔ لیکن مزامیر تو بالاجماع حرام ہیں۔

جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ میں حضرت شیخ نصیر الدین
محمودؒ کو اس بیت پر کمال ذوق ہوا۔ **بیت**

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی   قلم بر بیدلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ لکھا
کہ یہ بیت حقیقت پر مبنی نہیں، اگر موردِ جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے
تو اس سے کفر لازم آتا ہے اور اسی قسم کے بہت کلمے لکھے تھے۔ مولانا مغیث
نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا۔ انہوں نے شیخؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔
حضرت نے اس کو پڑھا۔ اور مولانا معین الدین کو اپنے پاس بلا کر رسالہ واپس کر دیا مگر
کچھ ارشاد نہ فرمایا اور دستار و پیراہن پہنا کر رخصت کیا۔ دوسرے روز ایک مجلس سماع
میں حضرت شیخؒ نے اس بیت پر بہت رقص فرمایا اور اضطراب کا اظہار کیا۔ **رباعی**

ما جبل مغانہ دوش بیباک زدیم   حالی علمش بر سر افلاک زدیم

از بہر یکے منجیرے خوارہ   صدبار کلاہ تو بر خاک زدیم

ت بے قراری کے ساتھ آپ چھت پر تشریف لے جاکر بیٹھ گئے اور مولانا
، کو بلا بھیجا۔ مولانا گھبرائے ہوئے آئے اور جب ان کو آپ کے سامنے کھڑا
نو فرمایا "مولانا اب کہیئے کہ اس میں کیا جہل ہے" یہ کہہ کر مولانا کو رخصت کر دیا۔
قعہ کے بعد مولانا مغیث کبھی خانقاہ میں نہ آتے اور جلد وفات پا گئے۔

خیر المجالس میں مذکور ہے کہ ایک عزیز نے درویشوں کے حال کی ماہیت و کیفیت
ت کی تو فرمایا۔ حال نتیجہ ہے صحتِ اعمال کا۔ اور عمل دو قسم کا ہوتا ہے عملِ اعضا
سب کو معلوم ہے اور عملِ قلب، اس عمل کو مراقبہ کہتے ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ تو
ل کو اس بات کا علم لازم کرے کہ اللہ تیری طرف دیکھتا ہے، پھر فرمایا پہلے
لوی سے انوار کا نزول روح پر ہوتا ہے۔ پھر اس کا اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے
منا پہلے اعضا دل کے تابع ہیں، جب دل متحرک ہوتا ہے تو اعضا بھی حرکت
تے ہیں۔

اس کے بعد اس عزیز نے یہ سوال کیا کہ عوارف المعارف میں صاحب حال
نظ کہا گیا ہے اور اس ضمن میں عوارف کی یہ روایت نقل کی کہ "المبتدی صاحب
والمتوسط صاحب حال والمنتہی صاحب انفاس" دیگر عزیزوں کی سمجھ میں
، نہ آئی تو انہوں نے حضرت خواجہؒ سے استفسار کیا۔ پہلے آپ نے سائل سے
کہ تم نے اس بارے میں کیا سنا ہے کیا تم نے عوارف کا مطالعہ کیا ہے؟ اس
ئی جواب نہ دیا تو حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا۔ المبتدی صاحب وقت صاحب
کرن ہے یعنی وہ صوفی جو اپنے وقت کو غنیمت سمجھتا ہے کہ شاید یہ وقت پھر

ہاتھ آسکے یا نہ آسکے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ اس کے پاس یہی وقت ہے تو وہ اپنے وقت کو تلاوت کلام، صلوٰۃ نوکر یا فکر میں صرف کرتا ہے۔ جب سالک حفظِ اوقات پر قائم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اوقات کو عبادات سے معمور کرنے میں استقامت پیدا کر لیتا ہے تو امید ہوتی ہے کہ وہ صاحب حال ہو جائے گا۔ اور عطیاتِ الٰہی کسب و ریاضت کا نتیجہ ہیں۔ حال ان انوار کا اثر ہے جو عالم علوی سے روح پر نازل ہوتے ہیں۔ پھر اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے اور اعضاء میں سرایت کرتا ہے اور حال ہمیشہ نہیں رہتا۔ اگر حال کو دوام ہو تو یہ خود مقام ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا منتہی صاحب انفاس ہے۔ ارباب طریقت نے اس کے دوسرے معنی بیان کیے ہیں۔ یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے اور جو کچھ اس کے سانس پر رواں ہے حق تعالیٰ اسی طرح کر دیتا ہے، پھر فرمایا، اس کا تعلق اصطلاح سے ہے۔ مشائخ کی اصطلاح میں صاحبِ وقت اس کو کہتے ہیں کہ اس کے اوقات میں سے کسی وقت اس میں حال پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اس لیے المبتدی صاحب وقت ہوتا ہے المتوسط صاحب حال، کیونکہ صاحب حال اسے کہتے ہیں جس پر حال غالب ہو یعنی وہ اکثر اوقات حال میں ہو۔ المنتہی صاحب انفاس، صاحب انفاس اس شخص کو کہتے ہیں جس کا حال انفاس کے قریب ہو، جب اس کے ہر سانس میں حال اس کے قریب ہوتا ہے تو اس کے حال کو مقام حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا۔ درویش جو آستین کو چھوٹا کرتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ صوفی جب سلوک میں آیا تو اس بات کا تقاضا کیا کہ اپنے ہاتھ کو کاٹ ڈالے تاکہ کسی مخلوق کے سامنے نہ پھیلائے۔ اور جو شے کہ لینے کے قابل نہیں ہے اس کو

نہ لے اگر جیب ہاتھ قلم کرے گا تو کتنی عبادتوں سے محروم ہو جائے گا۔ جیسے وضو اور غسل اور مسلمان بھائیوں سے مصافحہ، پھر کہا کہ آستین کو جو ہاتھ کے نزدیک ہے چھوٹا کر دے تا کہ وہ لسے ہاتھ کاٹنے کی یاد دلا دے۔ اسی طرح کپڑے کا دامن چھوٹا کرنے اور سر کے بال ترشنے سے یہ مراد ہے کہ جب طریقت میں آیا تو لازم ہے کہ اپنے سر کو قلم کرے کیونکہ اس راہ میں پہلا قدم سر بازی ہے مگر جب سر کو قلم کر دے گا تو سب چیزوں سے رہ جائے گا۔ پھر کہا کہ یہ سر کے بال کتروانے جس نے سر کے بال کٹوا دیے گویا اس نے اپنے سر کو کاٹ ڈالا، جس طرح سر بریدہ سے کوئی کام نہیں ہو سکتا اسی طرح مناسب ہے کہ سر تراشیدہ سے بھی کوئی نامشروع کام وجود میں نہ آئے۔

فرمایا اعمال کی قبولیت جذبہ پر موقوف ہے یعنی جو عمل کیا جائے جب تک کہ اس میں جذبہ نہ ہو قبول نہ ہو گا، جب جذبہ اس کے شامل حال ہو گا تو جو عمل کرے گا قبول ہو گا۔ اور جذبہ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ بچپن میں ہو یا جوانی میں یا بڑھاپے میں، لیکن جذبہ کے کئی مراتب ہیں، عوام کا جذبہ عمل میں توفیق پانا ہے، خواص کے اعمال و جذبہ میں حق تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ ہے اس کے غیر سے منقطع کر کے۔

منجملہ ان فضلائے عصر کے جو شیخ نصیر الدین محمود کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ مولانا مظہر کرہ ہیں۔ فضیلت و بلاغت و فصاحت میں یکتائے روزگار تھے اور حضرت شیخ کی ان پر بہت مرحمت و شفقت تھی۔ انہوں نے حضرت شیخ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں:۔

دوش آں زماں کہ از افق مغرب شنا خورشید خواند سورۂ والنجم اذا ھوی

شمع فلک زبانہ فرو برد تا بہ آب
دود زمین نشانہ برآورد بر سما

گفتی مگر کہ یوسف خورشید شد بچاہ
کز تیرگی چو دیدۂ یعقوب شد ہوا

بادی برآمد از لب دریا کرد منقش
گرد سیاہ سر بہ ہمی ریخت بر فضا

چون ساعتی دو از شب دیجور برگذشت
بشکست باد و ابر در آمد بانجلا

یک یک ستارہ بر سر گردون فروغ داد
چون در بہشت طلعت تابان اتقیا

زان پس صنع از ید قدرت برآورد
قندیلہای نور برین نیلگون قبا

گفتی مگر نسیم دم از کنار باغ
گویی پیام دوست ہمی داد در خفا

گر کیمیاے دولت جاوید بایدت
با گلشن بہشت ازین شاخ بی نما

جز صحبت خسی مکن نفسی خواجہ نو بہار
بانگ نفس شمر نظر شیخ کیمیا

بر دست او اگر نتوانی نہاد دست
باری بدار این سر خاکی بزیر پا

والا نصیر ملت و دین و دول گزشت
نعم النصیر از پس یزدان بود مرا

اور شیخ نصیرالدین محمود کے مرثیہ میں یہ اشعار لکھے ہیں:

زدود محنت این نہ سپہر زنگاری
کدام دل کہ نہ خون گشت از جگرخواری

کجا بجام طرب مجلسی بنا کردند
کہ از سپہر نبارید سنگ قہاری

دفاز عالم فانی مجو کہ مشہور اند
فلک بحیرہ کشی اختران بغداری

خزینہ ایست سپہر از نفوس انسانی
دفینہ ایست زمین از بتان فرخاری

تو اے عزیز کہ در ملک و مال مغروری
مباش ایمن اگر عاقلی و ہشیاری

چہ دانی آنکہ در اوراق کارخانۂ غیب
قضا چہ نقش برآورد کلک جباری

زمانہ صلح کند با دل تو یا خصمی
فلک بدشمنی آید بہ پیش یا یاری

وقت آں بر سد ہیچ کس نگیرد دست — نہ ملک بے ملکی نے سپاہ و سالاری
ا بقائی خدالیست ملک ملک خدای — کہ نیست قائم و دائم کسی بجز باری
دستِ چرخ ندانم کجا کنم فریاد — کہ برگذشت بما جور او ز بسیاری
ای بماتمِ خواجہ نصیر دین محمود — ہزار گونہ فغان کرد نوحہ و زاری
نیۂ سلف و یادگارِ اہلِ کرم — کہ کرد ختم خلافت بملک دینداری
ینما ملکا منعما خداوندا — بحقِ نعمتِ قرآن و دولتِ قاری
رحمتِ تو کہ عام ست در جہاں بانی — بعزتِ تو کہ خاص است در جہانداری
روحِ اعظم آں شیخ پیشوائے کرم — کہ مقتدائے جہاں بودہ است زاخیاری
ریم قربتِ خود کن غریقِ رحمتِ خویش — مجاور رسل و انبیاء ز مختاری
ساطِ صحن وہ از حلہائے فردوسی — غلافِ قبر کن از پردہائے غفاری

کتاب خیر المجالس کے جامع حمید شاعر قلندر بھی آپ کے خدمت گاروں اور
رینِ مجلس سے ہیں، دراصل یہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔
بھی اپنے والد بزرگوار کی معیت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ
ں شریف میں باریاب ہوتے تھے۔ انہوں نے شیخ رحؒ کے بعض خلفاء سے
اہلیت و استعداد کے مطابق استفادہ کیا۔ اگرچہ اُن کے اشعار اس قبیل کے
ر ان کو شاعر کے نام سے یاد کیا جائے مگر وہ اس نام سے مشہور ہو گئے اور زیادہ
ت ان کی حمید قلندر کے نام سے ہے، پہلے مولانا برہان الدین غریب کی
ت میں تھے اور اُن کے تمام ملفوظات انہوں نے جمع کیے۔ پھر شیخ نصیر الدین
کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور آپ کے ملفوظات بھی جمع کر کے خیر المجالس

نام رکھا۔ تالیف کی ابتدا ۷۵۵ھ میں اور اتمام ۷۵۶ھ میں ہوا۔ اس کتاب میں انہوں نے احوال و حکایات کو سادہ پیرائے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سراج الدین عثمانؒ

اخی سراج کے نام سے مشہور ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مشہور خلفا میں سے ہیں۔ اس ملک میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدان باصفا کے جو سلسلے قائم ہیں ان میں آپ کا اور شیخ نصیر الدین محمودؒ کا سلسلہ مشہور ہے۔ عنفوان شباب ہی میں جب کہ آپ کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں، شیخؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کے خدمت گاروں میں پرورش پائی۔ چند سال کے بعد اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے کے لیے لکھنوتی کے مقام میں کہ اب وہ گوڑ کے نام سے مشہور ہے جایا کرتے اور پھر شیخؒ کی خدمت میں واپس آ جاتے۔ خلافت عطا کرتے وقت حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اس کام میں پہلا درجہ علم کا ہے اور وہ علم سے اتنا بہرہ ور نہیں ہے۔ مولانا فخر الدین زرادیؒ نے عرض کیا کہ میں اس کو چھ ماہ میں عالم بنا دوں گا۔ پھر آپ نے مولانا فخر الدین زرادی کی خدمت میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا نے آپ کی خاطر علم صرف میں ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام عثمانی رکھا۔ اس کے بعد آپ نے مولانا رکن الدین سے کافیہ، مفصل، قدوری اور مجمع البحرین کی تحقیق کی۔ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد آپ تین سال اور پڑھتے رہے اور شیخؒ کے کتب خانے کی کچھ کتابیں جو وقف تھیں اور ان کے علاوہ کپڑے اور خلافت نامہ جو آپ نے شیخؒ

اصل کیا تھا اپنے ہمراہ لے گئے اور اُس علاقے کو اپنے جمال ولایت سے آراستہ
پ کے باب میں حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ہندوستان کا آئینہ ہے۔
نقل ہے کہ آپ نے بعض کپڑوں کو جو آپ کو اپنے پیر سے ملے ہوئے تھے
یں دفن کر دیا اور اس پر قبر بنوا دی، اور رحلت کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے کپڑوں
کے پائین دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد ایسا ہی کیا گیا آپ
فارگور میں مشہور ہیں اور اب تک موجود ہیں، آپ کا مزار پرانوار اسی جگہ ہے۔

ت اللہ علیہ سلم

ملفوظات شیخ حسام الدین مانکپوری میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سہروردی
س، شیخ سراج الدین اودھی کے یہاں مہمان ہوا، جب رات ہوئی تو عشاء کی
کے بعد شیخ سراج الدین کپڑے اتار کر بستر پر لیٹ گئے۔ وہ درویش رات بھر
ت میں مشغول رہا۔ صبح کو جب شیخ سراج الدین بیدار ہوئے اور رات کے وضو
نماز پڑھی تو درویش نے کہا عجیب بات ہے کہ تم ساری رات سوتے رہے
ح کئے وضو نماز پڑھی۔ شیخ نے اس کی بہت تواضع کی، اور فرمایا کہ آپ بزرگ
ور تمام رات کام میں مصروف رہے، لیکن ہمارے پاس جو مال ومتاع ہے
س کی گھات میں ہے، اس لیے ہم اس کی نگہبانی کرتے رہے۔ ؎

اگر عاشق بمسجد درنیامد   دل عاشق ہمیشہ در نماز ست

شیخ قطب الدین منورؒ

شیخ برہان الدین بن شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے فرزند رشید ہیں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفائے کبار سے ہیں، جامع کمالات اور مظہر کرامات تھے تکلف سے بالکل بیگانہ تھے اور خلقت کے غوغا کا خیال نہ رکھتے تھے تمام عمر کبھی اپنے اختیار سے حجرے سے باہر قدم نہ رکھا اور امراء کے دروازے پر نہ گئے۔ زندگی بھر توکل و قناعت میں بسر کی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق نے قاضی کمال الدین صدر جہاں کو آپ کے پاس روانہ کیا اور اس کے ہاتھ چند مواضع کا فرمان بھی لکھ بھیجا تا کہ آپ کو دنیا کے فریب میں مبتلا کر کے ایذا رسانی کا سلسلہ شروع کرے جیسا کہ وہ درویشوں کے ساتھ اکثر کیا کرتا تھا۔ جب صدر جہاں آپ کی خدمت میں آیا تو اس نے بادشاہ کا پیغام دیا اور فرمان مواضع آپ کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ قطب الدین منورؒ نے فرمایا۔ جس وقت سلطان نصیر الدین بن شمس الدین، اُچہ و ملتان کی جانب جا رہا تھا اس نے غیاث الدین کو جو اس زمانے میں سلطان نصیر الدین کا ملک الامراء تھا حضرت شیخ فرید الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا اور اس نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں گاؤں کا پروانہ پیش کیا۔ انھوں نے فرمایا "ہمارے پیران چیزوں کو قبول نہ کرتے تھے، اس کام کے طالب بہت ہیں، ان کو دے دیا جائے" اب ہم اُن کے مرید ہیں، ہم کو بھی وہی کرنا چاہیئے جو انہوں نے کیا۔

بعدازاں اُس نے فیروز اور ضیا برنی کو جو اس وقت سلطان محمد کی ملازمت میں تھے آپ کے پاس بھیجا اور ایک لاکھ ٹنکے نذر پیش کیے، شیخ قطب الدینؒ نے فرمایا۔ نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ ٹنکہ قبول کرے، انہوں نے جا کر بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ قبول نہیں فرماتے۔ حکم ہوا کہ پچاس ہزار ٹنکے دے دیے جائیں آپ نے یہ رقم بھی قبول نہ کی۔ آخر دو ہزار تک نوبت پہنچی۔ اس کو بھی قبول نہ کرتے تھے اور فرمایا سبحان اللہ درویش کو دو سیر کھچڑی اور ذرا سا گھی کافی ہے۔ ہزار ٹنکے اس کے کس کام ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس سے کم بادشاہ کی خدمت میں عرض نہیں کر سکتے، آخر مجبوراً آپ نے اس رقم کو قبول کیا اور اپنے پیروں کے مزارات پر فقرا میں خرچ کر دی۔ اور چند دنوں کے بعد ہانسی تشریف لے گئے۔ آپ کا مرقد مبارک بھی اپنے باپ دادا کے گنبد میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

کہتے ہیں کہ آپ کی دوبارہ سلطان محمد تغلق کے ساتھ ملاقات واقع ہوئی جب کہ وہ خطہ ہانسی کی طرف گیا ہوا تھا اور شیخ قطب الدین کو بلا بھیجا تھا۔ ... جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت شیخ تشریف لاتے ہیں تو اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لے کر تیر اندازی کرنے لگا۔ جب حضرت شیخ کو دیکھا تو تاب نہ لا سکا اور نہایت تعظیم کے ساتھ پیش آیا اور مصافحہ کیا، حضرت شیخ قطب الدینؒ نے سلطان کے ہاتھ کو ایسا مضبوط پکڑا کہ وہ بادشاہ جبار جس کی تیغ ظلم کے نیچے کتنے مشائخ و علما آئے تھے۔ پہلی ملاقات ہی میں حضرت کا معتقد ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم آپ کے شہر میں آئے لیکن آپ نے زیارت نہ فرمائی اور اپنی ملاقات سے مشرف نہ کیا۔ شیخ نے فرمایا اول ہانسی کو دیکھو بعد میں درویش بچۂ ہانسی کو۔ یہ درویش اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا

کر بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بادشاہوں اور کل اہلِ اسلام کے لیے
دعا گوئی میں مشغول ہے، لہذا اس کو معذور رکھنا چاہیئے۔ سلطان محمد تغلق کا دل حضرت
کے حسنِ تقریر سے بہت نرم ہوا اور فیروز (جو اُن دنوں نائب بارگب تھا) سے کہا
جو حضرت شیخ کا مقصود ہے وہی کرنا چاہیئے۔ شیخ منورؒ نے فرمایا میرا مقصود فقر
ہے اور باپ دادا کا گوشہ۔ رحمتہ اللہ علیہم

شیخ نورالدینؒ

شیخ قطب الدین منورؒ کے فرزند رشید ہیں۔ نقل ہے کہ جب سلطان محمد تغلق
نے شیخ قطب الدین منور کو اپنے پاس طلب کیا تو شیخ نورالدین جو اس وقت چھوٹی
عمر کے تھے اپنے والدِ بزرگوار کے پیچھے پیچھے سلطان کے دربار میں چلے آئے
یہاں پہنچ کر ہجوم ملوک و امراء کی ہیبت و رعب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ہوش و
حواس کھو بیٹھے۔ اتنے میں شیخ قطب الدین منور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور انہوں نے
کہا "بابا نورالدین! عظمت و کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے۔"
شیخ نورالدین فرماتے ہیں کہ جونہی میرے کانوں میں یہ بات پہنچی میرے باطن
میں تقویت آ گئی یہاں تک کہ میرے دل سے اس ہیبت و رعب کا اثر بالکل جاتا رہا
آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کے گنبد میں مدفون ہیں۔
رحمتہ اللہ علیہ

شیخ حسام الدین ملتانیؒ

آپ بھی شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کا طریقہ اہلِ سلف کا تھا۔ زہد و ورع و فقر میں یارانِ اعلیٰ میں ممتاز تھے اور عیال دار تھے حضرت شیخ نظام الدینؒ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ شہر دہلی ان کی نگہبانی میں ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کندھے پر سے مصلا گر پڑا اور آپ کو اس کی مطلق خبر نہ ہوئی، جب تھوڑی دور نکل گئے تو ایک شخص نے پیچھے سے چند مرتبہ شیخ! شیخ! کہہ کر آواز دی، چونکہ آپ خود کو شیخ نہ سمجھتے تھے اس کی طرف توجہ نہ کی، تاآنکہ وہ شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو کتنی آوازیں دیں کہ شیخ اپنا مصلا لے جائیے مگر آپ نے نہ سنا، آپ نے فرمایا "میرے عزیز! میں شیخ نہیں ہوں، میں تو ایک ملا فقیر ہوں"

کہتے ہیں کہ شریعت میں ہدایہ اور بزدوی اور طریقت میں قوت القلوب اور احیاء العلوم آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔

نقل ہے کہ جب آپ خانہ کعبہ کی زیارت کر کے اس ملک میں آئے تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہونا چاہے تو اس کو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے پیچھے علیحدہ نیت کر کے جانا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کی

زیارتِ خاص میسر ہو اور طفیل میں زیارت نہ ہو۔ مولانا حسام الدین نے جب یہ ارشاد سنا تو اسی وقت مدینہ منورہ کی زیارت کا قصد کیا اور دوسرے دن چل پڑے۔ رحمۃ اللہ علیہ

خیرالمجالس میں لکھا ہے کہ شیخ نصیرالدین محمودؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا جمال الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین علیہم الرحمۃ حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے مولانا حسام الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی دن کو روزہ رکھے اور رات بھر عبادت کرے تو وہ بیوہ عورت کا کام کرتا ہے، اتنا کام تو ہر بیوہ عورت کر سکتی ہے، مگر وہ مشغولی جو بندگانِ خدا تعالیٰ کرتے ہیں اور جس کے سبب خدا تعالیٰ تک پہنچتے ہیں وہ مشغولی اس کے علاوہ ہے۔ مولانا حسام الدین اور تمام یار منتظر رہے کہ شاید حضرت خواجہ اس وقت بیان فرمائیں گے۔ حضرت خواجہ نے اس مجلس میں کچھ بیان نہ کیا لیکن اتنا فرمایا کہ تم سے کہوں گا، یہاں تک کہ چھ ماہ گزر گئے۔ آخر ایک مرتبہ یہی عزیز خدمت میں حاضر تھے۔ اس وقت محمد کاتب جو سلطان علاؤالدین کا چوبدار تھا اور حضرت شیخؒ کا مرید تھا آیا اور زمین بوسی کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے اس سے پوچھا کہاں تھے، عرض کیا کہ سرائے میں تھا، آج سلطان علاؤالدین نے پچاس ہزار ٹنکہ بندگانِ خدا کو تقسیم کیے ہیں۔ حضرت خواجہ نے مولانا حسام الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ انعامِ سلطان بہتر ہے یا وفائے وعدہ جو تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔ سب یاروں نے آداب بجا لا کر عرض کیا کہ وفائے وعدہ، پھر حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا۔ سالکوں کی مشغولی کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے، اوّل

خلوت چاہیئے کہ ازالۂ شامت وقبض وطلب خواہش کے لیے خلوت سے باہر نہ آئے، دوسرے وضو چاہیئے کہ ہمیشہ با وضو رہے، اگر جس وقت نیند غالب ہو تو فی الفور سو کر اٹھے اور اُسی وقت وضو کرے، تیسرے ہمیشہ روزہ رکھے، چوتھے غیر حق کے ذکر سے ہمیشہ خاموش رہے، پانچویں شیخ سے اپنے ربطِ دل کے ساتھ دوامِ ذکر، اور تعلق قلب مرید بالشیخ سے یہی عبارت ہے، چھٹے خواطرِ غیر حق کی نفی۔

نقل ہے کہ جب آپ شرفِ خلافت سے مشرف ہوئے تو حضرت شیخؒ سے وصیت کے طالب ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے دستِ مبارک آستین سے باہر نکالا اور شہادت کی انگلی سے مولانا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "ترکِ دُنیا، ترکِ دُنیا، ترکِ دُنیا" پھر فرمایا کہ زیادہ لوگوں کو مرید کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو بیابان میں دریا کے کنارے سکونت اختیار کروں، شہر میں کنوئیں کا پانی ہے جس سے وضو کرنے سے تسلی نہیں ہوتی حضرت شیخ نے فرمایا۔ شہر ہی میں عام لوگوں کی طرح رہو۔ اگر شہر سے باہر جا کر پانی کے کنارے رہو گے تو غریب اور شہری لوگوں کو جب پتہ چلے گا کہ فلاں درویش فلاں جگہ بیٹھا ہوا ہے تو وہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور تمہیں پریشان کریں گے، کنوئیں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شرعی طور پر اس میں وسعت و رخصت ہے۔ اس کے بعد شیخ حسام الدین نے عرض کیا کہ بندہ کو جس وقت فتوح ملتی ہیں تو میں اس میں سے کچھ بال بچوں کو دے دیتا ہوں اور کچھ آنے جانے والوں کے لیے رکھ لیتا ہوں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی

روز گزر جاتے ہیں اور کچھ نہیں آتا، اس پر بال بچے تنگ کرتے ہیں اور آنے جانے والے محروم رہتے ہیں، تو کیا میں ایسے موقع پر قرض لے لیا کروں یا نہیں؟ انہوں نے ارشاد فرمایا اگر تدبیر میں پڑ گئے تو درویشی نہ کر سکوگے۔ درویش وہ ہے کہ اگر اس کے پاس کچھ ہو تو خرچ کر دیتا ہے ورنہ صبر کرتا ہے، اور نامرادی میں خوش رہتا ہے اور تدبیر میں نہیں پڑتا۔ پھر فرمایا کہ درویش کو دربدری نہ ہونا چاہیئے۔ دربدری کی دو قسمیں ہیں۔ صوری اور معنوی، صوری وہ درویش ہیں جو دروازوں پر پھرتے ہیں اور مانگتے ہیں۔ معنوی وہ درویش ہیں جو اپنے گھر کے گوشے میں یا حجرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور دل میں سوچ لیتے ہیں کہ مجھ کو زید اور عمرو سے کچھ نہ کچھ مل جائے گا، صوری دربدری معنوی دربدری سے بہتر ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو اسی طرح ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ وہ ہوتا ہے۔ مگر معنوی دربدری خود کو مشغول حق ظاہر کرتا ہے اور اس کا باطن دربدر پھرتا رہتا ہے۔

روایت ہے کہ جس سال سلطان محمد نے دہلی کے لوگوں کو نیا شہر بسانے کے لیے دیوگیر کی جانب بھیجنا شروع کیا مولانا حسام الدین گجرات چلے گئے اور وہیں رحمت حق سے واصل ہو گئے اور گجرات کے قدیم شہر پٹن میں مدفون ہوئے، اس دیار میں آپ کا مزار مشہور و معروف ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا فخر الدین زرادیؒ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء میں سے ہیں، بزرگ تھے اور علم و تقویٰ و ذوق و عشق کے جامع، امرِ دینی میں صلابت تمام اور عظمتِ وافر رکھتے تھے ابتدائے حال میں مولانا فخر الدینؒ ہانسوی کے یہاں دہلی میں تحصیل علم کی، خوش طبعی نازک خیالی اور فصاحت بیانی میں اہلِ شہر میں ممتاز تھے، آخر کار شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہو گئے اور سر کے بال منڈا دیے اور شاگردوں کے حلقے سے نکل کر درویشوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ اور غیاث پور ہی میں اقامت اختیار کر لی، پیر کی [illegible] جمنا کے کنارے جہاں اب فیروز آباد ہے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے، پھر [illegible] حوضِ علائی پر رہے اور ایک مدت تک [illegible] اور [illegible] وقت بیابان اور شیروں کا مسکن تھا [illegible] اس کے بعد [illegible] حضرت معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی زیارت کو اجمیر گئے اور پھر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے اجودھن گئے [illegible] رہتے اور صحراؤں اور ویرانوں میں خدا کی عبادت [illegible]

نقل ہے کہ مولانا فخر الدین زرادیؒ نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ کلام اللہ کی تلاوت افضل ہے یا ذکرِ الٰہی؟ انہوں نے فرمایا کہ ذکرِ الٰہی کرنے والا جلد مقصد کو پہنچتا ہے لیکن اس میں زوال کا خطرہ بھی ہوتا ہے اس

کے برعکس تلاوت کرنے والا دیر سے مقصد کو پہنچتا ہے مگر اس میں زوال کا ڈر نہیں ہوتا۔

نقل ہے کہ شیخ نصیر الدین فرمایا کرتے تھے کہ جو ہم کو ایک ماہ اور دو ماہ میں کشود ہوتی تھی وہ مولانا فخر الدین زرادی کو ایک ساعت میں ہو جاتی تھی۔ اس زمانے میں جب کہ شہر کے باشندوں کو دیو گیر لے گئے آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور پھر خانہ کعبہ کی زیارت کو روانہ ہو گئے۔ وہاں سے بغداد گئے اور علم حدیث کی تحقیق کی، آخرکار اپنے وطن مالوف دہلی کے شوق میں واپس آئے اور کشتی پر سوار ہوئے لیکن قضائے الٰہی سے وہ کشتی ڈوب گئی اور مولانا کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ ط

نقل ہے کہ جس زمانے میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کے لوگوں کو دیو گیر کی جانب بھیجا اور یہ چاہتا تھا کہ ملک ترکستان و خراسان کو ضبط کر کے آل چنگیز کو وہاں سے نکال دے اُس نے شہر کے تمام صدور و اکابر کو حکم دیا کہ وہ شاہی دربار میں حاضر ہوں، اور اس نے ایک بڑا شاہی خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا اور اس کے نیچے ایک منبر رکھوایا تاکہ وہ منبر پر چڑھ کر لوگوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دے۔ اسی روز اُس نے مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی طلب کیا، خواجہ قطب الدین دبیر، جو شیخ نظام الدین اولیا کے مریدوں میں سے تھے اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے مولانا موصوف کو سب سے پہلے درگاہ سلطانی میں لے گئے۔ مولانا بار بار فرماتے تھے کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے محل کے سامنے غلطان دیکھ رہا ہوں، میں اُس کے ساتھ ہرگز صلح نہ کروں گا۔ جب مولانا بادشاہ سے ملاقی ہوئے تو خواجہ قطب الدین

دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں اور کھڑے ہو گئے۔ سلطان محمد نے اس حرکت کو دیکھ لیا مگر کچھ نہ کہا اور مولانا فخر الدین زرادی کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ سلطان نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ چنگیز خان ملعون کی اولاد کا تختہ الٹ دیں۔ کیا آپ اس معاملے میں ہمارے ساتھ موافقت کریں گے۔ مولانا نے فرمایا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بادشاہ نے کہا یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے جواب دیا مستقبل میں ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ سلطان محمد اس بات پر پیچ و تاب کھایا اور کہا آپ کو ہمیں نصیحت کرنی چاہیئے تاکہ ہم اس کے مطابق کام کریں۔ آپ نے فرمایا۔ غصّے کو ضبط کرو۔ سلطان نے کہا غصہ کیسا؟ آپ نے فرمایا تُو درندہ ہے۔ اس پر سلطان اور زیادہ غضب ناک ہوا اور حکم دیا کہ کھانا حاضر کیا جائے، کھانا چنا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھایا، جب دستر خوان برخواست ہوا تو جو بزرگ وہاں موجود تھے ان کے لیے جامۂ تھان اور ایک ایک بدرۂ سیم حاضر کیا۔ شیخ نصیر الدین محمود، مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے بزرگوں نے جیسا کہ روایت ہے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور آداب بجا لا کر واپس چلے آئے لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و سیم کو اس سے پہلے کہ وہ آپ کے پاس پہنچے خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے کر رکھ لیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ اس کو ہاتھ نہ لگائیں گے اور اس سے مولانا کی عزت میں فرق آئے گا۔ جب تمام بزرگ تشریف لے گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا۔ اے بدبخت فریب کار! تم نے یہ حرکات کیا کیں اور فخر زرادی کو میری تلوار کے وار سے بچا لیا۔ خواجہ قطب نے کہا وہ میرے استاد ہیں اور میرے مخدوم کے خلیفہ مجھے ان کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے سلطان نے کہا تم ان کفر آمیز اعتقادات کو چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ خواجہ صاحب نے جواب میں کہا زہے دولت اگر میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وعلیٰ جمیع عباد الصالحین۔

مولانا فخر الدین مروزیؒ

کلام اللہ کے حافظ تھے، حد درجہ متقی اور پرہیزگار تھے ہمیشہ قرآن مجید کی کتابت
فرماتے اور خلقت سے الگ رہتے تھے حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے
مصاحبوں اور مریدوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ مردانِ غیب سے آپ کی ملاقات تھی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے
سخت پیاس لگی تھی، اتفاق سے پاس کوئی شخص موجود نہ تھا جس سے پانی طلب کرتا۔
ایک کوزہ پانی سے بھرا ہوا غیب سے ظاہر ہوا میں نے اس کوزے کو توڑ ڈالا اور
پانی بہہ گیا، کہا کہ میں کرامت کا پانی نہ پیوں گا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اس کو پی لینا
چاہیئے تھا۔ ایسا بہت ہوتا ہے، چنانچہ ایک وقت مجھ کو کنگھی کرنے کی ضرورت ہوئی
مگر میرے پاس کوئی شخص نہ تھا جو کنگھی لاتے۔ اتنے میں دیوار پھٹ گئی اور اس میں
سے ایک کنگھی نمودار ہوگئی جس کو میں نے استعمال کر لیا۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا مولانا فخر الدین
مروزی جو کچھ کتابت فرماتے اس کے متعلق لوگوں سے پوچھتے کہ اس کتابت کی کیا
اجرت ہے، لوگ کہتے فی جز ششگانی، وہ فرماتے کہ میں چار جیتل لوں گا اور اس
سے زیادہ نہ لوں گا۔ اگر کوئی شخص تبرک کے طور پر چار جیتل سے زیادہ دیتا تو قبول
نہ فرماتے۔ جب وہ بہت بوڑھے ہو گئے اور کتابت نہ کر سکتے تھے تو ملک التجار قاضی
حمید الدین نے سلطان علاؤ الدین کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ بزرگ آج تک کتابت

بسراوقات کرتے رہے ہیں، اب کام کے قابل نہیں رہے، اس لیے ان کے لیے
بیت المال سے روزینہ مقرر ہونا چاہیئے۔ سلطان نے ایک ٹنکہ روزانہ کا حکم دیا
انہوں نے فرمایا میں قبول نہیں کرتا، مجھے وہی ششش گانی دیجئے۔ بعد میں بہت حیلہ و
حجت سے دو ششش گانی لینے پر رضامند ہوئے۔ رحمت اللہ علیہ

محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے اپنے خطِ مبارک سے
آپ کے نام ایک رقعہ لکھا جس میں حضرت رب العالمین کی محبت کا بیان ہے اس
میں یہ تحریر ہے کہ اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان
کی پیدائش کا اہم مطلوب اور اعظم مقصود رب العالمین کی محبت ہے، اور وہ محبت دو قسم
کی ہوتی ہے، محبتِ ذات اور محبت صفات، محبتِ ذات تو عطیۂ خداوندی ہے اور
محبتِ صفات اکتسابی ہے۔ عطیاتِ خداوندی سے بندے کے کسب و عمل کو کوئی
واسطہ نہیں ہے، اس کا واسطہ صرف اکتسابی امور سے ہے، اکتسابِ محبت کا طریقہ
دوام ذکر ہے دل کو ما سوا حق سے خالی کرنے کے ساتھ، اس کے لیے فراغ شرط ہے
فراغ کو چار چیزیں مانع ہیں اور جو کچھ شرط کے مانع ہے وہ مشروط کے بھی مانع ہے
وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ خلق، دنیا، نفس اور شیطان۔ خلقت کو دفع کرنے کا طریقہ
عزلت و گوشہ نشینی ہے، اور دنیا کے دفع کرنے کا طریقہ قناعت ہے، نفس اور شیطان
کے دفع کرنے کا طریقہ خدا کی طرف التجا کرنا ہے ساعت بساعت، والسلام، اور
مشہور یہ ہے کہ شیطان کے دفع کرنے کا طریقہ ذکر ہے اور دفعِ نفس کا طریقہ خدا کی
طرف التجا کرنا ہے۔

مولانا علاؤالدین نیلیؒ

اودھ کے علماء میں سے تھے، پاک روش اور نہایت صاف معاملہ بزرگ تھے، اودھ کے شیخ الاسلام مولانا فریدالدین شافعی سے کشاف کا درس لیا کرتے تھے اور سامعین میں مولانا شمس الدین یحییٰ اور اودھ کے علماء ہوتے تھے۔ علماء کا لباس زیب تن فرماتے مگر تصوف کے اوصاف سے موصوف تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف سے پوری طرح مجاز تھے مگر آپ نے کسی شخص کو مرید نہ کیا اور بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اگر شیخ نظام الدین قدس سرہٗ زندہ ہوتے تو میں خلافت نامہ اُن کی خدمت میں بھیج دیتا کہ مجھ سے یہ دینی امر انجام نہیں ہو سکتا۔

آپ کو اپنے پیر کے ساتھ بغایت محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ آخر عمر میں آپ نے کتاب فوائدالفواد جس میں شیخؒ کے ملفوظات ہیں اپنے ہاتھ سے نقل کی اور بیشتر اوقات اس کو اپنے پاس رکھتے اور مطالعہ فرماتے تھے یہاں تک کہ اسی کو وظیفہ بنا لیا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے پاس ہر علم کی بہت سی معتبر کتابیں موجود ہیں مگر آپ اس کے سوا اور کسی کتاب میں رغبت نہیں رکھتے، فرمایا کہ کتب سلوک وغیرہ سے ایک جہان معمور ہے لیکن میرے مخدوم کے روح افزا ملفوظات جو میری نجات کا باعث ہیں مجھ کو کہاں مل سکتے ہیں۔ بیت

مرا نسیمِ تو باید صبا کجاست کہ نیست　　کجاست زلفِ تو مشکِ خطا کجاست کہ نیست

آپ کا مزار چبوترۂ یاراں کے نزدیک ہے۔

شیخ برہان الدین غریبؒ

صاحب ذوق و شوق تھے، سماع میں بہت غلو رکھتے تھے، اس زمانے کے فضلاء مثلاً امیر خسرو، امیر حسن اور دوسرے خوش طبع لوگ آپ کی محبت کے اسیر تھے، حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ جب شہر میں ہوتے تو آپ ہی کے گھر میں تشریف رکھتے، آپ کو اپنے پیر سے اعتقادِ عظیم تھا، تمام عمر میں کبھی غیاث پور کی جانب پشت نہ کی۔

آپ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کی خلافت کا قصہ سیر الاولیاء میں اس طرح مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے قدیم خدمت گار خواجہ مبشر اور سید حسین اور سید خاموش نے کہا کہ مولانا برہان الدین قدیم مریدوں میں سے ہیں اور عقیدت میں یاروں کے درمیان ممتاز ہیں، لہٰذا خلافت کے لیے ان کا ذکر حضرت شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں کیوں نہ کیا جائے۔ سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا اور آپ کو ان کی خدمت میں لے جا کر عرض کیا کہ مولانا برہان الدین غریب، حضرت مخدوم کا دیرینہ حلقہ بگوش ہے، وہ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہے اور نوازش کا امیدوار ہے' اس محل میں مولانا نے زمین بوسی کی، اس کے بعد اقبال خادم نے کلاہ پیراہن جو حضرت شیخؒ کی خدمت سے عطا ہوا تھا حاضر کر کے حضرت کا دست مبارک اس

کلاہ و پیراہن پر رکھا اور حضرت شیخؒ کے روبرو مولانا برہان الدین کو پہنا دیا اور کہا آپ بھی خلیفہ ہیں۔ اس وقت شیخ نظام الدینؒ خاموش تھے اور خاموشی رضامندی کی دلیل ہے۔

نقل ہے کہ ایک وقت حضرت شیخ نظام الدینؒ کو مولانا برہان الدین غریب سے رنجش پیدا ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کبرسنی کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے اور چونکہ ویسے بھی پیدائشی طور پر کمزور تھے اس لیے اپنی کملی کی دو تہہ کر کے اس پر اپنے گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ علی زنبیلی اور ملک نصرت نے جو سلطان علاؤ الدین کے اقارب سے تھے اور شیخ نظام الدینؒ[1] کے مرید ہو کر محلوق ہو چکے تھے اس بات کو شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں کسی اور طرح بیان کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مولانا برہان الدین سجادۂ مشیخت پر بیٹھتا ہے اور اس کام کو مشائخ کی طرح انجام دیتا ہے۔ یہ سن کر شیخ نظام الدینؒ رنجیدہ خاطر ہو گئے اور جب مولانا برہان الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے گفتگو فرمائی۔ وہاں سے اٹھ کر جماعت خانے میں آئے تو اقبال خادم نے آ کر کہا شیخ کا فرمان ہے کہ تم فوراً لوٹ جاؤ اور یہاں نہ بیٹھو۔ آپ سراسیمہ و پریشان ہو گئے اور گھر میں جا کر تعزیت میں بیٹھ گئے۔ شہر کے لوگ آپ کو دیکھنے کے لیے آتے تھے تھوڑے عرصے کے بعد حضرت امیر خسرو گردن میں دستار ڈالے شیخؒ کی خدمت میں

---

[1] نسخہ مجتبائی میں یہاں شیخ علاؤ الدین کا نام ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔ اس کے بجائے شیخ نظام الدین پڑھا جائے (بحوالہ نسخۂ ہاشمی)

مؤدب کھڑے ہو گئے۔ شیخؒ نے پوچھا ترک! کیا چاہتے ہو، عرض کیا حضرت سے مولانا برہان الدین کے جرم کی معافی چاہتا ہوں۔ انہوں نے مسکرا کر فرمایا۔ وہ کہاں ہے، اُسے بلاؤ، مولانا اور امیر خسروؒ دونوں گلے میں دستار ڈالے حاضر خدمت ہوئے اور زمین بوس ہو گئے، مولانا کا جرم معاف کر دیا گیا اور آپ کو تجدید بیعت سے مشرف فرمایا۔

مولانا برہان الدین شیخ ممدوح کے وصال کے بعد چند سال زندہ رہے اور خلق خدا سے بیعت لیتے رہے، جب دیوگیر تشریف لے گئے تو وہیں واصل بحق ہوئے۔ آپ کی قبر بھی اسی جگہ ہے۔

برہان پور کا مشہور شہر آپ ہی کے نام پر آباد ہے۔ وہاں کے حکمران آپ کے معتقد ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا علی شاہ جاندار رح

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رح کے مریدوں میں سے ہیں، آپ کی ایک کتاب ہے خلاصۃ اللطائف، اس میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنے شیخ اور مخدوم شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کو مراقبہ میں دیکھا تو میں نے ان کی مجلس میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس طرح خاموش بیٹھے ہیں کہ کوئی عضو حرکت نہیں کرتا۔ اُن کی آنکھیں کھلی تھیں مگر انہوں نے مجھے نہیں پہچانا، مجھ سے کہا تم کون ہو۔ یہ حال دیکھ کر میں نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ وہ اپنی آنکھوں کو اس طرح پھراتے تھے جیسے کوئی مست ہو۔ پھر فرمایا فقیر کو چاہیئے کہ وہ نہایت خشوع کے ساتھ اپنے قلب میں اس طرح تصوّر کرے کہ گویا خدا کے حضور میں بیٹھا ہے۔ پھر مجھ کو حکم کیا کہ جاؤ مجلس میں بیٹھو، میں اس وقت مشغول ہوں۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ علاؤ الدین رح

شیخ بدر الدین سلیمان کے فرزند اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رح کے صاحب سجادہ وجانشین تھے۔ سولہ برس کی عمر میں سجادہ پر بیٹھے اور چوّن سال استقامت کے ساتھ حق سجادہ ادا کیا اور زندگی ہی میں آپ کی عظمت وکرامت کی شہرت دُنیا میں پھیل گئی۔ جامع مسجد کے سوا کبھی کسی دوسری جگہ تشریف نہ لے جاتے۔ ملوک و اُمرا سے بالکل بے پروا تھے اور ہمیشہ صائم الدھر رہے۔ ایک پہر رات گزرنے پر

ہ اور کھانا بہت ہی کم کھاتے۔ سخاوت اور بخشش میں اپنے زمانے میں
نے اور طہارت و لطافت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ
مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں کہتے ہیں،

ہ دُنیا و دین شیخ و شیخ زادۂ عصر	کہ شد بمرتبہ قائم مقامِ شیخ فرید
ب نورِ تجلی چو کرد رُویش عرق	ہزار چشمۂ خورشید از جبین بچکید
دید ثریا بلندیٔ قدرش	کہ تا قیامت خواہد برآسمان خندید
بروشنی از بدر زادہ خورشیدی	ز بدر زادنِ خورشید تا بدار کہ دید
ا کنارِ سپہر از حوادث ایمن گشت	کسیکہ در پنہ ذیلِ عصمت تو خزید
بر سبحۂ تو چرخ مہرہ ز انجم کرد	ز مشتری رگ جانش برائے رشتہ کشید
ہفتم شب در سوادِ مدحتِ تو	چو پیر در شب قدر و چو طفل در شبِ عید
ت بخش جہانی دمِ مسیحی تُست	چہ حدِ گفتنِ خسرو کہ عمرِ تو مبزید

ب کا مقبرہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے روضۂ مبارک کے جوار میں ہے
محمد تغلق نے جو آپ کا مرید و معتقد تھا آپ کے روضے پر عالی شان گنبد
تھا۔ رحمتہ اللہ علیہ ط

خواجہ محمدؒ

ابن مولانا بدرالدین اسحاق، شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کے نواسے ہیں۔ جامع علوم وحاویٔ فنون تھے، علم حکمت میں بھی دخل رکھتے تھے اور علم موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ کمال ذوق وشوق وطاعت وعبادت سے موصوف تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے امام تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے شیخ رح کے ملفوظات کی ایک کتاب جمع کی اور اس کا نام انوار المجالس رکھا۔

ایک دفعہ شیخ ابوبکر طوسی کی خانقاہ میں جو برلب دریا ہے ایک مجلس تھی، اور شیخ نظام الدین وہاں موجود تھے۔ ہر چند قوال کچھ پڑھتے تھے مگر حاضرین کو ذوق پیدا نہ ہوا۔ حضرت شیخ نے فرمایا سماع کو چھوڑ دو اور بزرگوں کی حکایات ومآثر کا ذکر کرو۔ اس اثنا میں ایک ذوق پیدا ہوا۔ شیخ علی زنبیلی نے شیخ نظام الدین پانی پتی کی طرف جو شیخ بدرالدین غزنوی کے خلیفہ تھے دیکھ کر کہا ہم آپ سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے خواجہ محمد امام کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں بزرگوار اٹھ کر قوالوں کی جگہ بیٹھ گئے اور غزل شروع کی۔ جب اس بیت پر پہنچے **بیت**

بہر بیخردی کہ بینی امشب — ازمن ہمہ در گزار تا روز

حضرت شیخ نظام قدس سرہٗ کو کیفیت ہوئی اور اس نے سب میں اثر کیا اور ایک ذوق پیدا ہوا۔

رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عزیز الدین صوفیؒ

آپ کی والدہ بزرگوار بھی حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی دختر ہیں، کہتے ہیں کہ آپ نے بھی حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات جمع کر کے تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار نام رکھا ہے۔ آپ قاضی محی الدین کاشانی کے شاگرد ہیں، اور صنعتِ کتابت میں بے نظیر تھے۔

نقل ہے آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ ایک تخت پر قبلہ رُو بیٹھے ہیں، اُن کا چہرہ اور آنکھیں آسمان کی طرف ہیں اور جمالِ حق میں مستغرق ہیں۔ میں ڈر گیا کہ ایسے نازک موقع پر وارد ہوا ہوں، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، ٹھیک ایک ساعت کھڑا رہا اور اس وقت کوئی خادم نہ آیا۔ پھر حضرت شیخ کو لرزہ ہوا جیسے چڑیا لرزتی ہے اور اپنے عالم میں آ گئے، اور آنکھوں پر ہاتھ مل کے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے عرض کیا عزیز ہے، پھر انہوں نے شفقت فرمائی اور بہت عنایت کی

رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ تقی الدین نوحؒ

آپ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے حقیقی بھانجے کے فرزند ہیں۔ کلام مجید کے حافظ تھے۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت شیخؒ نے بحالتِ مرض آپ کو اپنے پاس بُلایا اور خلافت عطا کر کے وصیت کی کہ جو کچھ تجھے ملے اس کو بچا کر نہ رکھنا۔ اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے دل کو مطلق پریشان نہ کرنا کیونکہ خدا تجھے دے دے گا۔ کسی شخص کا بُرا نہ چاہنا اور جفا کا بدلہ عطا سے دینا۔ جاگیر اور وظائف قبول نہ کرنا کیونکہ درویش وظیفہ خوار نہیں ہوتا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو بادشاہ تمہارے دروازے پر آئیں گے۔

آپ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی حیات میں عنفوانِ شباب ہی میں رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سید محمد بن سید محمود کرمانیؒ

آپ کرمان سے بغرضِ تجارت لاہور آیا کرتے تھے۔ واپسی کے وقت اجودھن میں شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کی سعادتِ ملاقات حاصل کر کے ملتان

تشریف لے جاتے۔ ملتان میں آپ کے چچا سید احمد کرمانی رہتے تھے۔ اسی آمد و رفت کے دوران میں آپ کے دل میں شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کی محبت جاگزین ہو گئی۔ کرمان کے اسباب و اموال کو کلی طور پر ترک کر کے ملتان میں اپنے چچا کے پاس آ گئے اور پھر وہاں سے حضرت شیخ کی ارادت کے لیے اجودھن کا قصد کیا۔ آپ کے چچا نے کہا کہ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا بھی بڑے بزرگ ہیں، سید محمد کرمانی نے فرمایا کہ ان سے محبت نہیں ہوتی۔ آخر اجودھن آ کر مرید ہو گئے اور بہت ریاضت کی۔ حضرت شیخ فریدالدینؒ کے وصال کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی صحبت میں آئے اور یاران اعلیٰ کے زمرہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے ۷۱۱ھ میں جمعہ کی رات کو رحلت فرمائی اور چبوترۂ یاراں میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ ط

سید محمدؒ

ابن سید مبارک بن سید محمد کرمانی، کتاب سیرالاولیاء کے جامع ہیں۔ اس کتاب میں مشائخ چشتیہ کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ آپ صغرسنی ہی میں شیخ نظام الدین اولیاء کی بیعت سے مشرف ہوئے اور ان کی بعض مجالس میں شریک ہوئے۔ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد آپ ان کے خلفاء کی خدمت میں رہے اور شیخ نصیرالدین محمودؒ سے تربیت پائی۔ بارہا خواب میں شیخؒ کے جمال سے مشرف ہوئے اور تجدید بیعت کی۔ آپ کے آباؤ اجداد اور اعمام سب حضرت شیخ کے متوسلین میں سے تھے اور اکثر حالات جو آپ نے اس کتاب میں نقل کیے ہیں اپنے آبائے کرام ہی کے واسطے سے لکھے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ ط

قاضی محی الدین کاشانیؒ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مریدوں میں سے ہیں۔ وفورِ علم و زھد و تقویٰ سے موصوف و مشہور رہتے، وُہ دماغِ علم و کرامت سے نسبت رکھتے تھے اور شہر میں اُستاد مانے جاتے تھے۔ ابتدائے ارادت ہی سے دُنیاوی تعلقات سے کنارہ کرلیا اور وظائف کی سندوں کو جو دانش مندی کا سرمایہ ہوتی ہے حضرت شیخؒ کی خدمت میں لاکر پھاڑ ڈالا اور فقر و مجاھدہ کی زندگی اختیار کی۔

آپ کو حضرت شیخؒ کی خدمت میں کلام کرنے کا بڑا رسوخ حاصل تھا، اور شیخ آپ کو معرضِ خلافت میں رکھتے تھے اور اپنے دستِ مبارک سے ایک کاغذ لکھا جس کی نقل یہ ہے:۔

"تم کو چاہیئے کہ تارکِ دُنیا رہو، دُنیا اور اربابِ دُنیا کی طرف مائل نہ ہو، کوئی گاؤں قبول نہ کرو اور بادشاہوں سے انعام و اکرام نہ لو، اگر کسی وقت مسافر آئیں اور تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو اس حال کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت شمار کرو، اگر تم ایسا کرو گے اور مجھ کو یقین ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تب تم میرے خلیفہ ہو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ میرا خلیفہ ہے۔"

نقل ہے کہ قاضی محی الدین کاشانی نے حضرت شیخ نظام الدینؒ سے سوال کیا کہ اللہ عزوجل، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ کے حضور میں مرید کو علیحدہ علیحدہ مراقبہ کرنا

چاہیئے یا ایک ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت شیخؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ساتھ بھی ممکن ہے اور علیحدہ بھی مفید ہے۔ جب ایک ساتھ کرنا چاہے تو اس طرح جانے کہ وہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے داہنی طرف اور شیخ اس کے بائیں طرف موجود ہیں۔

نقل ہے کہ جب فقر و فاقہ کی شدت نے آپ پر غلبہ کیا تو آپ کے بہت سے متبعین جو ناز و نعمت کے خوگر تھے اس کی تاب نہ لا سکے، آپ کے ایک آشنا نے یہ ماجرا سلطان علاؤ الدین کی درگاہ میں بیان کیا۔ سلطان نے اودھ کی قضا جو اس کی موروثی تھی آپ کے سپرد کر دی، قاضی محی الدین کو جب یہ خبر پہنچی تو پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خواہش کے بغیر ہی اس طرح ہوا ہے، مخدوم کا کیا حکم ہے حضرت شیخؒ نے فرمایا ضرور اس مطلب کی کوئی بات تمہارے دل میں پیدا ہوئی ہوگی جس کے لیے یہ مدعا پورا کیا گیا، اس واقعہ کے سبب قاضی محی الدین کی زندگی ناخوشگوار ہو گئی اور وہ اکثر پریشان رہنے لگے، اور کہتے ہیں کہ شیخؒ نے آپ سے وہ خلافت نامہ بھی واپس لے لیا اور اسے ایک گوشے میں رکھ چھوڑا۔ حضرت شیخؒ کا مزاج مبارک ایک سال تک قاضی محی الدین کے بارے میں متغیر رہا، اس کے بعد اپنی قدیم روش پر آیا اور قاضی محی الدین کو تجدید ارادت سے مشرف کیا۔

آپ نے شیخؒ کی حیات ہی میں رحلت فرمائی۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا وجیہ الدین یوسفؒ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے ہیں۔ شیخؒ آپ پر بہت مرحمت و شفقت فرماتے تھے اور آپ ارادت و خلافت میں اوروں سے سبقت لے گئے تھے۔ حضرت شیخؒ جب یاران اعلیٰ کو عطیۂ خلافت کی بخشش فرماتے تو آپ کو خلافت کی تجدید سے مشرف کرتے تھے۔

صاحب خوارق و کرامات تھے۔ کہتے ہیں کہ جب اپنے گھر سے پیر کی خدمت میں جانے لگتے تو آپ کے دل میں خیال آتا کہ پیر و مرشد کے پاس پا پیادہ جانا روا نہیں، حق تعالیٰ اسی وقت آپ کو قوت پرواز عطا کر دیتا اور کبھی سر کے بل حاضر ہوتے تھے

آپ اپنے مرشد کے حکم سے چندیری میں مقیم تھے اور وہاں کے بہت لوگ آپ کے مرید ہیں۔ روضۂ مبارک بھی چندیری میں ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا وجیہ الدین پائلیؒ

متبحر عالم تھے اور اپنے زمانے کے استاد تھے، زھد و پرہیزگاری میں ممتاز تھے۔ آخر میں شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہو گئے اور اُن کی خدمت میں کمال اعتقاد پیدا کیا۔

نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے ایک بار میں پانی پت سے گزر رہا تھا راستہ میں ایک صوفی پر نظر پڑی۔ میرے دل میں کچھ انکار کی صورت پیدا ہوئی۔ اُس صوفی نے کہا مولانا کیا کوئی مشکل در پیش ہے، اور مجھ کو علم میں کئی مشکلات تھیں، میں نے ایک ایک کر کے اُس کے سامنے بیان کیں اور اس نے اُن سب کے ایسے مدلّل جوابات دیے کہ میں مطمئن ہو گیا، یہاں تک کہ اُس نے قضاء قدر کے مسئلے کا بھی تسلّی بخش جواب دیا، بحث کے خاتمے پر اُس نے پوچھا کہ تم کس کے مرید ہو میں نے جواب دیا کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا، اُس نے کہا یہ شیخ نظام الدین قدس سرہٗ تو ہمارے قطب ہیں۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ نے آپ سے فرمایا۔ مولانا ہمارے اور تمہارے درمیان اور خدا کے درمیان صرف یہی زبان باقی رہ گئی ہے۔

مولانا وجیہ الدین کی قبر حوض شمسی پر قاضی کمال الدین صدر جہان اور قتلغ خاں کے حظیرہ میں ہے جو مولانا موصوف سے نسبتِ شاگردی رکھتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

امیر خسرو دہلویؒ

سلطان الشعرا اور برہان الفضلاء ہیں۔ وادیٔ سخن میں یگانۂ عالم اور انتخاب بنی آدم ہیں۔ فنِ سخن میں عوالم خداوندی میں سے ایک عالم ہیں جس کی انتہا نہیں شعر گوئی اور اس کے انواع میں جو مضامین و معانی آپ نے پیدا کیے متقدمین اور متاخرین شعرا میں کسی کے حصے میں نہ آئے۔ طرزِ سخن میں آپ نے اپنے شیخؒ کے فرمان کی پیروی کی۔ اُن کا ارشاد تھا کہ سخن گوئی میں اصفہانیوں کی روش اختیار کرو۔ علم و فضل کی فراوانی کے باوجود آپ صفاتِ تصوف اور احوالِ مشائخ سے موصوف تھے، اگرچہ آپ کے تعلقات بادشاہوں کے ساتھ استوار تھے اور ملوک و امرار سے خوش طبعی اور ظرافت کے ساتھ میل جول رکھتے تھے لیکن آپ کی دلی توجہ اس طرف نہ تھی، آپ کے کلام میں جو برکت ہے اس سے یہ نکتہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے، کیونکہ اہلِ معصیت کے دل برکت سے محروم ہوتے ہیں اور ان کے کلام میں قبولیت اور تاثیر نہیں ہوتی۔

منقول ہے کہ آپ ہر رات تہجد کے وقت قرآن مجید کے سات سیپاروں کی تلاوت فرماتے تھے۔ ایک روز حضرت شیخؒ نے پُوچھا "تُرک! تمہاری مشغولیت کا کیا حال ہے؟" عرض کیا "مخدوم! آخر شب میں کئی مرتبہ گریہ وزاری کا غلبہ ہوتا ہے" انہوں نے فرمایا، الحمد للہ کہ کچھ کچھ ظاہر ہونا شروع ہوا ہے۔

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ جب حضرت امیر خسرو پیدا ہوئے تو اُس وقت امیر لاچین کے پڑوس میں ایک مجذوب رہتا تھا، آپ کو کپڑے میں لپیٹ کر اُس مجذوب کے پاس لے گئے۔ اُس نے کہا تم اس شخص کو لائے ہو جو خاقانی سے دو قدم آگے

نکل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ "دو قدم" سے اس مجذوب کا مقصد مثنوی اور غزل کے میدان میں ہو، کیونکہ قصیدہ گوئی میں جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے آپ خاقانی تک نہیں پہنچے، اور اگر پہنچے ہیں تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکے۔

شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے یاران و مریدانِ قدیم سے ہیں۔ حضرت شیخؒ سے نہایت اعتقاد اور محبت رکھتے تھے۔ شیخؒ بھی آپ کے حال پر نہایت شفقت و عنایت فرماتے تھے۔ کسی شخص کو شیخؒ کی خدمت میں امیر خسروؒ کی سی قربت و محرمیت حاصل نہ تھی۔ آپ ہر رات نمازِ عشاء کے بعد شیخؒ کی خلوتِ خاص میں تشریف لے جاتے اور ہر قسم کی گفتگو ہوتی، دوست احباب کی درخواستیں اُن کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت شیخؒ نے اپنے دستِ مبارک سے جو رقعات امیر خسرو کو تحریر فرمائے ان میں سے ایک کا مضمون یہ ہے:

"اعضاء کی محافظت کے بعد شریعت کے نامرضیہ امور سے پرہیز کرے اور اپنے اوقات کی نگہبانی بھی کرے اور عمرِ عزیز کو جس میں تمام مرادات حاصل ہوتی ہیں غنیمت سمجھے اور زندگی کو بیہودہ کاموں میں صرف نہ کرے اگر اس کے دل میں انشراح پیدا ہو جائے تو اس کی پیروی کرے کیونکہ یہ روش اصل طریقت میں معتبر ہے اور تمام کاموں میں پہلے استخارہ کرے۔"

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے ان تمام رقعوں کو تحریر کیا ہے جو شیخ کی جانب سے آپ کے حق میں صادر ہوئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایک بار سلطان المشائخ قدس سرہٗ نے اس بندہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں سب سے تنگ آ جاتا ہوں مگر تم سے تنگ نہیں آتا۔ دوسری مرتبہ فرمایا کہ میں سب سے تنگ آ جاتا ہوں یہاں تک کہ اپنے آپ سے تنگ آ جاتا ہوں مگر تم سے تنگ نہیں آتا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے یہ درخواست کرنے کی جرأت کی کہ جن نگاہوں سے آپ خسروؒ کو دیکھتے ہیں ان میں سے ایک نگاہ مجھ پر بھی کیجئے۔ حضرت شیخؒ نے اس کے سامنے کوئی جواب نہ دیا لیکن مجھ سے فرمایا اس وقت میرے جی میں آیا تھا اس شخص سے کہوں کہ اتنی قابلیت تو پیدا کرو۔ ایک بار حضرت خواجہؒ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ میرے لیے دعا کرو کیونکہ تمہاری بقا میری بقا پر موقوف ہے اور چاہیئے کہ تم کو میرے پہلو میں دفن کریں۔ بعد میں یہ بات کئی

مرتبہ ان کی خدمت میں دہرائی گئی اور انہوں نے فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔
حضرت شیخ نے بندہ کے ساتھ خدا کو درمیان دے کر عہد کیا ہے کہ جس وقت وہ بہشت میں داخل ہوں گے بندہ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
ایک مرتبہ حضرت خواجہ نے خواب میں دیکھا کہ بندہ کے پائین حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے بہشتی خانہ کے قریب نہایت روشن وصاف پانی جاری ہے اور دُعا گو ایک دو غالچہ میں بلندی پر بیٹھا ہے، وقت نہایت خوش اور امیدواری کا ہے فرمایا کہ اُس وقت مجھے تمہارا خیال آیا اور میں نے تمہارے لیے خدا سے نعمت مطلوب مانگی، میں سمجھتا ہوں کہ دُعا قبول ہوئی ہے اور تمہارے اندر وہ حال پیدا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔
ایک دفعہ بندہ نے حضرت خواجہؒ کی زبانِ مبارک سے سنا کہ انہوں نے فرمایا آج رات میرے دل میں کوئی کہتا ہے کہ خسرو کو محمد کاسہ لیس کہتے ہیں۔ بندہ کو یہ خطاب غیب سے ملا ہے اور مخبرِ صادقؒ نے یہ خبر دی ہے۔ اس نام سے بندہ بہت نعمتوں کا امیدوار ہے۔ انشاء اللہ المعطی۔
حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے بندہ کو ترک اللہ کا خطاب دیا ہے اور انہوں نے اپنے مبارک خط سے آراستہ ومزین بہت سے فرمان لکھے ہیں جن میں بندہ کو اس خطاب سے یاد کیا ہے۔ بندہ نے ان کو تعویذ بنا کر رکھ چھوڑا ہے تاکہ بوقت دفن بندہ کے پاس رہیں۔ شاید کل قیامت کے روز حق تعالیٰ مجھ بیچارہ کو ان کاغذوں کے طفیل بخش دے۔ انشاء اللہ تعالیٰ الکریم
حضرت خواجہؒ نے ایک مرتبہ بندہ کو طلب کر کے فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے سنو، پھر فرمایا کہ شب جمعہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاءُ الدین زکریا علیہم الرحمۃ آئے ہیں، میں بہت تواضع سے پیش

آیا مگر خود انہوں نے اتنی تواضع کی کہ بیان میں نہیں آسکتی، اس اثنا میں دیکھتا ہوں کہ تو خسرو دور سے نمودار ہوا ہے اور ہمارے پاس آکر معرفت کا بیان شروع کر دیا ہے۔ اتنے میں صلاۃ مؤذن نے بانگِ نماز کہی اور میں بیدار ہو گیا جب یہ خواب بیان کر چکے تو فرمایا دیکھا کہ یہ کیا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد مجھ بیچارے نے زاری و نیازمندی سے عرض کیا کہ مجھ ناچیز کو اس مرتبہ کی کیا اہلیت، آخر حضور ہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ حضرت خواجہؒ کو میری اس بات سے گریہ ہوا اور بلند آواز سے روئے۔ حضرت کے زیادہ گریہ سے بندہ بھی رونے لگا۔ پھر انہوں نے کلاہ و خاصہ طلب فرما کر اپنے دستِ مبارک سے بندہ کو پہنائی اور فرمایا تمہیں چاہیئے کہ کلماتِ مشائخ کو بہت نظر میں رکھو۔

شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے امیر خسرو کے حق میں یہ دو بیتیں ارشاد فرمائی ہیں:

رُباعی

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست
ایں خسروِ ماست ناصرِ خسرو نیست زیرا کہ خدا ناصرِ خسروِ ماست

جس وقت حضرت شیخؒ باغِ بہشت کو تشریف لے گئے امیر خسرو خدمت میں حاضر نہ تھے۔ آپ تغلق شاہ کے ہمراہ لکھنوتی گئے ہوئے تھے۔ اُس سفر سے واپس آئے تو گریہ وزاری اور ماتم میں رہنے لگے، اور اکثر اوقات دیوانگی کا اظہار کرتے تھے کہتے تھے کہ میں اپنے لیے روتا ہوں، کیونکہ حضرت شیخؒ کے بعد میری بقا مشکل ہے آپ صرف چھ ماہ اور بقیدِ حیات رہے۔ حضرت شیخؒ کی وفات اٹھارہ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو واقع ہوئی اور امیر خسروؒ نے سن مذکور کی اٹھارویں شوال کو رحلت فرمائی۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

امیر حسن بن علاء سجزی دہلوی رح

فضلائے عصر میں آپ ایک خاص مرتبہ و مقام کے مالک تھے حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کے مریدوں میں قربت و عنایتِ شیخ سے ممتاز تھے اور حسن معاملہ، صفائے باطن اور تمام اوصافِ حمیدہ میں یکتائے زمانہ تھے اور اوصافِ تصوف سے موصوف ۔ آپ کو حضرت امیر خسرو کی نسبت ایک گونہ تقدم حاصل ہے اگرچہ دونوں ایک دوسرے کے مصاحب و معاصر تھے۔ آپ نے سلطان غیاث الدین بلبن کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں لیکن امیر خسرو کے کلام میں اس بادشاہ کی تعریف میں کوئی چیز نہیں ملتی اور انہوں نے اکثر اشعار سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں اس کے بیٹے خان شہید کی مدح میں لکھے ہیں جو حاکمِ ملتان تھا اور امیر خسرو اس کی ملازمت میں تھے اس خان شہید نے شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی سے التماس کی تھی کہ وہ شیراز سے ہندوستان تشریف لائیں شیخ موصوف نے اس کی التماس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہندوستان کی سیر کرنے کی خواہش نہیں رہی اور یہ جو امیر خسرو کی شیخ سعدی کے ساتھ ملاقات کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے اسکی کچھ اصل نہیں

میر حسن کی ایک کتاب ہے فوائد الفواد، جس میں آپ نے حضرت شیخ رح کے ملفوظات نہایت متانتِ الفاظ و لطافتِ معانی سے جمع کیے ہیں یہ کتاب حضرت شیخ نظام الدین رح کے خلفاء اور مریدوں میں دستور العمل ہے۔ کہتے ہیں کہ امیر خسرو فرمایا کرتے تھے کاشکے میری تمام تصنیفات حسن کے نام سے

ہوئیں اور یہ کتاب میرے نام سے ہوئی، اور اس بات سے کمالِ محبت کا اظہار ہوتا ہے جو اُن کو اپنے پیر و مرشد سے تھی۔

فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہؒ کی سعادت پائبوس کے لیے حاضر ہوا۔ وہ بام دہلیز پر تشریف رکھتے تھے، میں نردبان کے پاس بیٹھ گیا۔ سر بار دروازے کا ایک کواڑ ہوا کے جھونکے سے بند ہو جاتا تھا، بندہ نے دروازے کو ایک ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیا تاکہ ٹھہرا رہے، ایک ساعت کے بعد بندہ کی طرف نظر کر کے دیکھا کہ دروازہ پکڑے ہوئے ہوں۔ فرمایا کہ اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے، بندہ نے سر زمین پر رکھ کر عرض کیا میں نے تو یہی دروازہ پکڑا ہے۔ انھوں نے تبسّم فرمایا اور کہا تو نے یہ دروازہ پکڑا ہے اور مضبوط پکڑا ہے۔

نیز فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ جمعرات اٹھارہ ماہ مبارک رجب ۷۱۱ھ کو سعادت پائبوس حاصل ہوئی۔ اس رات کو بندہ نے ایک خواب دیکھا تھا، اس کو اُن کی خدمت میں عرض کیا۔ خواب یہ تھا کہ گویا صبح کی فرض نماز کا وقت ہے اور میں نماز کے لیے وضو کرتا ہوں، وقت تنگ ہو گیا ہے، میں نے نہایت عجلت سے وضو کیا سنت ادا کی اور ایسے معلوم ہوا کہ ابھی جماعت ہو گی، آخر جلدی سے چلا کہ جماعت میں شامل ہو جاؤں، جلدی میں جاتے ہوئے خیال کرتا ہوں کہ سورج طلوع ہونے کو ہے، میں ڈرا کہ کہیں نماز کا وقت نہ جاتا رہے، اور گویا میں نے ہاتھ اٹھا کر سورج کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شیخ کے وقتِ پاک کے واسطے ابھی نہ نکلنا، یہ کہتے ہی خواب میں مجھے وقتِ خوش حاصل ہو گیا اور آنکھ کھل گئی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے جب یہ بات سُنی تو چشم پُرآب ہوئے اور اس کے مناسب حکایات بیان فرمائیں۔

ایک مرتبہ سماع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس عاجز کا معاملہ عجیب سا ہے اس لیے کہ جتنی عبادت وطاعت کرنی چاہیئے اس سے محروم ہوں اور درویشوں کے سے وظائف واذکار بھی نہیں کرتا لیکن جب سماع سنتا ہوں تو کامل رقت وراحت حاصل ہوتی ہے، مخدوم کی پاکیزہ صحبت میں بھی اسی طرح ہوتا ہے کیونکہ اس وقت دل کے اندر نفسانی اور دُنیاوی حرص وہوا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس وقت دل ہر قسم کے علائق سے آزاد ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر شیخؒ نے فرمایا کہ سماع دو قسم کا ہوتا ہے، ہاجم اور غیر ہاجم۔ ہاجم اُس سماع کو کہتے ہیں جس کے سننے ہی ہجوم (غلبہ) پیدا ہو مثلاً جب کوئی آواز یا کوئی بیت سنے اور اس میں جنبش پیدا ہو تو اس حال کو ہاجم کہتے ہیں اور اس کی شرح نہیں ہو سکتی، لیکن غیر ہاجم وہ سماع ہے جو سننے والے کو کسی اور جگہ لے جاتا ہے۔ خواہ حضورِ الٰہی میں یا اپنے مرشد کے پاس، یا کسی ایسی جگہ جس کا خیال اس کے دل میں آئے۔

ایک مرتبہ اتوار کے روز بیسویں ربیع الآخر ۷۱۶ھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سُست اعتقاد لوگوں کا ذکر ہوا، وہ لوگ جو زیارتِ کعبہ کو جاتے ہیں اور واپس آنے پر پھر دُنیا کے دھندوں میں پڑ جاتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو حضرت مخدوم سے اپنا روحانی ناطہ جوڑ کر کسی اور طرف چلے جاتے ہیں۔ جب میں نے یہ بات کہی میرا دوست ملیح بھی وہاں حاضر تھا۔ چنانچہ عرض کیا کہ اس عاجز نے اپنے اس دوست ملیح سے کسی وقت ایک بات سنی تھی جو میرے دل میں اتر گئی تھی، اس نے کہا تھا کہ جو کوئی شخص

جائے جس کے مرشد نہ ہو۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے یہ بات سنی تو آپ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور زبانِ مبارک سے یہ مصرع فرمایا ؎

ایں رو بسوئے کعبہ رو دواں بسوئے دوست

ایک بار تلاوتِ قرآن کا ذکر ہوا۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں جس وقت بھی قرآن مجید پڑھتا ہوں تو جو کچھ مجھے معلوم ہوتا ہے وہ میرے دل میں اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اگر تلاوت کے دوران میں میرا دل کسی فکر یا خوف میں مبتلا ہو تو میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ یہ فکر اور خوف کیا ہے۔ چنانچہ میں اپنے دل کو کلامِ مبین کی طرف رجوع کرتا ہوں اور فوراً وہی آیت سامنے آتی ہے جو اس فکر و غم کو زائل کر دیتی ہے یا میری نظر کسی اور آیت پہ پڑ جاتی ہے جس سے وہ مشکل حل ہو جاتی ہے جو دل کو گھیرے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک اعلیٰ وصف ہے اور اس کی اچھی طرح نگہداشت کرنی چاہیئے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک روز میر حسن نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ نعمتِ رویت جس کا وعدہ مومنوں سے کیا گیا ہے اس کے حاصل ہونے کے بعد اور نعمتوں کو کوئی کیا دیکھے گا۔ ارشاد ہوا کہ یہ سخت کوتاہ نظری ہوگی کہ اس نعمت کے حصول کے بعد اور کسی چیز کو دیکھے۔

امیر حسن کا مولد و منشاء دہلی ہے۔ تمام زندگی مجردانہ بسر کی۔ آخری عمر میں دیوگیر (دولت آباد) تشریف لے گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ روضۂ مبارک بھی اسی جگہ ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ شمس الدینؒ

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے بھانجے ہیں، افاضل روزگار میں سے تھے حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے بہایت محبت رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت جب تک شیخؒ کا جمال نہ دیکھ لیتے تحریمہ نہ باندھتے صفِ جماعت سے سر باہر نکال کر شیخ کے روئے مبارک کو دیکھ لیتے، پھر تحریمہ باندھتے۔

ایک دفعہ حضرت شیخؒ آپ کے مرض الموت میں عیادت کو تشریف لے گئے، راستے ہی میں تھے کہ آپ کی وفات کی خبر ملی۔ فرمایا "الحمد للہ کہ دوست بدوست رسید۔"

امیر خسروؒ کے مرقد کے بائیں ایک قبر ہے جسے لوگ امیرؒ کے بھانجے کی قبر کہتے ہیں، بہت ممکن ہے یہ قبر خواجہ شمس الدینؒ کی ہو۔ واللہ اعلم

رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ ضیاءُ الدین برنیؒ

صاحبِ تاریخِ فیروز شاہی، شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مُرید ہیں اور اُن کے قرب و عنایت سے مخصوص تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی مجموعۂ لطائف و ظرائف تھی اور آپ کو ہر قسم کے اقوال اور حکایات یاد تھیں، علماء و مشائخ و شعراء کی صحبت سے حفظِ تمام رکھتے تھے، آپ کو امیر خسرو اور میر حسن کے ساتھ بہت محبت تھی اور ان کی صحبت سے مستفیض و مستفید ہوتے تھے۔ شروع ہی سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر غیاث پور میں ساکن ہو گئے، اور آخر میں لطافتِ طبع اور ذوقِ ندیمی کے سبب مستقل طور پر سلطان محمد تغلق کے ندیموں میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد فیروز شاہ کے عہدِ حکومت میں صرف مایحتاج پر کفایت کر کے گوشہ گیر ہو گئے اور دُنیا سے مجرّد و منزّہ ہو کر رحلت فرمائی کہتے ہیں کہ آپ کے جنازہ پر بوریا کے سوا کچھ نہ تھا اور شیخ نظام الدین اولیائے کے روضۂ مبارک کے جوار میں اپنی والدۂ بزرگوار کے پائین مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ مولانا ضیاءُ الدین برنیؒ اپنے حسرت نامہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشراق کے وقت سے چاشت تک حضرت شیخؒ کے جان بخش کلمات سننے میں مشغول تھا۔ اس روز بہت سے بندگانِ خدا سلطان المشائخ کی خدمت

میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مشائخِ سلف مرید کرنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے لیکن شیخ نظام الدین اپنا اپنے فیضِ عام کی وجہ سے ہر خاص و عام کی دست گیری کرتے ہیں اور بیعت بیلتے ہیں، میں نے چاہا کہ ان سے اس بارے میں سوال کروں، لیکن چونکہ حضرت خواجہؒ مکاشفِ عالم تھے میرے خطرے سے فوراً آگاہ ہو گئے اور فرمایا، تم ہر قسم کی باتیں مجھ سے دریافت کرتے ہو مگر کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ میں تحقیق کیے بغیر ہر آنے والے کو بیعت کا ہاتھ کیوں دے دیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت پیدا کی ہے جو اس زمانے کے لوگوں میں رسم و عادت کے طور پر پھیل جاتی ہے اور کسی دوسرے زمانے کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت سے نہیں ملتی، مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے، اور سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک وہ مرید میں کلی انقطاع نہ دیکھتے تھے اس کو دستِ بیعت نہ دیتے تھے لیکن شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ جو ایک آیتِ حق تھے اُن کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے عہد تک اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے زمانے سے شیخ فرید الدین قدس سرہٗ کے عہدِ دولت تک یہ حال تھا کہ ان شاہانِ دین کے آستانوں پر ہر وقت ہجومِ خلائق رہتا تھا اور ہر چہار طرف سے بادشاہ، امرا، مشاہیر اور دیگر لوگ جوق در جوق آتے تھے اور عذابِ اخروی کے خوف سے خود کو ان عاشقانِ خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے، اور یہ مشائخ عام و خاص سے برابر بیعت لیتے تھے، مگر کوئی شخص دوستانِ خدا کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس نہیں کر سکتا کہ انھوں نے جس طریقے سے لوگوں کو مرید

کیا میں بھی اسی طرح کروں. تمہارے اس سوال کے جواب میں کہ میں مرید کرنے میں احتیاط اور تسلی نہیں کرتا ایک تو یہ بات ہے کہ میں متواتر سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے گناہوں سے باز رہتے ہیں، نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اگر میں شروع ہی میں حقیقتِ ارادت کی شرائط اُن کے سامنے بیان کروں تو وہ اس قدر بھلائیوں سے بے نصیب رہیں جو اُن سے ظہور میں آتی ہیں، دوسرے یہ کہ مجھے شیخ کامل مکمل سے اس بات کی اجازت ہے کہ کسی حاضری، التماس، وسیلہ یا شفاعت کے بغیر لوگوں سے بیعت لوں، اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان عجز و اضطراب اور بے چارگی کی حالت میں میرے دروازے پر آکر کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، تو میں اس خیال سے کہ شاید اس کا قول صحیح ہو اس کو دستِ بیعت دیتا ہوں؛ خاص کر جب کہ میں صادق لوگوں سے سنتا ہوں کہ میری ارادت اہلِ بیعت کو گناہوں سے باز رکھتی ہے، اس کا ایک اور سبب جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ ایک روز حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ نے قلم دوات اپنے سامنے سے اٹھا کر مجھے دی اور فرمایا کہ تعویذ لکھو اور حاجت مندوں کو دو، مگر جب انہوں نے مجھ میں ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا تم تو ابھی دُعا لکھنے سے ملول ہوتے ہو، جب تیرے دروازے پر حاجت مندوں کی کثیر تعداد آیا کرے گی اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ میں شیخؒ کے قدموں میں گر پڑا اور روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے مجھ کو بزرگ کیا اور اپنی خلافت عطا فرمائی، میں ایک طالب علم تھا اور لوگوں کے اختلاط سے متنفر تھا، یہ بہت بڑا کام ہے اور مجھ بیچارے کی ہمت سے باہر ہے، مخدوم کی یہی ارادت

اور نظرِ شفقت میرے لیے کافی ہے۔ اُنھوں نے میری عرضداشت سنی تو فرمایا تم اس کام کو ٹھیک انجام دو گے۔ میں نے اس بارے میں الحاح کیا تو میری عذر اَنجوہی سے خواجہؒ پر حال کی کیفیت طاری ہو گئی، وہ اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور مجھے نزدیک بلاکر اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا: "نظام! کل مسعود بندہ کو درگاہِ بے نیازی میں آبرو ملے گی یا نہیں، اگر ملے تو میں تمہارے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک بہشت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک کہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ بہشت میں نہ لے جاؤں جن کو تم نے دستِ بیعت دیا ہے۔ یہ کہہ کر سلطان المشائخ نے تبسم کیا اور فرمایا: "مجھ کو اس طرح خلافت دی گئی ہے، یہ کام کبھی اچھا ہوتا ہے اور کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ تمام عمر اس کام کی طلب میں رہتے ہیں اور حیلہ، مکر، جھوٹ اور فریب سے اس نازک کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں وہ کس طرح اس سے عہدہ برآ ہوں گے، میں نے برای العین مشاہدہ کیا ہے کہ میرے مخدوم درگاہِ بے نیازی کے واصلین میں سے ہیں اور جس مشرب سے بایزید، جنید اور دوسرے مستانِ عشقِ الٰہی نے جام نوش کیے ہیں وہ بھی اسی مشرب سے شاد کام تھے۔ جب انھوں نے اُن لوگوں کے بارے میں جن کو میں بیعت کا ہاتھ دیتا ہوں یہ ارشاد فرمایا ہے اور یہ ذمہ داری لی ہے تو پھر کون سی چیز مجھ کو بیعت لینے سے مانع رکھ سکتی ہے۔" رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ ضیاءالدین نخشبیؒ

بدایون کے رہنے والے تھے۔ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر یادِ حق میں مشغول رہے۔ متعدد تصانیف کے مالک ہیں، مثلاً سلک السلوک، عشرہ مبشرہ، کلیات وجزئیات، طوطی نامہ اور اسی قسم کی دوسری کتابیں۔ آپ کی تمام تصنیفات متشابہ ومتشاکل واقع ہوئی ہیں۔ سلک السلوک ایک نہایت شیریں اور رنگین کتاب ہے جس میں بہت لطیف اور مؤثر پیرائے میں مشائخ کی حکایات اور اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ آپ کی اکثر تصانیف ایک ہی طرز و نہج کے قطعات سے بھری ہوئی ہیں۔ مثلاً قطعہ

نخشبی خیز بازمانہ بساز   ورنہ خود را فسانہ ساختن است

عاقلان زمانہ می گویند   عاقلی با زمانہ ساختن است

آپ کے حال سے یہ ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کی صحبت سے علیحدہ رہتے تھے اور کسی سے اعتقاد و انکار نہ رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیارؒ کے زمانے میں ضیار نام کے تین شخص تھے۔ ایک ضیا سنامی جو حضرت شیخؒ کے منکر تھے، دوسرے ضیا برنی جو شیخؒ کے معتقد و مرید تھے اور تیسرے ضیا نخشبی جو نہ منکر تھے نہ معتقد۔

سنا گیا ہے کہ آپ شیخ فرید کے مرید ہیں جو سلطان التارکین شیخ حمید الدین

ناگوری کے پوتے اور خلیفہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ آپ کی وفات ۱۵۷ھ میں واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

سلک السلوک میں فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ نے ایک لونڈی خریدی، جب رات ہوئی تو لونڈی سے کہا: "کنیزک! میرا بستر کر دے تاکہ میں سو جاؤں۔" لونڈی نے عرض کیا: "اے خواجہ! کیا تمہارے بھی کوئی مولیٰ ہے؟" خواجہ نے کہا "ہاں" لونڈی نے پوچھا: "کیا وہ بھی سوتا ہے یا نہیں؟" خواجہ نے جواب دیا "نہیں" لونڈی نے کہا "تو پھر تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو۔"

بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ کون سا جاندار سب سے زیادہ سرکش ہے؟ اس نے کہا انسان کہ اس کے سامنے موت اور فقر اور آگ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا چابک سوار ہے اور انبیاء اس کو ہانکنے والے ہیں اور کتابیں اس کی راہبر ہیں اور پھر بھی وہ سرکش ہے۔

سفر سفر۔ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمہاری قوم میں جتنے صالح لوگ ہیں ان کو دوسروں سے الگ کر دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی تو بہت سے لوگ باہر نکل آئے۔ حکم ہوا ان میں سے صالح تر لوگوں کو چن لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا کہ ان میں سے بھی چنو، چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ نے ستر میں سے سات چنے۔ پھر حکم ہوا کہ ان میں سے بھی انتخاب کرو، تب ان میں سے تین چنے، حکم آیا "اے موسیٰ! یہ تینوں خدا کے نزدیک سب سے برے ہیں کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ تم صالحین کو پکارتے ہو تو یہ اپنے آپ کو صالح سمجھ کر باہر آ گئے۔"

اے عزیز! یہ ایسا راستہ ہے کہ اگر کوئی طاعت نہ کرے تو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو طاعت کا دعویٰ کرے، ملکِ شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں، لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانے میں ڈالا جاتا ہے، قطعہ

نخشبی تا نظر بخود نہ کنی   شُل ایں کار مردہ نکند
ہر کرا سوئی خود نگہ باشد   ہیچ کس سوئے او نگہ نکند

احکامِ طریقت کے محکم کر دیا جن کے حکم کی محکوم ہے ایسا کہتے ہیں اگر کوئی شخص بلی کا محکوم ہو تو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو اپنے نفس کا محکوم ہو، لہذا ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کے دن جب اپنی خانقاہ سے باہر نکلتے تو جس کسی کو دیکھتے اس سے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے۔ ایک بار ایک شخص نے کہا کہ تم برسوں سے مسجد جاتے ہو لیکن ابھی تک راستہ معلوم نہیں انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم ہے مگر جس راستے پر تم چل رہے ہیں اس پر محکوم ہو کے چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے۔ ہاں اپنی ذات کو دوسروں کے طفیل سمجھنا ہی اصل کام ہے۔

سنو سنو وہب منبہ کہتے ہیں کہ کعب احبار مسجد میں سب صفوں سے پیچھے کھڑے ہوتے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے؟ فرمایا۔ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جب ان میں سے ایک سربسجود ہو گا اور اس نے ابھی اپنا سر پوری طرح نہ اٹھایا ہو گا کہ رب العزت ہر اس شخص کو بخش دے گا جو اس کے پیچھے کھڑا ہو گا، میں بھی سب سے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تاکہ اس کے سجدے کے طفیل میرا کام بن جائے۔ قطعہ

نخشبی درمیان مبین خود را   قطرہ را چہ سیل می خوانی

ہمہ کس در طفیلِ تو گردد　　گر تو خود را طفیلِ کس دانی

شیخ المشائخ عبد اللہ خفیف قدس اللہ سرہٗ بیمار ہوئے تو ایک طبیب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے یا شیخ آپ کو کونسی بیماری ہے۔ انہوں نے فرمایا وجود، جب یہ زائل ہو جائے گا تو بیماری بھی جاتی رہے گی۔

محمد واسع جن کی چشمِ ہمت میں جہانِ وسیع چیونٹی کی آنکھ سے بھی زیادہ تنگ تھا کہتے ہیں اگر گناہ میں بُو ہوتی تو کوئی شخص میرے پاس نہ بیٹھ سکتا۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی فرماتے ہیں قُربُ القرب جس میں ہم ہیں بُعد البعد ہے۔ میرے عزیز جو شخص پانی کے زیادہ قریب ہوتا ہے وہی جلدی ڈوبتا ہے اور جو شخص آگ کے زیادہ قریب ہوتا ہے وہی پہلے جلتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک جوان زبیدہ کے دروازہ پر گیا اور کہا میں زبیدہ پر عاشق ہو گیا ہوں۔ یہ خبر زبیدہ کو پہنچی تو زبیدہ نے اس کو اندر بلایا اور کہنے لگی کہ خبردار پھر کبھی ایسی بات نہ کہنا۔ اس نے کہا مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ زبیدہ نے کہا۔ اچھا دو ہزار درم لے لو۔ اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ دس ہزار تک نوبت پہنچی۔ جوان نے جب دس ہزار درم کا نام سنا تو راضی ہو گیا۔ زبیدہ نے یہ حال دیکھا تو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دیں، ھذا جزاء من ادعی محبتنا ولم یکتف بنا عما لنا۔

سنو، سنو، ایک بزرگ تھے، ان کی عادت تھی کہ ہر وقت دائیں بائیں دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ کسی نے ان کو آواز دی۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھنا چاہا تو آواز آئی جس نے ہم سے پھر کر ہمارے

غیر کی طرف التفات کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

عزیز من اگر تو ہزار برس بھی اس راہ پر چلے اور پھر تیرے دل میں خیال آئے کہ یہ قبول ہونا چاہیئے تو ہنوز تو مردِ جاں طلب ہوگا نہ راہِ طلب، جو شخص کہ دوبارہ راہِ بول سے باہر آیا ہو اس کو جاہ سے کیا کام، بیچارے کو ماہِ مہین اور حمأ مسنون سے وجود میں لائے ہیں۔ ضعیف سے ضعیف، مٹی سے مٹی، مفلس سے مفلس، عاجز سے عاجز، متحیر سے متحیر، پھر اس کا گریبان پکڑ کر جوانمردوں کے معرکہ میں لائے ہیں، ایک طرف سے امر کھینچتا ہے اور ایک طرف سے حکم۔

اے برادرِ گرامی، اگر تو اس راستے سے منزل پر پہنچنا چاہتا ہے تو خبردار اپنے آپ کو درمیان میں نہ دیکھ، جو لوگ کہ طاعت سے تونگر ہوئے ہیں وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مفلس تصور کرتے ہیں، جو لوگ کہ ہمیشہ مفلس رہے ہیں وہ اپنے آپ کو تونگر کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

رابعہ بصری سے لوگوں نے پوچھا۔ کیا تو ابلیس کو دشمن سمجھتی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب ملا "میں دوست کی محبت میں اس قدر مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر نہیں۔"

ایک بزرگ سے پوچھا۔ دنیا کس کے مانند ہے۔ اس نے جواب دیا کہ دنیا اس لائق نہیں کہ کوئی اس کے مانند ہو۔

ایک شخص کسی درویش کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں کچھ دن تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ درویش نے کہا کہ جب میں نہ ہوں گا تو کس کے ساتھ رہو گے۔ اُس نے کہا۔ خدا کے ساتھ، تب درویش نے کہا۔ بس یہی سمجھ لو کہ میں نہیں ہوں

اور اسی وقت خدا کے ساتھ رہو۔

ایک دفعہ کسی دُنیادار آدمی نے ایک درویش کے گھر سے پانی مانگا۔ اس نے خراب اور گرم پانی دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ پانی تو نہایت گرم اور خراب ہے درویش نے جواب دیا۔ اے خواجہ! ہم لوگ قید خانے میں ہیں اور قیدی کبھی اچھا پانی نہیں پیتے۔

یحییٰ معاذ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ اس سے پوچھا عالم بالا میں تیرے ساتھ کیا بیتی؟ اس نے جواب دیا "جب میں وہاں پہنچا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ تم دنیا سے کیا لائے ہو؟ میں نے کہا قید خانے سے آ رہا ہوں۔ وہاں سے کیا لا سکتا تھا، اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ستر برس قید خانے میں کیوں رہتا۔"

ایک مرتبہ مریدوں کی ایک جماعت نے ایک پیر سے دریافت کیا "ہم کس راستے سے آئیں کہ خداوند عزّوجلّ کے حضور میں پہنچ جائیں۔" اس نے کہا تم کس راستے سے آئے تھے کہ تمہیں راستہ نہیں ملا۔

کہتے ہیں مروت وہ رکھتا ہے جو بے مروتوں سے رنجیدہ نہ ہو۔

خواجہ علی سیّاح فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے سوا کوئی تمنا نہیں کہ کوئی شخص حق کی بات کہے اور میں اس کو سنوں یا میں حق کی بات کہوں اور کوئی سنے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے حسن بصری سے پوچھا آپ ہم کو کیا کہتے ہیں۔ فرمایا دشمنِ خدا۔ کہا، اور اپنے آپ کو کیا کہتے ہیں۔ فرمایا دوستِ خدا۔ یہودی نے کہا خبردار! صرف نام پر مغرور نہ ہونا کہ ایک وقت میرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا، میں نے اس کا نام خالد رکھا اور خالد کے معنی "ہمیشہ رہنے والا" ہے مگر وہ پہلے ہی دن مر گیا۔

دولت مندوں کو دولت سے چار چیزیں ملتی ہیں، جسمانی رنج[1]، دل کی مشغولی[2]،
دین[3] کا نقصان اور قیامت[4] کا حساب اور درویشوں کو درویشی سے چار چیزیں ملتی ہیں
جسمانی آسائش[1]، دل کی فراغت[2]، دین کی[3] سلامتی اور حساب[4] قیامت سے نجات،

اے درویش! ایک روز صبح سے شام تک اپنے نفس کے ساتھ جنگ کر
اور دیکھ کر کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مرد وہ ہیں جو اپنے نفس کے ساتھ ایسی جنگ کرتے
ہیں جس کی صلح ہی نہیں ہوتی، میرے عزیز! جو شخص ہمیشہ اپنے نفس کا احتساب کرتا
ہے اس کے نفس سے سب دعوے جاتے رہتے ہیں اور معنی رہ جاتے ہیں۔

سنو سنو ایک مرتبہ ایک بانیاز بقال نے کہ جس کی ترازو کے پاسنگ میں ہزاروں
آسمان زیب دیتا تھا کسی شخص کو دیکھا کہ وہ شیر پر سوار ہے اور سانپ کا کوڑا بنائے
ہوئے ہے۔ اس نے کہا کہ یہ سب کچھ بہت آسان ہے، اصل کام یہ ہے کہ
کوئی شخص ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھے اور حق کا کام کرے۔

ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ بارہا فرماتے تھے ہم فقر کو ڈھونڈنے نکلے تھے خود
تونگری ہمارے سامنے آئی۔

ایک مرتبہ ایک شخص کہتا تھا میں ایسا جانتا ہوں کہ تمام دنیا خراب ہے۔ اگر آباد
ہوتی تو آخر کوئی مجھ کو اس کام سے منع کرتا جو میں کرتا ہوں اور کہتا کہ تم یہ کیا کرتے ہو۔
دنیا کی آبادی مردانِ دین ہی سے ہوتی ہے، جب مردانِ دین کم ہو گئے تو دنیا خراب ہو گئی

خواجہ جنیدؒ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کا معاملہ کہاں تک پہنچا،
انھوں نے جواب دیا عشق کا کام اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے جتنا کہ ہم دنیا میں گمان کرتے تھے

سنو سنو ایک بزرگ نے بازار جا کر کچھ خریدنا چاہا، دینار کو پہلے گھر میں تولا جب

بازار سے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا "جب آج گھر کی بات بازار میں پوری نہیں اُترتی تو کل آخرت میں دُنیا کی باتوں کا کیا حال ہو گا۔ رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ ضیاء الدین سنامیؒ

دیانت و تقویٰ میں مقتدائے وقت تھے اور شریعت کے نہایت پابند تھے شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے اور ہمیشہ سماع کی بنا پر حضرت شیخ کا احتساب کرتے تھے، لیکن شیخؒ اس پر صرف معذرت و انکسار کا اظہار فرماتے اور مولانا ضیاء الدین کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔

نصاب الاحتساب آپ کی ایک کتاب ہے جو مختلف بدعتوں اور احکامِ سنت کے دقائق و آدابِ احتساب پر حاوی ہے۔

منقول ہے کہ مولانا ضیاء الدینؒ کے مرض الموت میں شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی عیادت کو گئے۔ مولانا نے اپنی دستار شیخ کے قدموں میں بچھا دی، شیخ نے دستار اٹھا کر اپنی آنکھوں پر لگالی۔ جب وہ مولانا کے سامنے بیٹھے تو آپ نے ان سے آنکھیں چار نہ کیں۔ جب حضرت شیخؒ اٹھ کر باہر آئے تو مولانا کے فوت ہو جانے کا شور بلند ہوا۔ شیخؒ روتے تھے اور تاسف کرتے تھے کہ ایک ذات حامیٔ شریعت تھی، حیف کہ وہ بھی نہ رہی۔

رحمۃ اللہ علیہما

مولانا جلال الدین اودھیؒ

زُہد و ورع، ترک و تجرید اور عُزلت سے موصوف تھے، سب لوگوں کے نزدیک معظّم و مکرّم تھے۔ ایک بار حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے یاروں میں سے ایک جماعت کو جن کی عمریں بحث و مطالعہ میں گزری تھیں، یہ خواہش ہوئی کہ درس و تدریس میں مشغول ہوں۔ انہوں نے مولانا جلال الدین کو آمادہ کیا کہ وہ حضرت شیخ کی خدمت میں یہ عرضداشت کریں اور اس باب میں اُن سے اجازت حاصل کریں، جب آپ نے شیخؒ کے حضور میں عرض کی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ ان سب کا سوال ہے جو یہاں حاضر ہیں۔ فرمایا "میں کیا کر سکتا ہوں، مجھے ان سے کچھ اور مطلوب ہے اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ مثل پیاز پوست در پوست ہیں" رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ مؤید الدین کرئیؒ

ابتدائے حال میں دنیا کے کاموں میں مشغول تھے اور بادشاہ اور شاہزادے سے دوستی رکھتے تھے۔ عہدِ امیری میں جب سلطان علاءُ الدین کے پاس کرہ کی جاگیر تھی یہ بزرگ اُس کی خدمت میں کارہائے نادر انجام دیتے تھے، آخر کار حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی سعادتِ ارادت سے مشرف ہوئے اور اپنی

مرضی سے دُنیا چھوڑ کر الگ بیٹھ گئے۔ جب سلطان علاؤ الدین سریر آرائے سلطنت ہُوا تو اس نے خواجہ مؤید الدین کو یاد کیا، جب اُسے معلوم ہُوا کہ آپ تارکِ دُنیا ہو گئے ہیں اور حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کے آستان بوس ہیں تو اس نے حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ مخدوم کی جانب سے خواجہ مؤید الدین کو اجازت دی جائے کہ وہ ہمارے پاس آکر کام کریں۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اس کو کوئی اور کام درپیش ہے جس کی استعداد حاصل کر رہا ہے۔ سلطان کے چوبدار کو یہ بات ناگوار گزری۔ اُس نے کہا "مخدوم چاہتے ہیں کہ سب کو اپنے جیسا کر لیں" فرمایا "اپنے جیسا کیا، اپنے سے بہتر کرنا چاہتے ہیں" جب بادشاہ نے یہ بات سنی تو اس نے آپ کو بلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

آپ کی قبر حضرت نظام الدین اولیاء کے روضۂ مبارک کے پائین ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ

شیخ نظام الدین شیرازیؒ

آپ کا ظاہر و باطن بلند اوصاف اور عالی صفات سے آراستہ تھا۔ تصوّف کے راہ و رسم سے خوب واقف تھے اور سماع سے نہایت شیفتگی رکھتے تھے۔ بحث و تقدیر میں ممتاز تھے۔ آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے یارانِ اعلیٰ میں نہایت معظم و معزز تھے اور حضرت شیخ کی نظرِ خاص سے ملحوظ و محفوظ تھے۔

قبر شریف سلطان علاؤ الدین کی دہلی کے اندر ہے۔ آپ کی سکونت بھی وہیں تھی اور اپنے گھر کے جوار ہی میں مدفون ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجہ شمس الدین دھاریؒ

ابتدائے حال میں دیوانی کا کام کرتے تھے۔ بعد ازاں توبہ کی اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہو گئے اور حضرت شیخؒ کے ملفوظات کی ایک کتاب مرتب کی۔ ایک روز آپ نے شیخؒ کی خدمت میں التماس کی کہ اگر فرمان ہو تو آنے جانے والوں کے لیے ایک حجرہ تعمیر کرا دیا جائے۔ شیخؒ نے فرمایا:

"یہ کام بھی اس سے کم نہیں جس کو چھوڑ کر آئے ہو۔"

آپ کی قبر ظفر آباد میں ہے۔

رحمت اللہ علیہ

خواجہ احمد بدایونیؒ

مجرد تھے اور ابدال کا طریقہ رکھتے تھے۔ سماع میں بے قرار ہو جاتے تھے۔ سیر الاولیاء کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے اس بزرگ سے پوچھا کہ خوش تر رہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا "خوشی تو اس میں ہے کہ مجھے پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مل جائے۔"

رحمت اللہ علیہ

مولانا حمیدؒ

شاعر قلندر، کتاب خیر المجالس کے جامع ہیں، حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔ کبھی کبھی اپنے والد ماجد کے ہمراہ شیخؒ کے حضور میں آتے اور ان کی مجلس شریف میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے۔ آپ نے اپنی قابلیت و استعداد کے مطابق شیخؒ کے بعض خلفاء سے استفادہ کیا۔ اگرچہ آپ کا شاعرانہ کلام اس قبیل کا نہیں کہ آپ کو شاعر کہہ کر پکارا جائے مگر آپ اس نام سے مشہور ہو گئے ہیں۔ آپ کی اصل شہرت حمید قلندر کے نام سے ہے۔

شروع میں آپ مولانا برہان الدین غریبؒ کی خدمت میں رہے اور ان کے تمام ملفوظات کو جمع کیا۔ اس کے بعد شیخ نصیر الدین محمودؒ کی ملازمت میں آ گئے اور ان کے ملفوظات کو بھی مرتب کر کے خیر المجالس نام رکھا۔ آپ نے اس مجموعے کی تالیف کا کام ۷۵۵ھ میں شروع کر کے ۷۵۶ھ میں ختم کیا۔

خیر المجالس میں لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ نے فرمایا۔ ہم تجھے قلندر کہیں یا صوفی، قلندر کس طرح کہہ سکتے ہیں کیونکہ تم ایک طالب علم ہو۔ بندہ نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے یہاں دسترخوان بچھا ہوا تھا اور شیخؒ نے روزہ افطار کیا۔ کھانے کے دوران میں ایک روٹی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور دوسرا بندے کے سامنے رکھ دیا۔ بندہ نے اس کو اٹھا کر آستین میں رکھ لیا۔ جب میں شیخ کی خدمت

سے اٹھ کر باہر آیا تو مجھے قلندروں نے آگھیرا اور کہنے لگے شیخ زادہ! ہمیں کچھ دو۔ میں نے کہا میرے پاس کیا ہے؟ قلندروں نے کشف سے کہا آدھی روٹی جو تم نے شیخ سے لی ہے ہم کو دے دو۔ میں بچہ تھا حیران ہو گیا کہ ان کو کیسے معلوم ہوا جبکہ ان میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ مجبوراً میں نے وہ نصف روٹی آستین سے باہر نکالی اور ان کے حوالے کر دی۔ قلندر وہیں مسجد کیلوکھڑی کے نزدیک ایک گھر کی دہلیز میں بیٹھ گئے اور اس آدھی روٹی کے ٹکڑے کر کے سب نے کھا لیے اس اثنا میں بندہ کے والد بزرگوار، شیخ کی خدمت سے باہر آئے اور انہوں نے پوچھا وہ روٹی کہاں ہے۔ میں نے کہا۔ قلندروں کو دے دی ہے۔ والدِ بزرگوار نے غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور تاسف سے کہا ان کو کیوں دی، وہ تو نعمت تھی۔ اسی پریشانی میں وہ شیخ کی خدمت میں واپس گئے۔ شیخ کو حقیقتِ حال معلوم ہو گئی اور اس معاملے کا ذکر کر کے فرمایا۔ مولانا تاج الدین! خاطر جمع رکھو، یہ لڑکا قلندر رہے گا۔ یہ سن کر والد بزرگوار کے دل کو سکون آیا۔ اب چونکہ شیخ نے مجھے قلندر کہا تھا مخدوم بھی قلندر رہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت سنی تو فرمایا۔ تم حضرت شیخ کے مرید ہو؟ مجھے معلوم نہیں تھا۔ آؤ گلے مل جاؤ، بندہ نزدیک گیا اور خواجہ نے شفقت سے گلے لگا لیا۔ برکتِ کثیر حاصل ہوئی۔ والحمد للّٰہ رب العالمین ط

نویں مجلس، حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کی خدمت میں سعادتِ قدم بوسی میسر ہوئی، اس وقت ان پر حال کی کیفیت طاری تھی۔ انہوں نے فرمایا کیا لکھتے ہو، پھر فرمایا اس معنی میں کوئی چیز کہو کہ گاہے صوفی اور گاہے قلندر کیا ہے۔ بندہ نے ایک مصرع کہا جو یہ ہے۔ ع گاہ صوفی و گہہ قلندر چیست۔ فرمایا دوسرا مصرع کہو۔ میں نے کہا۔

ع چوں قلندر شدی قلندر باش۔

پھر کچھ دیر تفکر کرکے فرمایا۔ کیا لکھتے ہو، پھر فرمایا مجھ کے لیے تذکیر کا کیا وقت ہے اور تمہارے لیے قلندر بننے اور غیر خدائے عزوجل کے ساتھ مشغول ہونے کا کیا وقت ہے۔ جاؤ گوشہ گیری اختیار کرو۔ جس مرد کی پیروی تم نے اختیار کی ہے وہ اُن میں سے تھا کہ اس کو ڈاڑھی بھی گراں محسوس ہوئی۔ اس کو ترشوا کر باہر نکل گیا اور قبلہ رو آسمان کی طرف آنکھیں گاڑ کر متحیر ہو گیا۔ سہ

در عشق چہ جائے خانہ داریست　　مجنون شو و کوہ گیر و بخروش

بندہ پر اس کلام نے اثر کیا اور عرض داشت کی کہ اس لائق تو نہیں ہوں لیکن اتنی کمالیت رکھتا ہوں کہ لوگوں کے درمیان رہتا ہوں، لباس پہنتا ہوں اور علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ خواجہؒ نے تھوڑی دیر تفکر کیا اور سر اٹھا کر ایک آہ کھینچی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا اگر شیخ کا فرمان نہ ہوتا کہ شہر میں رہنا چاہیئے اور لوگوں کی جفا و خفا کو برداشت کرنا چاہیئے تو پھر کہاں میں اور کہاں شہر، بیابان اور کوہ و دشت کی طرف نکل جاتا۔ پھر دوبارہ زبان مبارک پر یہ شعر آیا۔ بیت

در عشق چہ جائے خانہ داریست　　مجنون شو و کوہ گیر و بخروش

بندہ پر اس کلام نے اثر کیا، باہر آیا حیران تھا کیا کروں، ایک خیال آیا کہ خواجہ خضرؑ کے مقام پر جا کر مشغول ہو جاؤں، وہ ایک با نزہت اور پانی کے کنارے خوش منظر مقام ہے اور درویش وہاں خواجہ خضرؑ سے ملاقات کرتے ہیں، پھر خیال آیا کہ وہاں نمازِ جمعہ کی دشواری ہوگی، کیلو کھڑی میں جا بیٹھوں کیونکہ اپنا وطنِ مالوف اور کنارِ آب ہے، اس ضعیف کے والد مولانا تاج الدین وہیں ہیں اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کی زیارت

بھی نزدیک ہے، پھر یہ خیال آیا کہ یہ سب نمود ہے، کہیں نہ جاؤں، یہیں شہر میں رہوں
شیخ الاسلام شیخ نصیرالدین محمود کے فوائد لکھنے شروع کیے ہیں، اگرچہ تمام پر حاوی نہیں
ہو سکتا لیکن جو کچھ فہم میں آتا ہے اس کو معرض تحریر میں لاؤں تاکہ کسی کام آسکے، مگر
دل میں گزرا کہ شاید حضرت خواجہ سلمہ اللہ تعالیٰ بعد ازیں کوئی فائدہ بیان نہ فرمائیں گے۔
چار روز کے بعد خدمت میں حاضر ہوا۔ بہت فوائد بیان فرماتے بلکہ پہلے فوائد کا بھی
اعادہ فرمایا۔ الحمد للہ رب العالمین

۸اویں مجلس۔ قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی بندہ نے عرض کیا کہ اس شہر میں
بندہ کا دل حضرت شیخ کے روضہ متبرکہ کے سوا اور کسی جگہ آسودہ نہیں ہوتا۔ سعادت
مآب خواجہ نے ارشاد فرمایا "تا راہ نروند بمنزل نرسند" (جب تک راستہ نہ چلیں گے منزل پر نہ
پہنچیں گے) اگر کوئی چاہے کہ بیٹھے بٹھائے منزل پر پہنچ جائے تو یہ نہیں ہو سکتا۔
مجاہدہ شرط ہے۔ وَالَّذِینَ جَاهَدُوا فِینَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا
(جنہوں نے ہمارے لیے مجاہدہ کیا ان کے لیے ہمارا راستہ کشادہ ہو جاتا ہے) پھر فرمایا مجاہدہ
سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ مجاہدہ کا حاصل صرف القلب من الالتفات الی غیر
اللہ والاستغراق فی طاعۃ اللہ ہے یعنی مجاہدہ کا حاصل یہ ہے کہ غیر اللہ سے دل
کو پھیر کر طاعت اللہ میں استغراق کی طرف لگایا جائے۔ اس کے بعد فرمایا یہ لا الٰہ الا اللہ کا
بھید ہے۔ صرف القلب من غیر اللہ نفی ہے اور الاستغراق فی طاعۃ اللہ اثبات
ہے۔ بندہ نے عرض کیا اے خواجہ! یہ بندہ تھوڑی مشغولی رکھتا ہے لیکن صوم
دوام اصلا ممکن نہیں۔ گرمیوں میں شہر دہلی کی آب و ہوا معلوم ہے، آگ برستی ہے
دم بدم پیاس لگتی ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ درویش! اگر تم روزہ نہیں رکھ سکتے تو کھانا

کم کردو۔ پھر فرمایا۔ یادِ حق میں کہاں مشغول ہوتے ہو گھر میں یا کسی اور جگہ۔ بندہ نے عرض کی کہ گھر میں باوجودیکہ مزاحمت ہوتی ہے اور غلبہ بہت ہوتا ہے مگر بندہ کو مانع نہیں، اور اگر دل گرفتہ ہو جاؤں تو کسی باغ یا صحرا میں درخت کے نیچے چلا جاتا ہوں کہ نہ میں کسی شخص کو دیکھ سکوں اور نہ کوئی مجھے دیکھ سکے، انہوں نے فرمایا تم تو کاغذ قلم دوات اپنے ساتھ لے جاتے ہو اور شعر و غزل کہنے میں مصروف ہو جاتے ہو۔ میں اس کو مشغولی نہیں سمجھتا۔ مشغولی وہ ہے جو حق کے ساتھ ہو۔ بندہ نے عرض کیا۔ ہاں ایسا ہی ہے، حضرت خواجہ کشف سے فرما رہے ہیں، اگر کوئی نظم یاد آتی ہے تو لکھ لیتا ہوں۔ پھر خاطر جمع کر لیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا اگر ایسا کر سکتے ہو تو اچھا ہے۔ کیونکہ شعر گوئی سے بد تر کوئی حجاب اور مانع نہیں ہے۔

۲۳ تینتیسویں مجلس۔ سعادت قدم بوسی نصیب ہوئی، رمضان کا مہینہ تھا۔ خادموں نے چاہا کہ ہاتھ دھلائیں، ایک قلندر حاضر تھا، جماعت میں سے اٹھ کر جانے لگا۔ حضرت خواجہؒ نے بلند آواز سے فرمایا۔ درویش درویش! کیوں جاتے ہو، قلندر نہ بیٹھا ——— اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ حضرت خواجہؒ نے خادموں کو دوڑایا۔ خادموں کے پہنچنے تک وہ بیرونی دروازے تک آ گیا تھا، خادموں نے ہاتھ پکڑ کر معذرت کی اور اس کو واپس لائے جس جگہ کہ وہ بیٹھا ہوا تھا وہاں نہ بیٹھا اور بندہ سے بالادست بیٹھ گیا۔

حضرت خواجہؒ نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کی خانقاہ میں ایک قلندر آیا۔ شیخ حجرہ کے اندر مشغول بحق تھے اور جب شیخؒ حجرے کے اندر چلے جاتے اور کواڑ بند کر لیتے تو پھر کسی کو وہاں ٹھہرنے اور اندر داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، وہ قلندر آیا اور شیخؒ کے مصلے پر بیٹھ گیا۔ شیخ بدرالدین اسحاق خادم تھا

اس نے بپاسِ ادب کچھ نہ کہا۔ پھر تھوڑا کھانا لا کر قلندر کے سامنے رکھ دیا۔ قلندر نے
کہا پہلے شیخ کو دیکھوں گا پھر کھانا کھاؤں گا۔ خادم نے کہا۔ شیخؒ تو حجرہ کے اندر مشغول
ہیں اور وہاں کسی شخص کی مجال نہیں ہے تم یہ کھانا کھالو پھر تمہیں شیخؒ کے حضور میں لے
جاؤں گا۔ قلندر نے کھانا کھایا، پھر اپنے جھولے میں سے وہ گھاس نکالی جو قلندر لوگ
کھاتے ہیں اور اس کو کچکول میں گوندھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کے قطرے شیخ کے
مصلا پر گر پڑے۔ بدرالدین اسحاق نے آگے بڑھ کر کہا۔ بس کرو۔ قلندر غضب آلود
ہو گیا اور اس نے بدرالدین اسحاق کو مارنے کے لیے کچکول اٹھایا۔ حضرت شیخؒ اندر سے
بھاگتے ہوئے آئے اور قلندر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: قلندر! مجھے بخش دو۔ قلندر نے کہا۔
"درویشاں دست بر ندارند و چوں بردارند فرو نہ آرند" (درویش ہاتھ نہیں اٹھاتے اور جب
اٹھاتے ہیں تو نیچے نہیں لاتے) شیخ نے فرمایا اس دیوار پر مار دو، قلندر نے وہ کچکول دیوار
پر ماردی، دیوار گر پڑی۔

بعدہٗ فرمایا "میانِ ہر عامی خاصی ہست" (عامیوں کے ہر گروہ کے درمیان ایک خاص
ہوتا ہے۔)

اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ
علیہ بغداد سے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی خدمت سے واپس
آئے تو راستے میں ایک مقام پر ٹھہر گئے وہاں کوئی سرائے نہ تھی، انہوں نے ایک مسجد
میں قیام کیا۔ وہاں قلندر بھی آگئے۔ جب رات ہوئی تو شیخ زکریاؒ مشغول بحق ہو گئے،
انہوں نے ایک قلندر کو دیکھا کہ سرتاپا نور میں غرق ہے۔ شیخؒ اس قلندر کے قریب گئے
اور کہا اے مردِ خدا، ان لوگوں میں تیرا کیا کام ہے؟ قلندر نے جواب دیا "زکریا!

"تا بدانی کہ میان ہر عامی خاصی ہست کہ آں عام را بداں خاص بخشند"

بعدہٗ فرمایا کہ یہ سکہ قلندری جنہوں نے جمایا وہ ایک مفتی تھے شیخ جمال ساوجی نام،
ان کو کتاب خانۂ رواں کہتے تھے، جس کسی کو کوئی مشکل فتویٰ ہوتا ان کے پاس آتا
وہ کتاب سے رجوع کیے بغیر جواب دیتے، ان کے وقت میں ایک بزرگ تھے
جن کا نام معلوم نہیں، ان کی مجلس میں چند آہن پوش آئے، آہن پوشوں کے پاس
لباس وغیرہ نہیں ہوتا، صرف لوہا پہنتے ہیں اور کمبل کا تہہ بند باندھتے ہیں اور ان کے
پاس کوئی دنیاوی چیز نہیں ہوتی۔ جب یہ لوگ اس بزرگ کی مجلس سے چلے گئے تو اس
بزرگ نے فرمایا۔ یہ لوگ کیا آزادانہ رکھتے ہیں۔ شیخ جمال الدین ساوجی اس مجلس میں
حاضر تھے، کہا ہم اس وقت مرد ہوں گے کہ اس سے بہتر سکہ پیدا کریں، کیسا خوش
وقت تھا کہ ان کی زبان سے یہ بات نکلی، جب کھڑے ہوئے تو ایک حال پیدا ہوا،
یہاں تک تجرید کی کہ ڈاڑھی بھی گراں معلوم ہوئی، اس کو ترشوا کر پھینک دیا اور ایک قبر
میں گھس کر قبلہ رُو، دل و چشم آسمان کی طرف کر کے متحیر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے اس بزرگ
سے کہا کہ مولانا جمال الدین ساوجی کو یہ حال پیدا ہوا ہے کہ ڈاڑھی ترشوا کر قبر میں بیٹھ گئے ہیں
وہ بزرگ اپنی جمعیت کے ساتھ وہاں آئے اور ان کو دیکھا کہ قبر میں منہ پھیلائے آنکھیں
آسمان کی طرف کیے ہوئے مبہوت ہیں۔ فرمایا تھوڑا سیسہ پگھلا کر ان کے حلق میں ڈالیں
سبحان اللہ! گویا سرد پانی تھا، پھر علماء ان کے ساتھ بحث کے لیے آئے۔ اس
وقت شیخ جمال الدین ساوجی کچھ ہوش میں تھے۔ علماء نے کہا کہ تم نے خلافِ شرع
کیا ہے اور ڈاڑھی تراشی ہے انہوں نے جواب دیا تم ڈاڑھی چاہتے ہو، یہ کہہ کر خرقہ میں سر جھکایا اور پھر

باہر نکالا، حضرت خواجہؒ نے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اُن لوگوں نے ان کی اس قدر سفید ریش دیکھی۔

اس کے بعد سب لوگ واپس ہوئے، صرف وہی قلندر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر رہا۔ والحمد للہ رب العالمین ؕ

شیخ حُسام الدّینؒ

خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے چھوٹے فرزندِ رشید ہیں۔ ایسا کہتے ہیں کہ آپ غائب ہوگئے اور ابدال کی صحبت میں چلے گئے۔

قدس اللہ سرہٗ

شیخ حسام الدّین سوختہ رح

شیخ فخر الدین بن شیخ الاسلام معین الدین سجزیؒ کے صاحب زادے ہیں۔ آتش محبت سے جلے ہوئے اور ناوکِ موونت کے زخمی تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے مصاحبت رکھتے تھے۔ آپ کا مدفن قصبہ سانبھر میں مغرب کی طرف اجمیر کے راستہ پر واقع ہے۔

والدِ بزرگوار نے آپ کا نام اپنے گم شدہ بھائی حسام الدین بن خواجہ معین الدینؒ کے نام پر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ بزرگ معین الدینؒ کے دو بیویاں تھیں ایک منکوحہ سید وجیہ الدین مشہدی عم سید حسین خنگ سوار کی بیٹی ہے جو قلعۂ اجمیر پر آسودہ ہیں۔ اس کا نام بی بی عصمت تھا اور دوسری ملکِ یمین میں ہے اس کا نام امتہ اللہ تھا۔ حضرت خواجہؒ کے تین بیٹے ہیں۔ شیخ ابو سعید، شیخ فخر الدین اور شیخ حسام الدین۔ ان میں سے شیخ ابو سعید، سید وجیہ الدین مشہدی کی دختر سے ہیں، شیخ فخر الدین اور شیخ حسام الدین کے بارے میں اختلاف ہے۔ سید محمد گیسو درازؒ اور درویشوں کی ایک جماعت کے خیال میں وہ بی بی عصمت کی اولاد ہیں۔ سید شمس الدین طاہر اور درویشوں کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ وہ بی بی امتہ اللہ سے ہیں۔

واللہ اعلم

خواجہ معین الدین خُردؒ

شیخ حسام الدین سوختہؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کو خواجہؒ بزرگ کی نسبت سے خرد کہتے ہیں اور یہی تعریف آپ کے لیے کافی ہے۔

درویش کامل تھے اور مرید ہونے سے پہلے ہی آپ نے کسب و ریاضت کے ذریعے یہاں تک معاملہ پہنچا دیا تھا کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ سے بلاواسطہ کسب فیض کرتے تھے۔ آخر کار حضرت خواجہؒ کے حکم سے شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید ہو گئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

شیخ حسام الدین سوختہ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ قیام بابریال نہایت خوبصورت اور صاحبِ شجاعت و ہیبت و عظمت تھے۔ خواجہ معین الدین خرد اور شیخ قیام بابریال دونوں سے بہت اولاد ہوئی۔ چشت خان جو منڈو میں تھے خواجہ معین الدین خرد کی اولاد سے ہیں، ان کا نام شیخ قطب الدین تھا، سلطان محمود خلجی نے چشت خان کا خطاب دیا تھا اور بارہ ہزار سواروں کی افسری دی تھی۔ سلطان محمود نے جب اجمیر میں اسلام پھیلایا تو اُس نے چاہا کہ چشت خان کو دے دے، چونکہ وہ منڈو میں چھوٹے سے بڑے ہوتے تھے اس لیے اجمیر قبول نہ کیا۔ شیخ قیام الدین بابریال کی اولاد میں سے شیخ بایزید ہیں جن کو شیخ بایزید بزرگ کہتے ہیں۔ وہ ایک عالم تھے اور حضرت خواجہؒ کے روضہ میں درس کہتے تھے۔ شیخ احمد مجدد اور دیگر بزرگ ان کے شاگرد ہیں ..... الغرض حضرت خواجہؒ کے اولاد و احفاد کا وجود محقق ہے اور یہ جو بعض عوام کہتے

ہیں کہ خواجہ حضور نے اور فرزند نہ رکھتے تھے بالکل غلط ہے۔ حضرت خواجہؒ کی اولاد کا ذکر ملفوظاتِ مشائخ چشت میں آیا ہے۔

شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہٗ کے پوتے شیخ فرید، سرور الصدور میں اُن سے نقل کرتے ہیں کہ جب ہمارے خواجہ کے فرزند پیدا ہوئے تو ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ حمید یہ کیا بات ہے کہ اس سے پہلے جب ہم قوی اور جوان تھے تو جو کچھ درگاہِ رب العزت سے مانگتے تھے جلدی مل جاتا تھا، اس وقت جبکہ پیر و ضعیف ہو گئے ہیں دعا کی حاجت ہوتی ہے تو کام میں دیر لگتی ہے۔ بندہ نے عرض کی کہ حضرت خواجہؒ کو معلوم ہے کہ جب تک حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام متولد نہ ہوئے تھے تو اُن کو کسی قسم کی کوشش کے بغیر محراب کے اندر جاڑے کا میوہ گرمی میں اور گرمی کا میوہ جاڑے میں مل جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو حضرت مریمؑ منتظر رہیں کہ رزق اسی طرح پہنچتا رہے گا۔ فرمان آیا وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (جاؤ درختِ خرما کی ٹہنیوں کو اپنی طرف ہلاؤ تاکہ تمہارے لیے تازہ کھجوریں گر پڑیں) اُس حال میں اور اِس حال میں تفاوت ہے، خواجہ بزرگؒ نے بندہ کے اس جواب کو قبول کیا اور پسند فرمایا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

خواجہ احمدؒ

یہ شیخ ابویزید بن شیخ نجم الدین بن قیام الدین کے فرزند ہیں۔

فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی زبانی منقول ہے کہ شیخ الاسلام حضرت معین الدین کے پوتے خواجہ احمدؒ بڑے صالح تھے، وہ فرماتے تھے کہ میرے ایک دوست تھے جن کا معمول تھا کہ نماز مغرب کے بعد دو رکعت نفل حفظِ ایمان کے لیے پڑھا کرتے تھے، اور پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ فلق اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ الناس پڑھتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوتے تو سجدہ میں تین بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ثَبِّتْنِیْ عَلَی الْاِیْمَانِ کہتے، ایک دفعہ حدودِ اجمیر میں شام کا وقت ہو گیا۔ چوروں کو اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے ہم سب تو فرض و سنت ادا کر کے شہر کی جانب چل دیے لیکن وہ نماز ختم کر کے ہمارے بعد آئے۔ اُن کی رحلت کے وقت ہم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس طرح جا رہے ہیں کہ باید و شاید، خواجہ احمدؒ نے کہا کہ اگر قیامت کے دن مجھے کرسیٔ قضا کے سامنے لے جائیں تو میں گواہی دوں گا کہ یہ شخص سلامتیٔ ایمان کے ساتھ گیا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ وحید رح

خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہیں۔

فوائد الفواد میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں اور نصیر الدین طالب علم، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رح کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جوگی آیا اور زمین بوسی کر کے بیٹھ گیا۔ نصیر الدین نے جوگی سے پوچھا۔ بابا سر کے بال کس دوا سے لمبے ہو جاتے ہیں شیخ رح کے حضور میں مجھے یہ سوال سن کر بہت رنج ہوا۔ اتفاق سے شیخ الاسلام خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے پوتے خواجہ وحید تشریف لے آئے اور شیخ فرید الحق گنج شکر رح کی خدمت میں ارادت کی التماس کی۔ حضرت گنج شکر رح نے فرمایا۔ میں تو خود آپ کے خاندان کی دریوزہ گری سے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میری کیا مجال ہے کہ ارادت کی نیت سے آپ کا ہاتھ پکڑوں۔ خواجہ وحید نے بڑی منت سماجت کی اور مرید ہو کر مخلوق ہو گئے۔ یہ نصیر الدین طالب علم بھی جنہوں نے جوگی سے درازیٔ مو کی دوا پوچھی تھی، سر منڈا کر مرید ہو گئے اور درویشوں کی برکت صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

شیخ بدر الدین سمرقندیؒ

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے مرید ہیں۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ ہیں اور شیخ نجم الدین سے بھی ملے تھے۔ سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ بہت بڑے بزرگ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی صحبت میں سماع سنتے تھے اور بغایت خوبصورت و نیکو سیرت تھے۔ شیخ بدر الدین سمرقندی جب رحمتِ حق سے پیوست ہوئے آپ کو سنگولہ میں دفن کیا۔ تیسرے روز شیخ نظام الدین اولیاءؒ حاضر ہوئے۔ مجلس نیا رتھی اور سماع ہو رہا تھا۔ حضرت پیچھے جا کر ایک اور حظیرہ میں بیٹھ گئے۔ جب وہ لوگ سماع میں کھڑے ہوئے حضرت شیخ نظام الدینؒ بھی کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ آپ میں اور ان میں تو بُعدِ مسافت ہے۔ آپ بیٹھ جائیے۔ اُنھوں نے فرمایا موافقت شرط ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ رکن الدین فردوسیؒ

خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ کے مُرید ہیں۔ آپ دہلی میں سکونت رکھتے تھے، جب سلطان معز الدین کیقباد نے کیلو کھڑی میں نیا شہر بسایا تو آپ نے بھی

شہر سے نکل کر دریائے جمنا کے کنارے بسیرا کر لیا۔ غالباً آپ کے اور شیخ نظام
اولیاؒ کے درمیان چنداں محبت واخلاص نہ تھا۔
سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے نوخیز بیٹے اور مرید بارہا کشتی میں سوار
ہو کر گانے بجاتے شیخ نظام الدین اولیاء کے گھر کے نیچے سے گزرا کرتے تھے
ایک دن جب کہ وہ اس حال میں جا رہے تھے حضرت شیخ رح کی نظر اُن پر پڑی۔
انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا ایک وہ ہے جو برسوں سے خون جگر پیتا ہے اور اپنی
جان کو اس راہ میں فدا کر رہا ہے اور دوسرے وہ ہیں جو نوساختہ ہیں اور کہتے ہیں
کہ تم کون ہو کہ ہم نہیں ہیں۔ پھر ہاتھ آستین سے باہر نکال کر ان کی طرف اشارہ کیا
خبردار چلے جاؤ۔ شیخ رکن الدین کے بیٹے شور و غوغا مچاتے ہوئے اپنے گھر کے
نیچے پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ کشتی سے اتر کر غسل کریں۔ جونہی کہ وہ پانی میں داخل
ہوئے فوراً غرق ہو گئے۔

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید ہیں۔ آپ کی آخری خواب گاہ حوض شمسی سے
مشرق کی جانب صفۂ عالی پر مولانا برہان بلخی رح کے مزار کے نزدیک ہے۔

رحمۃ اللہ علیہم

شیخ شرف الدین احمد منیریؒ

ابن یحییٰ مُنیری، ہندوستان کے مشاہیر مشائخ سے ہیں آپ کے مناقب بیان کرنے کی حاجت نہیں، گراں قدر تصانیف کے مالک ہیں۔ تمام تصنیفات میں آپ کے مکتوبات زیادہ مشہور اور لطیف ترین ہیں۔ ان میں بہت سے آدابِ طریقت اور اسرارِ حقیقت مندرج ہیں۔ آپ کے ملفوظات بھی ایک مرید نے جمع کیئے تھے لیکن آپ کے مکتوبات لطافت میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے آدابِ المریدین پر بھی شرح لکھی ہے۔

آپ خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے مرید ہیں کہتے ہیں کہ آپ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے شوقِ بندگی میں دہلی تشریف لائے۔ قضا را آپ کے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی شیخ نظام الدین قدس سرہٗ رحلت فرماگئے تھے۔ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ وہیں موجود تھے۔ آپ ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا "درویش! کئی سال سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ میرے پاس ایک امانت ہے جسے تمہارے سپرد کرنا ہے" چنانچہ آپ مرید ہوگئے اور اپنی نعمت لے کر وطنِ مالوف واپس چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ چند سال کے لئے آگرہ کے راستے میں ایک بیابان میں ٹھہر گئے اور بیابانی زندگی اختیار کر کے عبادت کرتے رہے۔ برسوں کے بعد وطن پہنچے۔ قبر شریف بہار میں ہے۔ منیر شہر بہار کا ایک قصبہ ہے۔۔ رحمۃ اللہ علیہ

مشہور مجموعۂ مکتوبات کے علاوہ شیخ شرف الدین کے دیگر

مکتوبات بھی ہیں جو آپ نے اپنے مُرید خلیفہ اور صاحبِ اسرار شیخ مظفر بلخی کو تحریر کئے تھے کہتے ہیں کہ شیخ مظفر کو پچیس سال کی مدت میں اپنے سلوک میں جو واقعات معاملات اور حالات پیش آئے ان کے متعلق وہ شیخ کی خدمت میں عریضے ارسال کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ اُن کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے، اور بعض مکتوبات کے ذیل میں لکھا ہے کہ میرے مکتوبات میں تمام تر اس برادرِ گرامی کی مشکلات و معاملات کو حل کیا گیا ہے۔ اس کو چاہئے کہ کسی کو نہ دکھلائے تاکہ اسرارِ ربوبیت افشا نہ ہوجائیں۔ اسی لئے جب کبھی آپ کے مرید التماس کرتے کہ مکتوبات عطا ہوں تاکہ ان کو نقل کرکے استفادہ کریں تو آپ وصیتِ شیخ کی محافظت اور اسرارِ الٰہی کے اخفا کی خاطر کسی کو نہ دکھاتے تھے، اور مُہر لگا کر ارسال کیا کرتے تھے۔ اس حکایت کے ناقل کہتے ہیں کہ وہ مجموعہ دو سو مکتوب سے زیادہ تھا اور شیخ مظفر نے رحلت کے وقت وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں رکھ دینا۔ ان کی وصیت کی تعمیل میں تمام مکتوبات کفن میں رکھ دیے گئے تاکہ اس بزرگوار کے اسرار پوشیدہ رہیں شیخ الاسلام کے خط میں ایک چھوٹا سا پرچہ تھیلی میں رہ گیا تھا۔ یہ چند مکتوب اس میں سے نقل کیے جاتے ہیں تاکہ پڑھنے والے اور سننے والے کے لئے نفع دین کا سبب ہو، اور ہم نے ان میں سے طالبوں اور سالکوں کے مناسبِ حال کچھ نکات انتخاب کئے ہیں مگر دو تین مکتوب پورے نقل کیے گئے ہیں۔

مکتوب

للّٰہ الحمد و المنۃ، بیت

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است　　　زیرِ آں گنج کرم نہادہ است

برادرِ گرامی با نام مظفر کو کاتب حروف کے سلام و دعا کے بعد معلوم ہو کہ انہیں اپنے کام میں مردانہ وار مشغول رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ شدائد امور، کثرتِ ابتلاء اور گوناگوں امتحانات کے باعث جو سالک کے راستے میں آتے ہیں کام میں کوئی قصور یا فتور واقع ہو جائے۔ اے برادر عظمتِ انبیاء میں دیکھا گیا ہے کہ خداوند جلّ و علا کا کام ایک روش پر نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے بندے کو کس راستے سے خوش نصیبی اور کشائش عطا کرے گا۔ از راہِ نعمت، از راہِ محنت، از راہِ عطا یا از راہِ بلا پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو ولادت کے بعد آگ کے تنور میں پھینک دیا گیا۔ پھر ان کو تابوت میں ڈالا گیا اور دریا کی نذر کر دیے گئے۔ اس کے بعد دشمنوں کے ہاتھ لگ گئے۔ پھر انہوں نے ایک قبطی کو مار ڈالا۔ اس قتل کے بعد ان کو غربت میں ڈالا گیا اور دس سال تک ریوڑ چراتے رہے۔ ایک تاریک رات آسمان پر سیاہ بادل گھر آئے اور بجلی کوندنے لگی۔ بھیڑیے باہر نکل آئے اور ان کو دیکھ کر ریوڑ بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ راستے سے بھٹک گئے اور ان کی بیوی کو دردِ زہ شروع ہوا۔ سخت سردی پڑنے لگی مگر آگ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ ہر چند چقماق جھاڑتے تھے لیکن آگ نہ نکلتی تھی۔ جب ہر طرح عاجز و درماندہ ہو گئے تو یکایک فتح غیب کا ظہور ہوا اور کہنے لگے۔ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ جب وہ آگ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو گلِ دیگر شگفت اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی وَ اَنَا

اُخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۔

ربوبیت کے اسرار غیر معلومہ ہیں، اگر بندہ پر کل احوال ایک ہی طریقہ سے جاری ہوں تو بندہ کا علم ربوبیت کو گھیر لے اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ گھیرا نہیں جا سکتا۔

ہر چہ در خلق سوزی و سازیست　　　اندراں مر خدائے را رازیست

مکتوب

امام مظفر کو معلوم ہو کہ یہ شعبہ علمِ معاملات سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق علمِ مکاشفات سے ہے اور علمِ مکاشفات کو تحریر میں لانے کی اجازت نہیں لیکن جس حد تک بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ موجوداتِ محسوس کو عالمِ ملک کہتے ہیں۔ اور موجوداتِ معقول کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں، موجودات بالقوہ کو عالمِ جبروت اور جو کچھ اس سے پرے ہے اس کو عالمِ لاہوت کہتے ہیں۔ اس مطلب کو ان الفاظ میں بھی بیان کرتے ہیں کہ ملک، عالمِ شہادت ہے۔ ملکوت، عالمِ غیب ہے اور جبروت، غیب کا عالمِ غیب ہے، خداوند جلّ و علا غیبِ غیبِ غیب ہے پھر اس طرح کہتے ہیں کہ عالمِ ملک کی لطافتوں کو عالمِ ملکوت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ عالمِ ملکوت انتہا درجے کا لطیف ہے، اور عالمِ ملکوت کی لطافت کو عالمِ جبروت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں، کیونکہ عالمِ جبروت انتہا درجے کا لطیف لطیف ہے، اور عالمِ جبروت کی لطافت کو خداوند جلّ و علا کی ذاتِ پاک کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ ذاتِ پاک خداوند جلّ و علا لطیفِ لطیفِ لطیف ہے۔ عالمِ ملک اور ملکوت کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں کہ

اس کے ساتھ جبروت نہ ہو اور وہ اس کو محیط نہ ہو۔ اور عالم ملک یا ملکوت اور جبروت کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں کہ اس کے ساتھ خداوند جلّ وعلا نہ ہو اور وہ اس کو محیط نہ ہو اور اس سے آگاہ نہ ہو۔ وہی لطیف وخبیر ہے کیونکہ وہ لطیفِ مطلق ہے، جب لطیفِ مطلق ہؤا تو محیطِ مطلق ٹھہرا، جتنی لطافت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کی احاطت زیادہ ہوگی۔ اس لیے وہ جانتے ہیں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) اور نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ہم اسکی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں)

مثنوی آنچہ تو گم کردۂ گر کردۂ ہست اندر تو تو خود را پردۂ

اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ ملک تمہارے ساتھ ہے اور ملکوت تمہارے ساتھ ہے اور جبروت تمہارے ساتھ ہے اور خداوند جلّ وعلا تمہارے ساتھ ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ انسانیّت کی حقیقت ہی الوہیّت کے رازِ حقیقت کی مظہر اور آئینہ دار ہے۔ ؎

تا نیاید جانِ آدم آشکار رہ ندانستند سوئے کردگار

راہ پدید آمد چو آدم شد پدید زو کلیدِ ہر دو عالم شد پدید

اس سے زیادہ اور کیا لکھا جائے۔ اپنے وقت میں ہمیں دعائے ایمان سے یاد رکھیں۔ والسلام۔

اے برادر خمخانۂ رحمت سے جو کچھ تجھ کو پلائیں تو قدح قدح کر کے پی جا اور بدمستی نہ کر اس کو سن کیا کہتے ہیں۔ بیت

ہر کرا آن آفتاب اینجا بتافت آنچہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

خوش ہو مبارک ہو تشنہ تر ہو ؎

ہست دریائے محبت بے کنار　　　لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

یہاں کام ہمت کے مطابق ہے، جس قدر ہمت بلند ہوگی اتنا ہی زیادہ تشنہ ہوگا۔

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شُد　　　ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

وقت کا بار اٹھانے سے کوئی چارہ نہیں، اور زہر میں پرورش پانی چاہیئے ورنہ خام رہے گا، سالک کا انجام یہی ہے اور تنہا تجھے حاصل نہیں۔ بیت

تا نگردی نقطۂ دردا سے پسر　　　کے توان خواندن ترا مرد اے پسر

اے برادر! راہِ توحید جو مردوں کا دین ہے ایک دریائے محیط ہے، وہاں علم وعقل غرق ہیں، لکھنا کہاں اور بات کرنا کہاں، جو کوئی اس دریا میں گرا گویا عالم حیرت میں ڈوب گیا، اسی لیے کہا گیا ہے ؎

قطرۂ کو غرق در دریا بود　　　ہر دو کونش جز خُدا سودا بود

اے برادر! جو کچھ کسی سے سُکر۔ غلبہ کی حالت میں نکل گیا وہ اس میں معذور ہے، مگر اس طائفہ میں پسندیدہ روش یہ ہے۔ الاستقامة علی الشریعة مع کتمان السِّرّ۔ (شریعت پر استقامت بھید کے پوشیدہ رکھنے کے ساتھ ہے)

مکتوب

اُس برادر کا مکتوب ملا شور و غوغا بہت تھا۔ اے برادر! جب لوگوں نے امام شبلیؒ سے پوچھا مَا صِفَتُ الْعَارِفْ (عارف کی صفت کیا ہے) تو انہوں نے جواب دیا۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں)، پس ہمیں اس شور و غوغا سے کوئی فائدہ نہیں، لبوں کو بند کرلینا چاہیئے۔ اور اس حدیث کے اندوہ میں جل جانا چاہیئے اور اپنے آپ کو ماتم مصیبت میں مبتلا کرنا چاہیئے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ

جس قدر بھی شور و غوغا ہو اس کو نگل جائیں اور ڈکار تک نہ لیں۔ اس دیس کے خداوندوں کی یہی روش ہے۔ جب تک دُنیا میں رہے اس حدیث کے اندوہ تام میں رہے اور جب دُنیا کو چھوڑ کر گئے تو اس اندوہ اور اس حدیث کو ساتھ لے کر گئے، جو آج قبروں میں سوئے پڑے ہیں اور کل قبروں سے اٹھیں گے۔ اسی حدیث کے ساتھ اٹھیں گے۔

اے برادر! لکھنا اور بولنا سب پردے کے باہر ہی باہر ہے۔ پردے کے اندر تو یہ ہے۔

رُباعی

چوں سرِ ازل طعمۂ ابدال شود
آں جملہ قیل و قال پا مال شود
ہم مفتیٔ شرع را جگر خون گردد
ہم خواجۂ عقل را زبان لال شود

شیخ حسینؒ

ابن معز بلخی، مشہور یہ ہے کہ یہ اپنے حقیقی چچا شیخ مظفرؒ کے مرید اور خلیفہ تھے لیکن آپ کے طرزِ کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت شیخ شرف الدین قدس سرہٗ سے ارادت ہے اور تربیت وارشاد و خلافت شیخ مظفر سے پائی تھی۔ ابتدائے حال میں دہلی میں تعلیم و تعلّم کا شغل جاری رہا۔ بعد میں جاذبۂ حق سے جو طریق فقر پر چلنے کا باعث ہے آپ نے حجاز کا سفر اختیار کیا اور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔ اس سعادت کو جو تمام مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے حاصل کرنے کے بعد اپنے وطنِ مالوف میں واپس آئے۔

آپ کے بھی مکتوبات ہیں جو شیخ بزرگ کے مکتوبات کی طرز پر لکھے ہیں ان میں اسرارِ توحید کا بیان ہے اور اختیارِ تجرید کا باعث ہیں۔ زبان لطیف اور پیرایۂ بیان عجیب ہے۔ ان میں سے کچھ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اسی میں کچھ آپ کے احوال بھی معلوم ہوں گے۔

مکتوب

یہ بیچارہ عنفوانِ شباب اور تحصیلِ علم کے دوران میں گناہگاری اور ذلت کے دوزخ میں اور ہوا و ہوس کے بیابانوں میں قوم بنی اسرائیل کی طرح حیران و سرگرداں تھا، اچانک حضرت شیخ مظفر مرحوم کو حجاز کا سفر پیش آیا۔ وہ اس غلام کو بھی اپنے ہمراہ

لے گئے اور پانچ سال تک شبانہ روز تربیت وارشاد کے ذریعے اس فقیر کی خفاش صفت آنکھوں کو معارف وحقائق کا جلوہ دکھاتے رہے۔ ہر چند یہ بیچارہ قابلیت نہ رکھتا تھا لیکن جیسا کہ انبیائؑ کے قرب زمان کا پورا اثر ہوتا ہے اسی طرح ان کے قرب مکان کا بھی کمال اثر ہے۔ لہذا اس تاثیر کی بدولت قابلیت پیدا ہو گئی اور جو کچھ دیکھا اور جانا وہ اس حدیث کے سوا اور کسی طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا

(اگر جانتے ہو تم وہ چیز جو میں جانتا ہوں البتہ ہنستو تم تھوڑا اور روتو تم زیادہ)

بعد ازاں جب شوق قضائے ازل میں ہندوستان آیا تو اس معنی میں فتور اور اس مطلب میں قصور واقع ہو گیا۔ اس وقت حسرت نایافت میں بیس برس ہونے کو آئے ہیں اور طاقت ختم ہو چکی ہے، فراق کی راتیں ظاہر ہوئیں۔ میں نے کہا اے رب میں کون سے وسیلے سے اور کس ذریعے سے وہ دولت حاصل کروں۔ اس ملک میں اگر دنیا حسب مراد ہو ــــ اور فلک غلام ہو ــــ مگر سرائے ہجر میں جدائی کے ساتھ مقام کرنا اور آشنائی سے ہٹ کر بے گانگی میں آرام کرنا شرط محبت اور ایفائے دوستی نہیں۔ ؎

بیچارہ دلم شکستہ تا کے باشد ۔۔۔ وز زخم فراق خستہ تا کے باشد
در آرزوئے کسی کہ بے او خوش نیست ۔۔۔ برخیز و بگو نشستہ تا کے باشد

؎ بیت

عاقبت سر بہ بیابان بنہد چوں سعدی ۔۔۔ ہر کہ در سر ہوس چوں تو غزالی دارد

مکتوب

(سرزمین عرب کی فضیلت میں) مکتوباتِ جدیدہ جو حضرت شیخ نے مغربی کو
لکھے ہیں ان میں اس زمین کی شکایتیں لکھی ہیں اور لکھا ہے کہ اس زمین میں کس کے
ہاتھ کوئی کام آیا، کیا کروں جب تک والدہ زندہ رہیں میں پابند تھا، جب والدہ
فوت ہوگئیں تو فتوحات پا جاتی رہی اور مجبوراً پڑا رہ گیا۔ شیخ فضل اللہ برسوں سے
کے چلے کرتے تھے مگر کشائش نہ ہوتی تھی۔ فرمان ہوا عرب میں جاؤ، وہاں گئے تو
اتنی کشائش ہوئی کہ تحریر میں نہیں آسکتی، شیخ مظفر، حضرت کی حیات میں باہر
آئے اور گئے۔ فرمان ہوا مولانا تم صاحب مشرب ہوگئے ہو اور کام کے قانون کے
اصول سے مطلع ہوگئے ہو، ہم سے جدا ہونے میں کچھ ڈر نہیں۔ جب مراجعت
فرمائی تو اثنائے راہ میں تھے کہ حضرت شیخ نے وفات پائی، کیونکہ حضرت رسالت
مآب ﷺ نے خواب میں اشارہ کیا تھا کہ اس دفعہ واپس چلے جاؤ اور دوبارہ اپنے فرزندوں
کے ساتھ آؤ۔ اس کے بعد ہم کو روانہ کیا اور مکہ میں فرماتے تھے کہ اس سرزمین کی
فضیلت میں ایک رسالہ لکھتا ہوں مگر اس کو کون سمجھے گا، اگر حضرت شیخ زندہ ہوتے
تو لکھتا۔ بعض یاروں کو شیخ کے صدقہ سے اصل و قانونِ کار معلوم ہے، اصل کار
دنیا اور آخرت کی خواہش کی مخالفت ہے، فقط خدا کے ساتھ مشغول ہونا اور جو
اس میں مدد کرے اور اللہ عز و جل کے تقرب کی طرف پہنچاتے۔ ابیات

کافر نفست چو زبونِ تو شد — گر ہمہ کفری ہمہ ایمان شدی
دمے کہ با تو برآرم سعادتِ ابدست — نفسے کہ بے تو گذارم مرا چو روزِ بدست
اوصافِ ذمیمہ چوں بدل شد — ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

اِس طائفہ کے تمام علوم انہی تین بینتوں میں ہیں، اگر علوِ ہمّت سفر کی داعی ہو تو مبارک ہو لَا بُعْدَ مَعَ اعْتِبَتِ (محبت کے ساتھ دُوری نہیں ہوتی)، کاتبِ حروف کی وصیت یہی ہے مَا شَغَلَکَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُکَ (جو تجھ کو حق سے باز رکھے وہی تیرا طاغوت ہے)، یہی لکھ کر دوستوں کو دیتا ہوں اور خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ؎

گر خیل و سپاہ حسبی اللہ   در پشت و پناہ ربی اللہ

والسلام، کہتے تھے میں نے حضرت مخدوم سے سنا ہے کہ مکہ میں فرماتے تھے ہندوستان میں کوئی مردِ خدا نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہتے ہیں کہ کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں مردِ خدا نہیں، کیونکہ وہ مقام اس کی برکت سے قائم ہوتا ہے فرمایا وہ صلحاء ہیں، مردِ خدا اور ہوتے ہیں، اگر میں اُن میں سے کسی کو ہندوستان میں دیکھتا تو میں اس کے دروازہ پر مجاور رہتا۔

مکتوب

(اصولِ ثلاثہ میں) طالبانِ حق کو ہمیشہ گرسنگی ضروری ہے خواہ روزہ رکھنے سے ہو خواہ افطار کرنے سے، بھوک کام کی رکن ہے، جو بنیاد رکھی جاتی ہے بھوک ہی پر رکھی جاتی ہے، اور دوسری چیزیں شرطِ اوّل نہیں ہیں، بھوک سب کاموں کی رکن ہے، اس کو کسی حال میں نہ چھوڑنا چاہیئے، ذوق کی بنیاد بھوک پر ہے، جو شخص کہ قوی ہے بغیر روزہ کے بھوکا رہ سکتا ہے، یہ کام قوت والوں کا ہے، اور جو شخص کہ ضعیف اور مبتدی ہے وہ روزے کی نیت کرتا ہے اور اس کے ضمن میں بھوکا رہتا ہے۔ اصل بھوک[۱] ہے، اس کے بعد اصل اصل ربطِ[۲] دل ہے، اس کے بعد

ترکِ مالایعنی ہے۔ یہ تین چیزیں تحفہ ہیں جن کے سبب سے انبیاء و اولیاء کو سراہا گیا ہے، ان تینوں چیزوں کی سلامتی کے ساتھ جو ذوق کہ رونما ہو وہ ان تینوں چیزوں کی گواہی سے ذوق در ذوق ہے، نفس اپنے مقام پر رہتا ہے اور شیطان اپنی جگہ پر رہتا ہے، جس جگہ یہ تینوں حصار ہوتے ہیں وہاں نفس و شیطان و غفلت کو دخل نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو اس کو نفوذ نہیں ہوتا، ان تین چیزوں کے ساتھ جو خطرہ ہوتا ہے وہ رحمانی ہے۔

مکتوب

(نصیحتِ فرزندیں) قاضی امجد کو معلوم ہو کہ اس نے کچھ کہنے اور فوائد تحریر کرنے کی فرمائش کی تھی جن کا غائبانہ مطالعہ انبساطِ خاطر ہو اور سرورِ قلبی کا باعث ہو، ہمارے بزرگوں نے لکھنے اور کہنے کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ تاہم راقم الحروف صرف یہ وصیت کرتا ہے کہ تو ہمیشہ اپنے نفس کا دشمن بن کر رہ اور ہر وقت اپنی ہمت کو خواہشوں کے خلاف چلنے میں صرف کر، کام کو غنیمت سمجھ اور وہ کام یہ ہے کہ دائم اپنے دل کی پاسبانی کرتا رہ، جو وقت یادِ حق میں گزرے اس کو اسلام سمجھ اور جو وقت اس سے غفلت میں گزرے اس کو کفر خیال کر اعتبار آنز کر اعتقاداً، اس قدر تو دشمن کے دفعیہ کے لیے لکھا گیا، اپنے جسمانی اعضاء کو صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک رکھو اور توبہ کی تجدید اور ایمان کی تازگی کے لیے شب و روز اپنے دل کی جستجو کرو اور جو وظائف اس فقیر سے حاصل کیے ہوئے ہیں ان پر عمل کرو، ہر کام کی اصل توبہ ہے اور توبہ کے مقامات کی کوئی انتہا نہیں، مقامات حاصل کرنے کے لیے توبہ ایسی ہے جیسے گھر بنانے کے لیے زمین، جس کے پاس زمین نہیں اس

کا گھر بھی نہیں، ہمارے اور تمہارے لیے یہی ایک مہم ہے کہ اپنی آنکھوں، کانوں، ہاتھوں اور زبان کو گناہ اور خلاف سے پاک رکھیں اور دن رات اسی جستجو میں رہیں کہ آیا آج زبان پاک رہی یا نہیں، اسی طرح یہ دیکھیں کہ اعضا میں سے کون سا عضو پاک رہا اور کون سا پلید ہوا۔ جو عضو پلید ہو گیا ہو اس کے لیے توبہ اور تجدیدِ ایمان کرکے خدا کے حضور میں واپس جائیں، اگر تو اس غم میں مشغول رہے اور اسی فکر اور اندیشے میں لگا رہے تو تمام دُنیا کی عبادت تیرے نام لکھ دی جائے گی۔ اس زمانے میں جس کسی کو لقمۂ حلال کھانا اور اعضاو جوارح کو گناہوں سے پاک رکھنا نصیب ہو جائے وہی ہمارے وقت کا جُنید ہے، اگر تم انصاف سے دیکھو تو یہی حاصلِ کلام اور خلاصۂ کار ہے۔ باقی سب کچھ نقش برآبِ رواں ہے، اگر یہ مقصد اور یہ دولت حاصل ہو جائے یا جب کبھی ہاتھ آئے تو اس وقت شکرِ نعمت ضروری ہو جاتا ہے اور جب یہ مقصود حاصل نہ ہو تو اس وقت توبہ ضروری ہوتی ہے۔ آج جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صراطِ شریعت پر چلا گیا کل صراطِ حقیقی سے بھی بسلامت گزر جائے گا، جو کوئی شرع پر چلنے میں لغزش کھا گیا وہ بلاشبہ وہاں بھی لغزش کھائے گا۔ ؎

دوزخ و جنت ازیں جا می برند　　　راحت و محنت ازیں جا می برند

جہاں تک ہو سکے شرع کے دائرے میں ثابت و قائم رہ تاکہ ظاہری اور باطنی سعادت حاصل ہو۔ زندگی فسق و فجور میں گزر گئی۔ مدت العمر دو رکعت نماز نصیب نہ ہوئی جو رب العزت کی بارگاہ میں پسندیدہ ہو اور روزہ کا ایک دن کہ جسے صوم کہا جا سکے نصیبِ زندگی نہ ہوا۔ وقتِ صبح مسلمان اٹھنا، تمام دن گناہ گاری میں بسر کرنا

اور سوتے وقت اسلام لے آنا

رُباعی

فسق است و فجور کار هر روزهٔ ما
پُر شد ز حرام کاسه و کوزهٔ ما
می خندد روزگار و می گرید عُمر
بر طاعت و بر نماز و بر روزهٔ ما

آج طاعت و عبادت کا غم نصیب نہیں ہے۔ ساعت بساعت یہی فکر ہے کہ تجدید ایمان میں کلمۂ شہادت فوت نہ ہو جائے۔ اگر اس لسانی ایمان اور زبانی توحید کی توفیق ہو اور دمِ آخریں کلمہ کے ساتھ نکلے تو سمجھ لو کہ میدان فتح ہو گیا۔

بیت

در مجلسِ وصالت ثُمہا کشند مرداں   چوں دورِ خسرو آید مے در سبو نماند

زندگی آخر کو پہنچ گئی۔ اکہتر برس ہو چکے، ماہ و سال کی امید نہیں رہی۔ یاروں میں سے ایک یار ہے، اپنی مشغولی اور فراغت کی زکوٰۃ میں جس دن اور جس وقت اسے خیال آئے شیخ رح کی محبت میں اس مفلس بینوا، بت پرست، کہنہ گرفتارِ نفسِ امارہ کو ایمان و سلامتی اور خیر و عافیت کی دعا سے مدد فرمائے۔

شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ

پانی پتی، ابوعلی قلندر کے نام سے بھی مشہور ہیں، آپ کا شمار مشہور مجذوب اولیاء میں ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اوائل حال میں علم حاصل کیا اور مجاہدہ و ریاضت کا طریقہ اختیار کیا، آخر کار مجذوب ہو گئے اور سب کتابیں دریا برد کر دیں۔ آپ کی ارادت مشائخ مشہور میں سے کسی کے ساتھ منسوب نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ارادت رکھتے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ آپ کا روحانی تعلق حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ سے تھا۔ ان میں سے کسی روایت کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

آپ کے مکتوبات ہیں جو عشق و محبت کی زبان میں توحید، ترکِ دنیا، طلبِ آخرت اور محبتِ مولیٰ کے معارف و حقائق سے لبریز ہیں۔ یہ سب مکتوبات اختیار الدین کے نام ہیں۔ آپ کا ایک اور رسالہ عوام میں مشہور ہے، اس کو حکم نامہ شیخ شرف الدین کہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ عوام کی اختراع ہے۔ واللہ اعلم

منقول ہے کہ ایک وقت آپ کی مونچھوں کے بال بہت بڑھ گئے تھے، کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ سے ان کے کٹوانے کی فرمائش کرے۔ مولانا ضیاء الدین سنامیؒ جو شریعت کے زبردست حامی تھے قینچی لے کر گئے اور آپ کی داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر مونچھوں کے بال کاٹ ڈالے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد

شیخ ہمیشہ اپنی داڑھی کو چوما کرتے اور فرماتے کہ یہ شریعتِ محمدی کے راستے میں پکڑی جا چکی ہے۔

آپ کا روضۂ مبارک پانی پت میں ایک پُر فیض و پُر حالت مقام ہے۔ یزار و متبرک ہے۔ اسی جگہ ایک اور قبر ہے، جو اُن کے محبوب اور مرید مبارک خان کی بیان کی جاتی ہے۔ رحمت اللہ علیہما۔

مکتوب

اے برادر! جب عنایتِ الٰہی تیرے شاملِ حال ہو اور تجھے جذبہ عطا کیا جائے اور تجھ کو تیری "تو ئی" سے جدا کردیں اس وقت تمہارے اندر عشق داخل ہوتا ہے اور تمہیں جلوۂ حسن دکھاتا ہے۔ جب تو حُسن کو جان لے گا تو معشوق کو پہچانے گا اور معشوق پر عاشق ہو جائے گا۔ جس وقت عاشق سے معشوق مل جائے تو وہ سنّتِ معشوق اور فریضۂ عاشق کو ملحوظ رکھے۔ اس وقت معشوق اور عاشق میں تمیز ہو سکے گی،

اے برادر! معشوق بھی تمہاری ہی شکل و صورت میں پیدا کیا گیا ہے اور تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں صحیح راستے کی طرف بلائے۔

اے برادر! حضرت باری عزّ و جلّ نے بہشت اور دوزخ بنائے اور فرمایا کہ دو کو پُر کیا جائے گا معشوق کو اس کے عاشقوں کے ہمراہ بہشت میں جگہ دوں گا، اور شیطان کو اس کے پیروؤں کے ساتھ دوزخ میں ڈالوں گا۔ اے برادر! بہشت اور دوزخ میں عاشق کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ دونوں عاشق ہی کے حُسن سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں میں کسی دوسرے کو جگہ نہیں دی جائے گی۔ بہشت دوستوں کے

ساتھ وصال کا مقام ہے اور دوزخ دشمنوں کے لیے فراق کی جگہ ہے۔ کافروں اور منافقوں کے لیے فراق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور محبّوں کے لیے وصال ہوگا۔

اے برادر! دل کی آنکھیں کھول اور بغور دیکھ اور جان لے کہ عاشق نے اپنے عشق سے تیرے لیے کیا کیا پیدا کیا اور کیسے کیسے نظاروں کا سامان کیا، اس نے اپنے حسن سے ہر درخت کو آراستہ کیا اور گوناگوں میوے پیدا کیے۔ ہر میوے میں ایک نئی قسم کا مزہ رکھا، اس درخت کو نہ اپنے خبر ہے نہ پھول کی اور نہ میوے کی۔ اس نے تمہارے لیے شیریں نیشکر پیدا کیا اور اس کو اپنی شیرینی کا پتہ نہیں، ہرن کے پیٹ میں مُشک پیدا کیا اور وہ صرف تمہارے لیے ہے، ہرن کو مشک کی خبر نہیں، تمہاری خاطر سمندری گائے سے عنبر پیدا کیا اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں، مُشک بلاؤ سے تمہارے لیے خوشبو پیدا کی اور مشک بلاؤ کو اس کی خبر نہیں، تمہارے لیے درخت سے کافور پیدا کیا اور درخت کو کافور کا پتہ نہیں، تمہاری خاطر صندل پیدا کیا اور صندل کو اپنی خبر نہیں۔

اے برادر عاشقی اختیار کر، دونوں جہان کو معشوق کا حسن تصور کر اور خود کو معشوق کا حسن سمجھ۔ عاشق نے اپنے عشق سے تیرا ملک وجود بنایا تاکہ تیرے آئینے میں جمالِ حسن دیکھے اور تم کو محرمِ اسرار جانے الانسان سرّی (انسان میرا بھید ہے) تیری ہی شان میں کہا گیا ہے، پس عاشق بن، ہمیشہ حسن کو دیکھتا رہ دُنیا اور عقبیٰ کو پہچان، ہر جان لے کہ عقبیٰ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک ہے اور دُنیا شیطان کا ملک ہے۔ دونوں کو سمجھ کہ کس لیے بنایا ہے اور کیا کریں گے۔

اے برادر! نفس کو اچھی طرح سمجھ۔ جب تو اپنے نفس کو جان لے گا تو دنیا کو پہچان سکے گا اور اگر تو روح کو پہچان لے تو حق کو پہچان لے گا۔ اے برادر! دنیا میں جو حسن کفر کو دیا گیا ہے عاشق ہی جانتے ہیں کہ اس نے کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کیا ہے، جو کوئی دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق کفر کا حسن ہے۔ اے برادر! تجھے کیا معلوم کہ جو غمزۂ حسن، کفر کو دیا گیا ہے اس نے دنیا داروں پر کیسے تیر چلائے ہیں، اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے۔

اے برادر! اپنی طلب میں رہ اور اپنے آپ کو پہچان، جب تو اپنے نفس کو پہچان لے گا تو عشق کو جان لے گا، جب عشق کو اپنے حسن پر معائنہ کرے گا تو زبان کو گونگا پائے گا۔ عاشق ہو کر معشوق کو اپنے آغوش میں دیکھے گا اور حسن کا معائنہ اپنے دل کے آئینے میں کرے گا۔ سہ

آں شاہدِ معنی کہ ہمہ طالب اوپند ہم اوست کہ چادرِ تو ساختہ سرپوش

در بادیۂ ہجر چرا بند بمانیم درعین وصالیم نگارست در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولا لا اور اس سے سو گولے بنا، اور ہر گولے سے ایک صورت بنا، اور ہر صورت کا نام رکھ، کسی کا نام گھوڑا رکھ اور کسی کا نام ہاتھی، پس قند کا نام بیچ میں سے جاتا رہے گا، صرف وہ صورت باقی رہے گی جب سب صورتوں کو توڑ کر پھر قند کا گولہ بنا لیں تو وہی قند کا نام ظاہر ہو جائیگا۔

مکتوب

ایک اور مکتوب میں کہتے ہیں، "اے برادر میں نہیں جانتا ہوں کہ کیوں لائے ہیں اور کیا کریں گے، خیال ہمیشہ اندیشہ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی اندیشہ

ہمارے آئینۂ دل کو آراستہ کرتا ہے اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتا ہے عاشق کا فرمان جو معشوق نے پہنچایا ہے اس کے مطالعے سے فرضِ عاشق اور سنّتِ معشوق بجا لاتا ہے، اور عاشق کے عشق سے اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتا ہے، اور حُسن کے تماشا سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے اور باطن کے تماشا میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ جو حکم پہنچا ہے اس کا نفاذ ہو جائے

اے برادر! ناگاہ خیال نفس کا یار ہو جاتا ہے اور حال خیال کے ساتھ ایک ہو کر دُنیا کی روزی کی خواہش پیدا کرتا ہے، خیال نفس کو دُنیا کی آرائش دکھلاتا ہے اور اس کے اشتیاق میں اس کو سرگردان کرتا ہے اور معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازے پر ذلیل کرتا ہے اور شوق و آسائش آرائش میں اس کو اس ذلّت کی خبر نہیں ہوتی، اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ اس نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو موت کی فکر ہوتی ہے کہ وہ اچانک آنے والی ہے اور اس کو نہ چھوڑے گی۔ دنیا کی آرائش کا حُسن عاشقانِ دنیا کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے کہ نہ ان کو دُنیا کی خبر ہوتی ہے جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے کہ وہ گزر رہی ہے اور کیا کیا واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں، اور نہ عقبیٰ کی خبر ہوتی ہے کہ ہمارے سامنے کیا مہم درپیش ہے

اے برادر! سوچ کہ تجھ کو بھی ایک مہم درپیش ہے، اور تو نے خیال اور اندیشہ کو اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھ کہ وہ نفس کا یار ہے

اے برادر! تجھے کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور اندیشہ کیا حال پیدا کریں، اور جب تو اس حال کو معائنہ کرے گا اس وقت جان لے گا کہ یہی نصیب تھا

جو تمہیں مل گیا۔

اے برادر! میں نہیں جانتا کہ میں کیا کہتا ہوں اور مجھ سے کیا ہوتا ہے اور کیا کہلوایا جاتا ہے، زبان خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے، اگر عنایت تیرے حق پر ہو تو تجھ سے وہ چیز کہلواتے ہیں جس سے تجھے دونوں جہان میں عزیز کرتے ہیں

اے برادر! اس قدر معلوم ہوا ہے کہ اُس نے اپنی چاہت سے پیدا کیا ہے اور اپنی چاہت سے رکھتا ہے۔ وَیَفعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحکُمُ مَا یُرِیدُ جو جو کچھ اس نے چاہا کیا اور جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے، کسی کو اُس کی چاہت میں دخل نہیں ۔"

شیخ عثمان سیّاح رح

شیخ رکن الدین ابوالفتح رح کے مرید ہیں، اصل وطن دہلی ہے۔ آپ نے بہت سیاحت کی اور پھر وطن مالوف ہی میں آ گئے۔ صاحب ذوق و سماع تھے، بارہا حضرت شیخ نصیر الدین محمود رح کی مجلس میں حاضر ہوتے اور سماع و رقص فرماتے۔

آپ کا روضہ قدیم دہلی کے میدان میں ہفت پُل کے قریب ہے جو سلطان محمد عادل نے بنایا تھا۔

رحمت اللہ علیہ

شیخ ابوبکر موئی تابؒ

بدایوں میں رہتے تھے۔ حضرت ضیا نخشبیؒ سلکِ سلوک میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابوبکر موئی تابؒ جو موبمو مشغول بحق تھے اِس عالمِ خاک سے اُس عالمِ پاک کو جانے والے تھے کہ یہ بندہ نخشبی ان کی عیادت کو گیا۔ دیکھا کہ یہ شعر جس میں ہزاروں اسرار منتظم ہیں ہر لحظہ ان کی زبانِ مبارک پر رواں ہے۔ بیت

تاآب چو غبارست میانِ من و تو　　امید کہ اینک زمیاں برخیزد

شیخ شہاب الدینؒ

حق گو آپ کا لقب تھا شیخ فخرالدین زاھدی کے صاحبزادے ہیں۔ حق گو اس لیے کہتے ہیں کہ سلطان محمد بن تغلق نے حکم دے رکھا تھا کہ مجھے محمد عادل کے نام سے پکارا جائے۔ آپ نے اس کے سامنے اس حکم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ظالموں کو عادل نہیں کہہ سکتے۔ سلطان محمد نے حکم دیا کہ آپ کو دہلی کے قلعہ پر سے نیچے پھینک دیا جائے، قبر شریف بھی قلعہ کے نیچے ہے۔[1]

رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] شیخ فخرالدین ثانی آپ کے پیر ہیں، وہ بھی بزرگ تھے اور ان کا مزار شہر دہلی جدید میں بازار فیروزآباد کی جانب ہے۔ رحمۃ اللہ علیہما۔ منہ

سیّد محمد گیسو دراز رح

ابن یوسف الحسنی دہلوی، آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رح کے خلیفۂ راستین ہیں۔ سیادت وعلم وولایت میں جامع تھے۔ شانِ عظیم، رتبۂ بلند اور کلامِ عالی رکھتے تھے۔ مشائخ چشت کے درمیان آپ کا ایک خاص مشرب اور اسرارِ حقیقت کے بیان میں ایک مخصوص طریقہ ہے۔ ابتدائے حال میں دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت شیخ چراغ دہلی رح کی رحلت کے بعد دکن چلے گئے اور بہت مقبولیت حاصل کی۔ اس ولایت کے تمام لوگ آپ کے مطیع وحلقہ بگوش ہو گئے، وہیں آپ نے اس دارِ فانی کو الوداع کہی[1]۔

آپ سید گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار آپ نے مع چند اور مریدوں کے حضرت شیخ نصیر الدین محمود رح کی پالکی اٹھائی۔ اس کو اٹھاتے وقت سید کے گیسو جو بہت لمبے تھے، پالکی کے پایہ میں الجھ گئے۔ بسبب غایتِ ادب واستغراقِ عشق ومحبت آپ گیسوؤں کو باہر نکالنے کے لیے نہ ٹھہرے اور اسی حالت میں پالکی کو کندھے پر رکھ کر بہت دور نکل گئے۔ بعد ازاں جب حضرت شیخ رح کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور

---

[1] تاریخ وفات ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ۔ مزار مبارک گلبرگہ شریف میں ہے۔

آپ کے صدقِ عقیدت اور حسنِ صنعت پر آفرین کہی، پھر اسی وقت یہ شعر پڑھا۔

ہر کو مریدِ سیّدِ گیسو دراز شُد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

سیّد کے ملفوظات ہیں جو امع الکلم نام، جو آپ کے ایک ہم نام مرید محمد نے جمع کیے تھے۔ اس میں لکھتے ہیں، اپنے خال پر حضرت شیخ الاسلام نصیر الدین کی شفقت کا بیان فرماتے تھے کہ اوّل میں نے چاہا کہ جلد جلد اُن کی ملاقات کو جاؤں مگر میری یہ روش نہ تھی، اور یہ روش پیر کے سامنے نہیں جانتے، میں نے اپنے والد سے سنا تھا جو حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کے یاروں میں سے تھے، حضرت شیخؒ کے دوست میرے والد کے پاس آتے تھے میں نے اُن کو دیکھا اور سنا ہے ایک دفعہ میں شیخ الاسلام شیخ نصیر الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا، تم جب آتے ہو شام کے وقت آتے ہو اور میں اس وقت ملول ہوتا ہوں۔ البتہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات کروں، اس وقت میری عمر صرف پندرہ سال کی تھی یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی اور میں نے کہا سبحان اللہ! حضرت خواجہؒ ہم سے بھی کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ زہے دولت۔

ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو کیا وہ طلوعِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ جی ہاں، حضور کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا۔ اچھا ہو جو اسی وضو سے دو رکعت اشراق بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کی۔ خواجہ کے صدقہ میں پڑھوں گا۔ پھر فرمایا اسی کے ساتھ دو رکعت شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے چند روز اس کی پابندی کی، پھر ایک روز ارشاد فرمایا دو رکعت اشراق پڑھا کرتے ہو؟ میں نے عرض

کیا پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایا، اگر اس میں چاشت کی چار رکعت ملا دیا کرو تو نمازِ چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ میں نہیں کہتا کہ پھر کسی وقت پڑھو بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو یہ بھی ہو جائے گی۔

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔ ایک بار پوچھا کیا تم رجب میں روزے رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، پھر پوچھا شعبان میں بھی؟ میں نے کہا۔ شعبان میں نو روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے۔ میں نے گزارش کی خواجہ کے صدقہ میں رکھوں گا۔ میں نے اپنے والدِ بزرگوار سے کہا جو اس وقت تک حضرت شیخؒ سے بیعت نہیں ہوئے تھے وہ مجھ پر برہم ہوئے اور کچھ سخت باتیں کہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا آپ جو چاہیں کہیں، یہ شیخؒ کا فرمان ہے۔ میں اس سے باز نہیں آؤں گا۔

میں رمضان کے بعد شش عید کے روزے بھی رکھا کرتا تھا انہی ایام میں ایک روز قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا۔ ہمارے خواجگان صومِ داؤدی نہیں رکھا کرتے بلکہ صومِ دوام رکھتے تھے، اس کے بعد تم بھی صومِ دوام رکھا کرو۔

نیز اس میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا، خواجہ محمود بن لقا، مولانا برہان الدین غریب کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ اور میں بیٹھ کر رسالہ قشیری کا مقابلہ کر رہے تھے۔ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ حضرت خواجہ تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ بحث یہ ہو رہی تھی کہ حاتم اصم کا قول ہے جب تک کوئی تین موتوں کا مزہ نہ چکھ لے۔ اس کو مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرگِ سفید، مرگِ سرخ اور مرگِ سیاہ۔ مرگِ سفید بھوک ہے۔ مرگِ سرخ تحمل اور مرگِ سیاہ فقر ہے۔ حضرت خواجہ نے مجھ سے ازراہِ امتحان پوچھا

کہ موت سفید، سرخ اور سیاہ کس طرح ہو سکتی ہے، میں نے جواب دیا بھوک کی نسبت صفا سے ہے اس لیے یہ موت سفید ہے۔ تحمل میں خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں کیونکہ غضب کی حالت میں خون انتقام کے لیے جوش مارتا ہے اور غضب کو فرو کرنا بُردباری ہے اس لیے یہ موت سرخ ہے۔ لیکن فقر کے بارے میں جناب رسالتمآب نے فرمایا ہے اَلفَقرُ سَوَادُ الوَجہِ فِی الدَّارَینِ (فقر کا چہرہ دونوں جہان میں سیاہ ہے) اور بیشک فقیر لوگوں کے درمیان شرمندہ، خجل اور شکستہ حال ہوتا ہے۔ اس سبب سے یہ موت سیاہ ہے۔

فرمایا ایک روز شیخ الاسلام فریدالدین کے پوتے شیخ منور فضل اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو اکثر لوگوں نے گنبدِ شیخ میں سات ٹکڑوں میں پڑے دیکھا ہے، کہو یہ کیا بھید ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ ہم کو کس نے دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا آپ دروغ کہتے ہیں۔ میں نے کہا اگر یہ حال پوچھتے ہو کہ کتب سلوک میں اس طرح لکھا ہے کہ صوفی کو یہ حالت پیدا ہوتی ہے تو میں علی الاطلاق کہتا ہوں لیکن علی التعیین مجھ کو معلوم نہیں۔ انہوں نے کہا علی الاطلاق ہی کہیں۔ میں نے کہا یہ تجلی جلال کا اثر ہے تجلی پڑی اس حالت میں ایسے ایسے پہاڑ گرتے ہیں کہ یہ دُنیا کے پہاڑ اس کے مقابلہ میں سنگریزوں کے مثل ہیں، اور آگ سے حملہ ہوتا ہے، وہ آگ یہ آگ نہیں ہے اور نہ وہ جلاتی ہے لیکن اس جیسی ہزار آگیں اُس کے ایک شرارہ کو نہیں پہنچ سکتیں، وہ آتی ہے اور مرد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے، سات ٹکڑے کیا شاید لاکھوں ٹکڑے کر دیتی ہے، ان پہاڑوں اور آگوں کے درمیان ایک صورت ہے جس کا مشاہدہ سوائے اُس شخص کے اور کوئی نہیں کر سکتا، اسی حالت میں ایک جمیل و نہیں روشن

و لطیف صورت ظاہر ہوتی ہے اور ان تمام اجزاء کو اپنی طرف بلاتی ہے،
یہ تمام اجزاء اُس کی طرف دوڑتے ہیں، پھر وہ اپنے یدِ قدرت سے ان کو پہلے
سے زیادہ قوی، تمام، لطیف اور صاف کر دیتی ہے۔

فرمایا سفر سے اگر باطن پریشان نہ ہو تو مبارک ہے ،۔۔۔۔ وگرنہ صوفیوں کا
سرمایہ فراغِ دل اور جمعِ ہمّت کے سوا کچھ نہیں ہے، اگر ایک ساعت لطیف دل اپنے
خدا کے ساتھ حاضر ہو تو وہ بہشت ہے بلکہ اس ساعت پر ہزار بہشت قربان کریں
تو پھر بھی مفت ہاتھ آئے ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بخوبرو ئے   بہ ازانکہ چترِ شاہی ہمہ عمر ہای و ہُوئے

فرمایا جب مسائل کلامیہ میں فضیلتِ صحابہ میں کلام ہوتا ہے تو میں بخوفِ اتہام
کسی سے مباحثہ شروع نہیں کرتا، لیکن مخلصانِ اصحاب سے اگر کسی وقت تاکید و قسم
کے بعد بحث کی ہے تو میرا عقیدہ دل سے سچا ہے کہ افضل صحابہ ابو بکرؓ ہیں، پھر
عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ رضی اللہ عنہم، لیکن لفظی بحث جو کچھ ہوتی ہے کی جاتی
ہے اور بیگانوں کے سامنے تو یہ بھی نہیں کی۔

فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان کے لیے موت
بہتر ہے یا حیات، بعض نے حیات کو اچھا کہا ہے اور بعض نے ممات کو لیکن
میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں حیات بہتر، اور
آپؐ کے بعد موت بہتر ہے۔

فرمایا ایک شخص نے حضرت علیؓ سے اُن کے اصحاب کا حال پوچھا چنانچہ
عرض کیا کہ مجھ سے اپنے اصحاب کا حال بیان فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کس کا حال

پوچھتے ہو۔ عرض کیا عمّار کا۔ فرمایا وہ مومن ہیں اور اُن کی نس نس میں ایمان بھرا ہوا ہے عرض کیا اور سلمان کا، فرمایا اُن کے پاس علمِ اوّلین و آخرین ہے۔ عرض کیا اور حذیفہ کا، فرمایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ سر ہیں۔ اُن کے پاس منافقوں کا علم ہے۔ عرض کیا اور آپ یا علی، فرمایا کیا میرا حال پوچھتے ہو۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا جب مانگتا ہوں تو دیا جاتا ہوں اور جب میں چپ ہو جاتا ہوں تو مجھ سے ابتدا کی جاتی ہے، میں جو کچھ مانگتا ہوں مل جاتا ہے اور اگر میں خاموش ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ میں اُس سے کچھ مانگوں۔ قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ یہ مقام محبوب مراد ہے۔

فرماتے ہیں کہ ہم صوفیوں کے مشائخ عاشق ہوئے ہیں۔ اگرچہ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ اور اُن کے مرید بہت بڑے واصل اور عارف گزرے ہیں مگر عشق کی دُنیا اور ہی ہے۔

ایک مرتبہ فقیہوں کی صوفیوں سے مخالفت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی فرمایا کہ اس جماعت سے صوفیوں کی نجات اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو انہی جیسا بنا لیں اور ان کے درمیان انہی جیسے ہو کر رہیں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰہِ الْاَکْبَر (علم خدا کا سب سے بڑا حجاب ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کچھ حجاب ہے۔ دوسرے حجابات سب کے سب قبیح اور کثیف ہیں مگر علم ایک لطیف حجاب ہے اور اس کا اُٹھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس علم سے مراد نحو، صرف، حدیث، فقہ اور تفسیر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد علم باللہ ہے جو ذاتِ باری اور صفاتِ باری تعالیٰ

کا علم ہے جس کی بنا دلیل و برہان پر نہیں بلکہ مشاہدہ و عیان پر ہو۔

فرمایا لکھتے ہیں کہ دو چیزیں خاصتہ" امّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدعت ہیں۔ ایک تو صورت قلندر کی، دوسرے یہ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیں اور جو زنگ ان کو جان سے زیادہ عزیز ہیں اُن کو مار کر ٹکڑے کر ڈالیں اور اُن کی عورتوں اور فرزندوں کو قید کر کے رسوا کریں اور لوٹ لیں اور ایمان پھر بھی باقی رہے۔

زہے ایمان زہے دین۔

فرمایا لا الہ الا ھو کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ماہیت ذات سے زائد نہیں ہے۔ اُس کی ماہیت اس کی عین ذات ہے، اور صاحب لطائف قشیری کا قول کونہ وجودہ یہی معنی رکھتا ہے۔

فرمایا صوفی کہتے ہیں کہ اگر کسی کو حرام کے ساتھ اختلام ہو تو اُس کی توبہ مستقیم نہیں ہوتی۔

فرمایا طالب کی شرط یہ ہے کہ اُس کے اختیار کے بغیر اُس کے دل میں طلب پیدا ہو، اگر تمام اہل عقل و تجربہ کہیں کہ اس مطلوب کا ملنا محال ہے تو وہ ہرگز اُن کے کہنے کی طرف التفات نہ کرے، اگرچہ وہ بحکم طبیعت بشری اپنے آپ کو متردد و متامل پائے لیکن خدا نے اس کے دل میں جو بار رکھی ہے وہ لوگوں کے کہنے سننے سے کس طرح دُور ہو سکتی ہے۔

فرمایا کہ ہر چیز کے اندر ایک آفت ہوتی ہے۔ عشق کی دو آفتیں ہیں۔ ایک آفتِ ابتدا اور دوسری آفتِ انتہا۔ آفتِ ابتدا یہ ہے کہ عاشق پر معشوق کا غم عشق اور غم طلب اس قدر طاری ہو کہ اس کی تمام ذات کو محیط ہو جائے۔ کچھ مدت وہ اسی حال میں رہے،

تاآنکہ اُس کو اس میں کافی لذت حاصل ہو اور محبوب کے وصال کا کوئی راستہ نظر نہ آئے اور وہ جان لے کہ درد و غم کے سوا اور کچھ نقدِ حیات نہیں۔ ناچار اسی حالت پر قائم رہے مرورِ ایام کے بعد درد و غم اس کی طبیعت کا جزو بن جائے گا اور وہ اس کا عادی ہو جائیگا اُس سے ذوق جاتا رہے گا اور وہ لذتِ وصل اور المِ فراق دونوں سے عاری ہو جائے گا اس طرح عشق کی جلن دور ہو جاتی ہے اور وہ سرد ہو کر اپنی جگہ پر رہ جاتا ہے اور ہر شے سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ انجام کار اس کو خسران و حرمان کا سامنا ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور آفتِ انتہا یہ ہے کہ جب عاشق کو معشوق کا وصال حاصل ہو تو وہ وصال کی لذت میں محو ہو جائے اور اس کے باطن سے فراق کی سوزش اور ہجر کا رنج دور ہو جائے۔ مرورِ ایام کے بعد وصال اس کی طبیعت اور عادت میں داخل ہو جاتا ہے جس سے ذوقِ وصال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں حالتوں کا مقصد، محبوب کے ذوق، خوشی اور راحت کے سوا کچھ نہیں، وہ حال کس کام کا جس میں ذوق نہ ہو اور وہ فراق کس کام کا جس میں لذّتِ الم نہ ہو، آدمی سرد ہو جاتا ہے اور وہ ہر شے سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عشق دور ہو جاتا ہے اور وہ محبوب کے ذوقِ جمال سے محروم ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اگرچہ عاشق، وصال سے ہم کنار ہوتا ہے لیکن ذوق سے جو اس کی راحت کا باعث ہو سکتا ہے بیگانہ ہوتا ہے۔ محض وصال کسی کام کا نہیں لیکن عشق برخوردار وہ ہے کہ ابتدائے حال میں عاشق لذتِ فراق، ذوقِ الم اور غمِ ہجراں میں مشغول رہتا ہے اور آخر میں جتنا اس کا وصال زیادہ ہو جاتا ہے اتنا ہی ذوق بڑھ جاتا ہے۔ جب طلب زیادہ ہوتی ہے اور درد پہ درد بڑھنے لگتا ہے تو ذوق حاصل ہو جاتا ہے ایسے ہی عاشق کے لیے کہتے ہیں کہ اُس کا انجام بخیر ہوگا۔ اس نے عشق سے فائدہ

حاصل کیا اور کامل حظ اٹھایا، اگرچہ عارفوں کے نزدیک یہ نقصان ہے لیکن ذوق اسی میں ہے کہ کمال یا نقصان پر نظر نہ ہو۔

فرمایا عوارف میں لکھا ہے کہ کامل کو سماع کا ذوق نہیں ہوتا۔ لیکن کامل یہ ہے کہ عاشق انتہائے عشق کی آفت سے ہم کنار ہو۔ جو اس کو اپنے آپ سے لے گئی، وصال اس کی طبیعت کا جزو بن گیا، عادت پڑنے پر ذوق جاتا رہا اور وہ سرد ہو گیا۔ انتہائے ممدوح جو آفت سے ناآشنا ہو یہ ہے جس کا اشارہ اس بیت میں کیا گیا ہے

عجبی نیست کہ سرگشتہ بود طالبِ دوست　　عجب اینست کہ من واصل و سرگردانم

فرماتے تھے کہ سماع میں حالتِ ممدوح یہ ہے کہ خود سے باہر نہ ہو، اپنے آپے میں رہے، جو کچھ کرے اور کہے اس کو اچھی طرح جانتا ہو، لیکن اس پر ایسی حالت وارد ہو کر اُن حرکات وسکنات سے جو اُس وقت اس سے صادر ہو رہی ہوں باز نہ رہ سکے جیسے کہ ایک غضب ناک آدمی غضب کی حالت میں ہوتا ہے، اور سماع سے کسی وقت بیہوشی بھی لاحق ہوتی ہے لیکن وہ حالت ممدوح نہیں۔ سماع سے مقصود اندوہ کا جمع کرنا اور دل کی توجہ ایک چیز پر کرنا ہے اور اس ایک چیز کے علاوہ دوسری چیزوں سے خالی کرنا ہے، پس وہ حالتِ بےخودی اس سے علیحدہ اور مختلف ہوگی اور ہر آئینہ ممدوح نہ ہوگی۔

فرمایا کہ مولانا جمال الدین مغربی کو نصوص پر عبور حاصل تھا اور وہ مرد مسافر، حکیم، جہاں دیدہ اور پیر کہنہ تھے، اکثر مشائخ کے صحبت یافتہ تھے اور کبھی کسی کی بات نہیں مانتے تھے۔ وہ ایک محکم عارف تھے اور اکثر نصوص کا طریق کار رکھتے تھے اور اس پر اعتقاد کرتے تھے، اس پر ایک نہایت لطیف شرح لکھی تھی۔ میں ایک سال تک

اُن کے ساتھ رہا اور احادیث و کلام اللہ میں جو کچھ اس کی تائید میں ہوتا تھا کہتا تھا
اور نصوص کی تمام باتوں کو ثابت کرتا تھا۔ بعد ازاں ایک دن میں نے ایک مسئلہ میں اُن
سے تھوڑا سا اختلاف کیا۔ مولانا یہ سن کر اس طرح بیدار ہوئے جس طرح کوئی سوتا ہوا
جاگ اٹھتا ہے، اور فرمانے لگے کہ اخوند سید میں آپ کا معتقد ہوں، آپ ایسی
باتیں کیوں کہتے ہیں۔ میں نے معقول و منقول سے اپنی باتوں کے اثبات میں گفتگو
کی کہ جس میں اصلا جائے گرفت نہ تھی۔ اسی طرح چھ ماہ ہو گئے۔ میں ہر روز آکر مسائل
نصوص میں بحث کرتا اور اُن سے اختلاف کرتا اور اپنے بیان کا ثبوت پیش کرتا تھا وہ کہتے
میر سید صل علیٰ محمد، اور یہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ اگر کوئی بے توجیہ بات کرے
تو کہتے ہیں صل علیٰ محمد۔ یعنی زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں، پیغمبر پر درود کہو۔
ایک روز بہت بحث ہوئی۔ انہوں نے کہا میر سید تھوڑی دیر ٹھہرو، پھر مراقبہ کے طور
پر دونوں پاؤں پر بیٹھ کر سوچنے لگے وہ اسی سال کے بڈھے تھے اور میری عمر بیس سال
سے کچھ زیادہ تھی۔ پھر فرمایا میر سید تم ایک درویش ہو اور ہم آپ کے معتقد ہیں۔ یہ کہہ کر
کانوں کو ہاتھ لگایا اور سر نیچے کر لیا اور فرمایا کہ جس شخص نے سلوک کا راستہ اختیار کیا وہ کسی
ایک شے کے ساتھ مخصوص ہوا ہم سخن سے مخصوص ہیں۔ خدا نے ہم کو اپنے اسرار کے بیان
کی دولت دی ہے، ہر چند میں چاہتا ہوں کہ میری نظر اپنے سخن سے ساقط ہو لیکن نہیں
ہوتی، میری نظر ضرور اپنے سخن پر پڑتی ہے اور اس سبب سے میں بہت اندوہ گین ہوتا
ہوں کہ اس سے نظر ساقط کیوں نہیں ہوتی۔

• فرمایا کہ تفسیر ام المعانی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع
میں حضرت علیؓ کو کسی مصلحت سے روانہ فرمایا تھا۔ جب حضرت علیؓ اس مصلحت سے

واپس تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تم کو معلوم ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے کل مجھے کس کرامت سے مخصوص فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا یا
رسول اللہ! میں نے نہیں سنا۔ فرمایا کل میں نے مجلس کی اور ابوطالب اور اپنے ماں باپ
کے لیے مغفرت کی درخواست کی۔ فرمان ہوا حکم مجھ پر موقوف ہے، جو میری وحدانیت اور
تیری نبوت پر ایمان نہیں لاتا اور بتوں کو باطل نہیں کہتا اس کو بہشت میں داخل نہیں کروں گا
تم فلاں گھاٹی پر جاؤ اور اپنے ماں باپ اور ابوطالب کو آواز دو۔ وہ زندہ ہو کر تمہارے
سامنے آئیں گے، تم ان کو اسلام کی دعوت دینا، وہ تم پر ایمان لے آئیں گے چنانچہ
ایسا ہی کیا اور میں نے ایک بلندی پر جا کر آواز دی اے ماں، اے باپ، اے چچا
تینوں زمین سے باہر نکلے اور مجھ پر ایمان لائے۔ اور عذاب سے نجات پائی۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے، میں نے صرف ام المعانی میں دیکھا
ہے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام کتاب اسمار
ہے۔ جس میں آپ نے رمز و ایما اور الفاظ و اشارات میں حقائق و معارف بیان فرمائے ہیں
اس میں سے ایک سمر یہاں نقل کیا جاتا ہے :

سمر چہل و نہم ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک
جھیل ہے جس کا طول و عرض تو مجھے معلوم نہیں لیکن اس کی گہرائی کمر تک ہے۔ اس میں
کچھ لوگ جا رہے ہیں جن میں میں بھی ہوں۔ انہی میں ایک پندرہ سالہ لڑکی ہے وہ بھی پانی
میں جا رہی ہے طرفہ یہ کہ ہم سب کمر تک برہنہ ہیں۔ وہ لڑکی ایسی حسین و جمیل ہے کہ اگر
اس کا پرتو جنت کی حور پر پڑے تو وہ بھی خدائی کا دعویٰ کرنے لگے۔ اس کا رنگ و رخسارہ

اور قد و قامت جوان لڑکوں کا سا تھا اور حسن صورت سے ایک رمز بیان کر رہی تھی میرے اور اس کے درمیان ایک فرسنگ کا فاصلہ تھا۔ اس نے مجھ کو اپنی طرف بلایا، چنانچہ جس طرح دولھا کو احترام کے ساتھ عروس کے پاس لے جاتے ہیں اس پانی میں قریباً ایک فرسنگ سے میرا اس سے اتصال کرایا گیا۔ غیب الغیب سے ایک شخص شاہد ہوا اور اس نے ہم پر چادر ڈال دی جیسے کوئی شخص کسی کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں اس جمال، اس حسن اور اس لطافت میں عین وہ لڑکی ہو گیا ہوں۔ وہ میری عاشق ہو گئی ہے اور میں اس کا عاشق ہوں۔ اسی اثنا میں میرے اور اس لڑکی کے مابین حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور فریاد کی انا ابن اللہ۔ یہ سن کر ہم دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ میں کہتا ہوں کہ عیسیٰ میرا لڑکا ہے اور وہ کہتی ہے کہ میرا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فریاد کرتے ہیں اور اچھلتے ہیں اور ہم دونوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نہ تیرا لڑکا ہوں نہ اس کا، میں خود اپنا ہوں اور خود بخود ہوں، مگر وہ لڑکی پھر کہتی ہے کہ عیسیٰ میرا ہے۔ میں اپنے آپ کو اس کا عین پاتا ہوں اور وہ پانی جس کا بیان کیا گیا سر بسر سب کا سب میں ہی ہوں۔ واللہ علیمٌ حکیمٌ ط

سید محمد بن جعفرؒ

المکی الحسینی، حضرت شیخ نصیرالدین محمودؒ کے اعاظم خلفاء سے ہیں، توحید و تفرید میں عالی مقام رکھتے تھے۔ آپ کا شمار افرادِ اولیاء میں ہے۔ جو کچھ آپ نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کے بارے میں تحریر کیا ہے اس کو پڑھ کر عقل حیران ہے، اگر اس کو بغیر کسی تاویل کے صرف ظاہری طور پر تسلیم کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے کاملین میں سے ہیں۔ قدس اللہ سرہٗ۔

آپ کی ایک تصنیف بحرالمعانی ہے، اس میں بہت سے حقائقِ توحید، علومِ صوفیہ اور اسرارِ معرفت بیان کیے ہیں۔ مستانہ وار باتیں کرتے ہیں۔ اس کتاب میں دو اور کتابیں دقائق المعانی اور حقائق المعانی لکھنے کا بھی وعدہ کرتے ہیں، خدا جانے یہ تحریریں آئیں یا نہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی اور تصانیف بھی ہیں۔ ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، ایک رسالہ پنج نکات ہے اور ایک تصنیف بحرالانساب نام کی ہے اس میں اہلِ بیتِ رسالت کے نسب کا بیان ہے اور ان کے ساتھ اپنے آبا و اجداد کی نسبت قلمبند کی ہے۔

آپ کثیر الدعویٰ بزرگ ہیں اور جس قدر اپنے احوال بیان فرمائے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے۔ آپ نے بڑی عمر پائی۔ سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت سے سلطان بہلول کے زمانے تک بقیدِ حیات تھے۔ سن شریف

سو سال سے متجاوز تھا۔ آپ کے آبائے کرام مکہ معظمہ کے شرفا میں سے تھے۔ وہاں سے دہلی آگئے اور پھر سرہند میں اقامت گزین ہو گئے۔ آپ کا مزار بھی اسی شہر میں ہے۔

بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ میں ساٹھ سال علوم ظاہری کی تحصیل میں لگا رہا اور کسب کمالات میں سرگرم رہا۔ لیکن محبوب ازل اور مقصود حقیقی سے نا مل تھا۔ اب تیس برس ہوئے ہیں کہ "می بینم آنچہ دیدہ می نماید و می شنوم آنچہ گوش می شنید ابد" یعنی جو کچھ میری آنکھیں دیکھتی ہیں اس کو چشم دل دیکھتا ہوں اور جو کچھ میرے کان سنتے ہیں اس کو بگوش ہوش سنتا ہوں۔

اسی کتاب میں آپ نے ابدال، اوتاد، اقطاب، افراد اور تمام رجال اللہ اور اُن کے اعداد، اسامی، مراتب، اوراد، اعمار، احوال اور اقسام اس طریقے سے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب سے ملاقات کی ہے اور ہر ایک سے نعمت پائی ہے، ان سب کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ تین سو ستاون ۳۵۷ ابدال اور ہیں، اور فقیر نے سرچشمۂ نیل کے پہاڑ میں ان سے ملاقات کی ہے وہ پہاڑ میں سکونت رکھتے ہیں، درختوں کا گوند اور بیابان کے کیڑے مکوڑے ان کی خوراک ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ سے محبوب قطبیت کے مقام میں تمام اولیا میں سے دو شخص معشوق کے مقام میں پہنچے، اور یہ مقام کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ اے محبوب! وہ دو شخص کون ہیں، ایک شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اور دوسرے شیخ نظام الدین بدایونی۔ یہ دونوں بزرگ روح احمدی کے سرچشمے سے سیراب تھے۔

اے محبوب، خوب غور کر، یہ فقیر جو کچھ تحریر کرتا ہے بغیر مشاہدہ کے نہیں ہے۔
اے محبوب! ایک روز یہ فقیر حضرت خضرؑ کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی پر سوار تھا اور اس اللہ والے کے مشاہدہ کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ حضرتؑ نے بھی فرمایا کہ شیخ عبدالقادر گیلانی رحمہ اور شیخ نظام الدین بدایونی رحمہ مقام معشوقی میں تھے۔

نیز فرماتے ہیں اے محبوب میں انیس سال عالم صحو میں تھا اور اکیس سال عالم سکر میں تھا یہاں تک کہ مجھے کسی چیز کی خبر نہ تھی، لیکن شیخ یعقوب کی پناہ میں تھا جو قطب اقلیم تھے، انہوں نے میرے اس اکیس سال کی روایت بیان کی، اس وقت معلوم ہوا کہ میں اکیس سال مست رہا اور اس مدت کے بعد بھی حضرت پیر کی بدولت چند سال سے مقام مستی سے عالم فردانیت میں آیا ہوں۔ ؎

فریدم فرد بنشستم کہ در خود ‏ ‏ ‏ ‏ زفردیت لبی انوار دارم
اگر موسیٰ نیم موسیٰ چہ ہستم ‏ ‏ ‏ ‏ درون سینہ موسیٰ قرار دارم

اے محبوب، ابن عربی صاحب فصوص لکھتے ہیں کہ منصور حلاج کو تجلی ذات حاصل تھی اور وہ اولاد کا مقام رکھتے تھے، لیکن یہ فقیر کہتا ہے کہ اگر منصور حلاج کو تجلی ذات حاصل ہوتی تو وہ ہرگز انا الحق نہ کہتے اور دوسرے بایزید بسطامیؒ سبحانی کا نعرہ نہ لگاتے، کیونکہ تجلی ذات کے مقام میں محویت ہے، محو کیا جانے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں جو سبحانی اور انا الحق کہے۔ من عرف اللہ کل لسانہ رحمن نے اللہ کو جان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی، تجلی ذات میں ہے اور جاہل لسانہ دراز کی زبان بڑھ گئی، تجلی صفات میں ہے، اور تجلی صفات و افعال و آثار میں کلام روا ہوتا ہے۔

اے محبوب! جب درویش تجلیِ صفات میں مستغرق ہوتا ہے پس خود کو اُس کے جمالِ صفتی سے کسی صفت میں متصف پاتا ہے یعنی ذاتِ جائز الوجود، صفاتِ واجب الوجود میں، جمالِ صفات کے نور میں مستغرق ہو جاتی ہے اور وہ صفتِ واجب الوجود بیان میں آتی ہے اور وجودِ جائز الوجود کو صاف اُچک کر لے جاتی ہے، اس پر یہ صفتِ واجب الوجود کلام میں آتی ہے اور سبحانی اور انا الحق کہنے لگتی ہے ان اللہ لینطق علی لسان عمر۔ کیا کروں، ابنِ عربی آج زندہ نہیں ہیں، میں اُن کو کہتا جو کچھ کہتا اور وہ سنتے، یقین جانو کہ میرے کلمات بحر المعانی میں نہیں سما سکتے، اب کلمات کہاں ہیں، انشاء اللہ پھر کسی وقت اس محبوبہ کو لکھوں گا۔

بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ جو کچھ میری زبان سے قلم پر آتا ہے اس کو میری زبان میرے دل سے اقتباس کرتی ہے اور میرا دل اس کو میری روح سے اقتباس کرتا ہے اور میری روح اس کو روحِ علیؓ سے اقتباس کرتی ہے۔ حضرت علیؓ کی روح، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے اقتباس کرتی ہے اور نبی اکرمؐ کی روح حضرت رب العزت کے کلامِ بے حرف وصوت سے اقتباس کرتی ہے۔ اے محبوب! جس قدر میں زیادہ لکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ مشکلات میں پھنس جاتا ہوں، تم یقین جانو کہ خضر علیہ السلام کئی سال تک سفر و حضر میں اس فقیر سے بحر المعانی کے یہ کلمات دریافت کرتے رہے، میں نے ان کو نہیں بتائے اور وہ اب تک بھی دریافت کرتے ہیں لیکن واللہ میں نہیں بتاتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابتدائے حال میں چند سال اس فقیر کو اُن کی ملاقات کی تمنا رہتی تھی، ملاقات کے وقت جب میں ان حقائق کے بارے میں خضر علیہ السلام سے کچھ پوچھتا تھا تو میری تشفی نہ ہوتی تھی۔ آج ان کو بہت تمنا ہے اور میں احتراز کرتا ہوں، اس لیے کہ وہ اپنی جان

کی حفاظت کے لیے ہیں یعنی نیم جان کی حفاظت کرتے ہیں اور میری یہ حالت ہے کہ اگر مجھے ہر لمحہ ہزار جانیں بھی بخشی جائیں تو میں اُن کو ترک کرنے کا منتظر ہوں، اے محبوب تو بھی جان نثاری اور جان سپاری میں لگا رہ تا کہ خضر ایسے ہزاروں تیرے لیے سرگرداں ہوں۔ خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ دامن گیر ہے۔ یہ تمام کلمات اجمالاً سے تحریر کر رہا ہوں، اگر تفصیلات میں جاؤں تو پھر توریت کی طرح اونٹوں کا لدوا بن جائے، چونکہ یہ کلمات قرآن مجید کی شرح میں ہیں اس لیے ان کو خیر الکلام کہا گیا۔

بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ ابراہیمؑ صاحب ذوق تھے، موسیٰؑ صاحب لذت اور حبیب اللہؐ صاحب حلاوت تھے۔

نیز بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر گیلانیؒ فرماتے ہیں۔ رَأَیْتُ رَبِّیْ فِی الْمَنَامِ عَلٰی صُوْرَةِ اُمِّیْ (میں نے اپنے رب کو خواب میں اُمّی کی صورت میں دیکھا)۔ یہ اُمّی کون ہے، اللھم صل علیٰ محمد النبی الاُمّیؐ، اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری، اے محبوب غیری میں یاء نسبت ہے نہ یاء متکلم یعنی لا یعرفھم غیوری و غیور احبائی یعنی خود حضرت صمدیت جلت قدرتہ اپنے محبّوں کو پہچانتا ہے اور اس کے محب بھی ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں مگر ان کو غیر محب نہیں پہچانتے۔

نیز فرماتے ہیں معراج الروح سماع ومعراج القلب الصلوٰة روح کی معراج سماع ہے اور دل کی معراج نماز ہے۔

بحر المعانی میں بعض اشعار جو آپ نے قلمبند کیے ہیں اُن میں سے ایک یہ غزل ہے۔

غزل

اے صورتِ تو جہانِ معنی ‌ باصورتِ تُست جانِ معنی
یکسر شاخِ گُلے ز بستہ صورت ‌ مثلِ تو بہ بوستانِ معنی
از صورتِ تست خاطرِ ما ‌ منزل گہِ کاروانِ معنی
ہر عضو کند بصد زبان پیش ‌ از صورتِ تو بیانِ معنی
در صورتِ وصف تو محمدؐ ‌ تا حشر نہادہ خوانِ معنی

سیّد جلال الدین بخاریؒ

آپ کا لقب مخدوم جہانیاں ہے۔ جامع علم وولایت وسیادت ہیں۔ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی قدس سرہٗ کے مرید اور حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے خلیفہ ہیں۔ مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعیؒ کے صحبت یافتہ تھے خزانۂ جلالی میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اُن سے بہت روایات نقل کی ہیں۔ آپ نے بہت سیر وسیاحت کی اور اکثر اولیاء اللہ سے نعمت و برکت حاصل کی۔

مشہور ہے کہ آپ جب کبھی کسی سے معانقہ فرماتے تو جو نعمت اس کے پاس ہوتی اسی وقت جذب کر لیتے۔ یعنی آپ اس قدر توجّہ اور خدمت سے کام لیتے کہ وہ شخص بے اختیار ہو کر آپ کو اپنی ہر نعمت دے دیتا تھا۔

تاریخ محمدی میں ہے کہ آپ نے پہلے اپنے چچا شیخ صدر الدین بخاری سے خرقہ پہنا اور شیخ الاسلام سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ مطری سے حرم شریف نبوی میں کلاہ ارادت اور خرقۂ تبرک سے سرفراز ہوئے۔ آپ دو سال تک ان کی صحبت میں رہے اور ان سے عوارف المعارف اور سلوک کی دوسری کتابیں پڑھیں اور طریقت کو اخذ کیا اور ذکر کی تلقین پائی۔ شیخ عفیف الدین نے فرمایا کہ آپ کی نعمت گازرونی میں موقوف ہے۔ آپ گازروں پہنچے تو شیخ الاسلام

شیخ امین الدین کے بھائی شیخ امام الدین نے کہا کہ شیخ امین الدین نے رحلت کے وقت مجھ کو وصیت کی تھی کہ سید جلال الدین بخاری میری ملاقات کے لیے اُچ اور ملتان کی جانب سے آ رہا تھا۔ راستے میں شیطان نے اس کو بہکا دیا کہ شیخ امین الدین تو اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے ہیں، اب سید جلال الدین بخاری مکہ مبارک کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور واپسی پر گازرون میں آئیں گے۔ اُن کو میرا سلام کہنا اور میرا سجادہ اور مقراض حوالے کر کے ان کو میرا مجاز اور خلیفہ مقرر کر دینا۔ شیخ امام الدین نے اس وصیت کے مطابق عمل کیا۔ سید السادات جلال بخاری اُس پیر سے مختلف قسم کے استفادے کر کے واپس آئے اور شیخ الاسلام شیخ رکن الدین سے خرقۂ تبرک پہنا۔ سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے اور آپ کے لیے سیوستان اور اس کے مضافات کی مسندِ خانقاہ محمدی مخصوص ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد آپ نے سب کچھ ترک کر کے کعبہ شریف کا سفر اختیار کیا۔

آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے، سلطان فیروز کے عہدِ حکومت میں کئی مرتبہ اُچہ سے دہلی تشریف لائے اور سلطان فیروز آپ کی خدمت میں بہت شائستہ طریقے سے اعتقاد و اخلاص کے مراسم بجا لاتا تھا، مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کو حضرات قادریہ سے کمال محبت ہے۔ خزانۂ جلالی میں لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا طوبیٰ لمن رآنی ولمن رأی من رآنی ولمن رأی من رأی من رآنی ——— (خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور اس شخص کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور اس شخص کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا۔) اور وہ قطب ہیں اور صادق ہیں۔ ان کے اس قول سے میں بہت امیدوار

ہوں کہ حق تعالیٰ اس کلام کے بموجب مجھ پر رحمت کرے گا۔

بعدازاں اس سلسلہ کو جو ایک واسطے سے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک پہنچتا ہے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے سلسلے سے علیحدہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے جنہوں نے شیخ شہابؒ الدین سہروردی کو دیکھا اور انہوں نے شیخ محی الدین عبدالقادرؒ جیلانی کو۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ کے بیٹھے بیٹھے کہیں آگ لگ گئی۔ آپ نے مٹھی بھر مٹی لے کر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا نام باواز بلند لیا اور مٹی کو آگ کی طرف پھینک دیا۔ آگ اسی وقت ٹھنڈی پڑ گئی۔

تکملۂ فارسی جو ہمارے ملک میں مشہور ہے وہ مخدوم ہی کے ایک مرید نے امام عبداللہ یافعی کی کتاب ریاض الریاحین کے تکملہ کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اُچہ میں شب برات ۷۰۷ھ میں ہوئی اور ۷۸۵ھ میں عید قربان کے دن وفات پائی۔ عمر شریف ۷۸ سال کی تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ، مخدوم جہانیاں کی ملاقات کو آئے اور آپ کے حجرہ کے باہر بیٹھ گئے۔ خادم نے اطلاع دی کہ سید علی ہمدانی آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مخدوم نے فرمایا کہ ہمہ دآن تو علام الغیوب کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ان کو اندر طلب نہ فرمایا۔ اس واقعے سے میر سید علیؒ کو سخت کوفت ہوئی، وہ واپس چلے گئے اور اس تقریب پر ہمدان کے معنی بیان کرنے میں ایک رسالہ تحریر کیا، مگر رسالہ ہمدانیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں پر جو اس نام (یعنی ہمدآن) کے منکر ہیں بہت لعنت ملامت کی ہے۔ اور یہ امر حضرت

مخدوم جہانیاں کی عظمت و جلال کے شایانِ شان نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

شیخ علاؤ الحق والدینؒ

بن اسعد لاہوری بنگالی۔ شیخ سراج الدین عثمان ملقب بہ اخی سراج الدین کے خلیفہ ہیں۔ ابتدائے حال میں اپنے زمانے کے اغنیاء و اکابر میں سے تھے اور نہایت معزز و معظم تھے۔ آخر کار شیخ اخی سراجؒ کے حلقۂ ارادت سے منسلک ہو کر فقر و گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ اخی سراجؒ نعمتِ خلافت سے سرفراز ہو کر حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے طالب رخصت ہوئے اور اپنے اصلی وطن کی جانب متوجہ ہونا چاہا تو آپ نے حضرت شیخ کی خدمت میں التماس کی کہ وہاں شیخ علاؤ الدین ایک دانشمند اور عالی جاہ بزرگ موجود ہیں میری ان کے ساتھ کیونکر نبھے گی، حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ غم نہ کھاؤ کہ وہ تمہارا خادم ہو جائے گا۔ چنانچہ وہی ہوا جو شیخؒ نے ارشاد فرمایا تھا۔

نقل ہے کہ شیخ سراج الدینؒ اکثر اوقات سوار ہوتے تھے، لوگ پکے ہوئے کھانے ان کے ہمراہ کر دیتے تھے۔ شیخ کے خادم آتش گرم کی پتیلی شیخ علاؤ الدینؒ کے سر پر رکھ دیتے تھے یہاں تک کہ آپ کے سر کے بال اڑ گئے تھے، اور شیخ کا گزر آپ کے اقرباء کے گھروں کے سامنے سے ہوتا تھا جو بادشاہ کے وزراء تھے مگر اس حال سے آپ میں کوئی تغیر اور تاثیر پیدا نہ ہوتی تھی۔

شیخ علاؤ الحق بے دریغ خرچ کرتے تھے یہاں تک کہ بادشاہِ وقت کو بھی رشک ہوتا تھا اور کہتا کہ میرا خزانہ شیخ کے باپ کے پاس ہے وہ ان کو دیتا ہے سلطان نے حکم دیا کہ شیخ میرے شہر سے نکل جائے اور سنار گاؤں چلا جائے۔ آپ دو سال تک سنار گاؤں میں رہے اور خادم کو حکم دے رکھا تھا کہ روز کا خرچ پہلے سے دگنا کر دے۔ شیخ کا خرچ بہت زیادہ تھا لیکن معاش کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ آپ کے بزرگوں کے دو باغ جن کی آمدنی آٹھ ہزار نقرئی ٹنکے تھی کسی نے لے لیے، مگر آپ نے کبھی ذکر تک نہ کیا۔ اور لوگوں میں بے اندازہ بخشش کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے مخدوم جو کچھ خرچ کرتے تھے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں کرتا۔

آپ کا مزار شریف پنڈوہ میں ہے۔ ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خواجگیؒ

شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید و خلیفہ، مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد اور قاضی شہاب الدین کے استاد ہیں۔

نقل ہے کہ جن دنوں آپ دہلی میں تحصیل علم میں مصروف تھے تو درس و استفادہ سے فارغ ہو کر شیخ نصیر الدین محمودؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مولانا معین الدین کو حضرت شیخؒ سے جیسا کہ موالی کی عادت ہے انکار تھا اور کبھی ان کی زیارت کو نہ گئے تھے۔ مولانا خواجگیؒ ہر دو عزیزوں کی نسبت کامل اعتقاد و خلوص رکھتے تھے اور ان کی باہمی کشیدگی کی وجہ سے تکلیف اٹھاتے تھے، اتفاق سے مولانا معین الدین کھانسی کے عارضے میں بری طرح مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ طبیبوں نے جواب دے دیا اور مولانا زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ایک دن مولانا خواجگی نے عرض کیا کہ اس میں کیا مضائقہ ہے اگر مخدوم، حضرت شیخؒ کی ملاقات کو تشریف لے جائیں اور ان سے دعا کی درخواست کریں تاکہ اُن کی برکتِ صحبت و نظر سے شفا حاصل ہو پہلے تو مخدوم کو یہ بات اچھی نہ لگی مگر بعد میں تکلیف کی بے قراری کے باعث جانے پر آمادہ ہو گئے اور اُن سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، دروازے میں سے ہو کر خانقاہ میں داخل ہوئے۔ شیخؒ اس وقت خانقاہ سے نکلے اور گھر کے اندر جا کر پھر لوٹ آئے۔ معلوم ہوا کہ کھانا پک کر تیار تھا لیکن سادہ چاول اور دہی کی ضرورت تھی، لہٰذا ان کے متعلق حکم دے کر خانقاہ میں

آئے اور مخدوم سے ملاقات کی۔ کچھ دیر ایک دوسرے سے گرم صحبت رہے خادم نے دستر خوان بچھایا اور قسم قسم کے کھانے حاضرین کے سامنے چنے گئے، مگر وہی اور سادہ چاول جو بظاہر کھانسی اور بلغم کے مریض کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں مولانا کے سامنے رکھے گیے۔ مولانا نے بہت انکار کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ تناول فرمایئے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ شیخ کی ہیبت سے انکار کی جرأت نہ کر سکے اور اس میں سے چند لقمے کھائے جب دستر خوان بڑھایا گیا تو مولانا کو شدید کھانسی کا دورہ پڑا۔ خادم نے طشت حاضر کیا۔ کھانسی اور بلغم کا جو مادہ ان کے اندر تھا سب اسی وقت خارج ہو گیا اور اسی دہی چاول سے شفایاب ہو گئے مولانا کا انکار حضرت شیخ سے حد درجہ ارادت و عقیدت میں تبدیل ہو گیا اور دونوں بزرگ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے۔

مولانا خواجگی، امیر تیمور گورگان کے آنے سے پہلے ایک سچے خواب کی بنا پر جو میر سید محمد گیسو دراز نے دیکھا تھا اور جس سے انہوں نے مغلوں کے آنے کی خبر دی تھی دہلی سے کالپی میں جا کر متوطن ہو گئے تھے اور پھر اسی جگہ زندگی بسر کی آپ کا مقبرہ شہر کالپی سے باہر واقع ہے۔

یزار و متبرک بہ

مولانا معین الدین عمرانی رح

بڑے دانش مند اور اُستاد تھے۔ حواشی کنز، حسامی اور مفتاح آپ کی تصنیف ہیں
کہتے ہیں کہ سلطان محمد بن تغلق نے جب قاضی عضد کو ہندوستان میں بلایا
تھا اور التماس کی تھی کہ مواقف کے متن کی تشریح اس کے نام سے کریں تو اُس نے
مولانا موصوف کو بھی وہاں بھیجا تھا اور وہاں آپ سے فضل و دانش کے بہت کارہائے
نمایاں ظاہر ہوئے۔ قاضی عضد کے اس ملک میں نہ آنے کی یہ وجہ ہوئی کہ جب اُس ملک
کے بادشاہ نے سُنا کہ قاضی صاحب، ہندوستان کا قصد رکھتے ہیں تو وہ سلطنت کے
تمام املاک و اسباب چھوڑ کر اُن کی خدمت میں پہنچا اور درخواست کی کہ آپ تختِ سلطنت
پر رونق افروز ہوں اور میں آپ کی خدمت کرتا ہوں۔ اپنی منکوحہ کے سوا جو کچھ میرے
پاس ہے سب آپ کا ہے۔ قاضی عضد نے جب اس کی یہ مروت و ہمت دیکھی
تو اس نے ہندوستان کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں رہنے کا عزم کیا۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

مولانا احمدؒ

تھانیسری، شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مریدوں میں سے ہیں۔ ظاہری علوم و فضائل میں بہت ماہر تھے۔ اگرچہ آپ کے اور مولانا خواجگی کے درمیان برادرانہ تعلقات تھے مگر آپ نے شہر دہلی کو چھوڑنے میں ان کا ساتھ نہ دیا تاآنکہ امیر تیمور گورگانی کی افواج قاہرہ آ پہنچیں اور انہوں نے سلطنت دہلی کو تاخت و تاراج کر دیا۔ مولانا احمد کے متعلقین گرفتار کر لیے گئے۔ فتنہ ختم ہوا تو رہائی پا کر امیر تیمور کے دربار میں پہنچے وہاں آپ کے اور مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کے پوتے شیخ الاسلام کے درمیان گفتگو کے مواقع پیدا ہوتے تھے۔ امیر تیمور نے کہا یہ صاحب ہدایہ کے پوتے ہیں۔ مخدوم نے فرمایا، صاحب ھدایہ نے جوان کے دادا تھے ھدایہ میں کئی مقامات پر خطا کی ہے، اگر انہوں نے ایک آدھ جگہ خطا کی ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ شیخ الاسلام نے جواب میں کہا وہ کون سے مقامات ہیں جہاں خطا کی ہے، اس کا ثبوت ملنا چاہیئے۔ مولانا نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں کو اشارہ کیا کہ اب وہ تقریر کریں۔ امیر تیمور نے حفظ ناموس کی خاطر اس صحبت کو کسی دوسری مجلس پر ملتوی کر دیا۔

مولانا وہاں سے مع اہل و عیال آ کر کالپی میں متوطن ہو گئے اور مولانا خواجگی کے ساتھ پھر سے برادرانہ تعلقات کا سلسلہ قائم کر لیا۔

آپ کی اولاد اور قاضی شہاب الدین میں جو مولانا خواجگی کے شاگرد ار

فرزندِ معنوی تھے رنجش واقع ہو گئی۔ قاضی نے مولانا خواجگی کو ان لوگوں کی شکایت لکھ کر مدد چاہی۔ مولانا نے اس کے جواب میں شیخ سعدی کی یہ دو بیتیں لکھ دیں۔ ابیات

اے بیش ازانکہ در قلم آید ثنای تو
واجب بر اہلِ مشرق و مغرب دعای تو
اے در بقای عمرِ تو نفع جہانیاں
باقی مباد آنکہ نخواہد بقای تو

آپ نے نعت میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں فصاحت و بلاغت کی خوب داد دی ہے اس میں سے چند بیتیں لکھی جاتی ہیں۔

خل الاحادیث عن لیلیٰ و جارتھا	وارحل الی السید المختار من اود
ولیس فی الدین والدنیا وآخرتی	سوای جناب رسول اللہ معتمد
بالخلق مشتمل بالرفق مکتحل	بالحق متصل بالصدق منفرد
بالشرع معتصم للدین منتقم	فی اللہ مجتھد باللہ مقتصد
العدل سیرتہ، والفضل طینتہ	والبذل شیمتہ، فی الوجد والوبد

ترجمہ: لیلیٰ اور اس کی ہمسائیوں کی باتیں چلی گئیں اور پھیر کھا کر سید مختار ؐ کی طرف چلی آئیں۔ دین و دنیا اور آخرت میں میرے لیے رسول اللہ ؐ کے سوا کوئی آسرا نہیں ہے آپ ؐ کی ذات خلق کے ساتھ مشتمل ہے اور رفاقت کا سرمہ لگائے ہوئے ہے آپ حق کے ساتھ متصل ہیں اور صدق میں فرد ہیں۔ آپ ؐ شرع کے ساتھ مضبوط ہیں اور دین کے لیے انتقام لینے والے ہیں، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے اور اللہ کے ساتھ قصد کرنے والے ہیں۔ عدل آپ ؐ

کی سیرت ہے اور فضل آپ کی طینت ہے، اور فراخی و تنگی میں بخشش آپ کی عادت ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد کا ذکر اور آپ کے معجزات و کمالات کا شمار کیا ہے اور آخر میں کہتے ہیں!

افدیک بالروح والقلب المشوق معاً والنفس والمال والاہلین والولد

ویا حیاتی ویا روحی ویا جسدی ویا فوادی ویا ظہری ویا عضدی

یارب صل وسلم دائماً ابدًا علی النبی نبی الحق والرشد

محمد احمد الہادی لامتہ الیٰ صراط صراط غیر ملتحد

ترجمہ: فدا ہوتا ہوں میں آپ پر روح سے اور شوق والے قلب کے ساتھ اور جان و مال اور اہل و اولاد سے۔ اے میری زندگی، اے میری روح، اے میرے جسم، اے میرے دل، اے میری پشت اور اے میرے بازو، اے رب درود وسلام بھیج ہمیشہ ہمیشہ اوپر نبی کے جو حق و رشد کے نبی ہیں۔ محمد احمد اپنی امت کے ہدایت کرنے والے ہیں اس رستے کی طرف جس رستے میں کوئی کجی نہیں۔

مولانا احمد کی قبر اور گنبد قلعۂ کالپی کے اندر واقع ہے اور زیارت گاہ عام ہے

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ صدر الدّین حکیمؒ

شیخ نصیر الدین محمودؒ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں شیخ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ کے بھی منظورِ نظر تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد سوداگری کرتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیاؒ سے تعلق ارادت رکھتے تھے وہ بہت سن رسیدہ ہو گئے تھے مگر اولاد سے محروم تھے اور اس نعمت کے فقدان پر اکثر آزردہ رہا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت شیخؒ کے وقتِ حالت حاضر تھے، شیخؒ نے اپنی پشت مبارک ان کی پشت سے ملی اور ان کو بیٹے کی بشارت دی، چونکہ پیر کے حق میں ان کا اعتقاد درست تھا اس لیے اولاد کی خواہش سے زوجہ کے پاس گئے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو فرزند سے امیدوار کیا۔ جب لڑکا پیدا ہوا تو اس کو شیخؒ کی خدمت میں لے گئے۔ شیخؒ نے اس کو اپنی گود میں لے لیا۔ جب تک وہ بچہ گود میں رہا اس کی نگاہ شیخؒ کے جمال پر اس طرح جمی رہی کہ جس سے شعور کے آثار ظاہر تھے، حاضرینِ مجلس نے اس بات کا مشاھدہ کیا۔ پھر شیخؒ نے اپنے جبتے سے کچھ کپڑا پھاڑا اور اس کے لیے اپنے ہاتھ سے خرقہ سی کر اس کو شیخ نصیر الدین محمودؒ کے حوالے کیا اور اس کی جلالت شان سے آگاہ کیا۔

آپ کے صحائف ہیں بہت فصیح و متین، جو معارف و حقائق اور مواعظ و حکم

پر مشتمل ہیں۔ آپ کو صنعتِ طب میں بھی کمال حاصل تھا۔

نقل ہے کہ ایک بار آپ کو پریاں اٹھا کر لے گئیں تاکہ آپ سے اپنے کسی مریض کا علاج کرائیں، جب آپ کا علاج موافق آیا اور مریض کو صحت ہو گئی تو انہوں نے آپ کو ایک رقعہ لکھ کر دیا کہ اس کو شہر کے فلاں کوچے میں جو کتا پڑا رہتا ہے لے جا کر دکھائیں۔ آپ نے وہ خط اس پتے پر لا کر کتے کو دکھایا۔ کتا اس کو دیکھتے ہی چل پڑا اور ایک جگہ جا کر ٹھہر گیا۔ وہاں اس نے زمین کو کھودنا شروع کیا اور اس زمین کے نیچے جو خزانہ تھا اس کا نشان بتایا، چونکہ درویش عالی ہمت ہوتے ہیں آپ نے اس خزانے کی طرف کچھ التفات نہ کیا۔

مزار شریف دہلی علائی کے قلعہ میں ہے، آپ کے صحائف حقائق و معارف سے لبریز ہیں۔ رحمت اللہ علیہ

صحیفہ (دفع عقبات میں)

برادر دینی اعزہ اللہ فی الدین کے امر کا انجام خیریت سے ہو، یہی اُن کا مطلوب ہو گا۔ جب کیفیتِ عقبات معلوم ہو گئی اب اس کا دافع لکھا جاتا ہے اور معلوم ہوا اگرچہ دُعا گو کا یہ مقام نہیں ہے اور یہ مرتبہ شیخ کامل کا ہے کہ جانتا ہو، لیکن بھائی کے حسبِ التماس جو کچھ مقدر ہے لکھا جاتا ہے۔

عزیز من! پہلا عقبہ گناہوں کا ہے، جان لو کہ حق تعالیٰ ناظر ہے اور دل کی باتوں سے مطلع ہے۔ ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا اور حدیث میں ہے ان لم تکن تراہ فانہ یراک (اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تحقیق وہ تجھ کو دیکھتا ہے) اس پر نظر کرے اور عمر پر اعتماد نہ کرے، اور موت کو اپنے پیچھے دیکھے

اور امیدوں کو کوتاہ کرے۔ جب اس پر ہمیشہ عمل کرے گا تو البتہ اس پر شرم و خوف غالب آ ئے گا اور دشمن مغلوب ہو جائے گا۔

دوسرے شکم اور فرج کی شہوت، چاہیئے کہ اس بیماری کا الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم فضیقوا مجاریہ بالجوع والعطش (ابن آدم میں شیطان خون کے بہنے کی جگہ سے جاری ہوتا ہے پس اس کے بہنے کی جگہ کو بھوک اور پیاس سے تنگ کرو) کے ساتھ علاج کرے اور اپنے دل کو تجوع ترانی کے مفرح سے خوش رکھے اور الجوع طعام الصدیقین کے دسترخوان سے کھانا کھائے اور الصوم لی وانا اجزی بہ کے کوثر کا پانی پیئے تا کہ اس بیماری سے شفا پائے۔

تیسرے اپنی اور اپنے متعلقین کی جان کے تلف ہونے کے غم کو من یخرج من بیتہ مہاجرًا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ الی اللہ کی خبر سے دفع کرے، اور خوب جان لے کہ عمر اور رزق مقسوم اور معین ہے . . . . .

چوتھے فرائض و سنن پر کفایت کرنے اور ترک نوافل پر کہے لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعاً وّبصراً وّ یدًا ولسانا فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی ینطق (بندہ میری طرف نوافل ہی سے تقرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں، پس جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو ہو جاتا ہوں میں اُس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ اور زبان، پس وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا اور مجھ سے پکڑتا ہے اور مجھ سے بولتا ہے) لیکن فقیہ سے کہو کہ پانچ نمازیں مجھ پر فرض ہیں اور ان میں حضور دل فرض عین ہے کہ لاصلوٰۃ الا بحضور

القلب، اور حضورِ دل چاہیئے کہ تمام نمازوں میں ہو نہ کہ کسی نماز میں، چنانچہ میں صحیفہ نما میں لکھوں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

پانچویں یہ جو کہتے ہیں کہ آدمی مال وجاہ کے بغیر خوار وحقیر رہتا ہے، اس موقع پر دشمن کے سر پر ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین کی تلوار مارے اور من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ کا تیر اس کے سینہ کے پار کرے اور اس کے شر کو الیس اللہ بکاف عبدہ کے خنجر سے دور کرے اور کہے ع

آنراکہ تو ہستی چہ کم آید مستی

بادوست کنج فقر بہشت ست و بوستاں　　بی دوست خاک بر سر جاہ و توانگری

چھٹے اعزا اور اہل و اتباع اگر نفقہ وغیرہ کے لیے یادِ الٰہی سے روکیں تو ان کو قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً کے فرمان سے دفع کرے۔

ساتویں ماں باپ کے فرمان پر کہے وان جاھدٰک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما کہ شرکِ خفی حاصل ہوگا کیونکہ جو نظر غیر میں ہے شرک ہے، لیکن ماں باپ کے ساتھ نرمی اور نہایت ادب کے ساتھ کلام کرنا چاہیئے اور خدا کے کام میں چست کھڑا ہو اور اگر خویش واقربا نصیحت کریں تو ان سے کہے۔ ؎

نہ ہمراہی تو مرا راہ خویش گیر و برو　　ترا سعادت باد و مرا نگونساری

عزیز من! جو کوئی تجھ کو خدا کے کام سے باز رکھے وہی تیرا دشمن ہے اور دشمن کی بات نہیں سننی چاہیئے۔

آٹھویں: بے وجہ مجاھدات اور بے وقت ریاضات میں شیخ کی احتیاج ہے اور ان کے سوا بہت سے عقبات و موانع اور ہیں کہ جن کو شیخ کے سوا نہیں پہچان سکتا اور اس کی تلقین کے بغیر وہاں سے نہیں گزر سکتا۔

نویں: خلقت کے اعتقاد اور ان کی تواضع کو لیس فی الوجود الا اللہ کے لاحول سے دفع کرے، اور اپنے آپ کو مُردہ سمجھے اور خلقت کو مثل پتھر اور ڈھیلوں کے شمار کرے، اور تحقیق جان لے کہ لا یملکون لانفسھم ضرًا ولا نفعاً ولا یملکون موتاً ولا حیوۃً ولا نشورًا، اور جو خود ایسا ہو وہ دوسرے کو کیا نفع و ضرر پہنچا سکتا ہے۔

دسویں: یہ مقرر ہے کہ کسی کو انجام و خاتمہ کی خبر نہیں اور نہ طاعت کے ردّ و قبول کی اطلاع ہے، نیز یہ کہ توفیق حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اس بات کو اپنے دل میں خوب جما لینا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان آفتوں سے نجات پائے۔

اے جوانمرد، یہ رستہ بڑا دور و دراز ہے، تقریر و تحریر میں نہیں آ سکتا، میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے کہ شیخ ہونا چاہیئے، پھر وہ جیسے سمجھے گا۔ راستہ بتائے گا۔

واللہ ولی التوفیق والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین۔ والسلام

شیخ سراج الدین بن عالم بن قوام الدین ملتانیؒ

شیخ زین الدین الخوافیؒ کے اصحاب اور خلفاء سے ہیں۔ علوم صوری و معنوی کے عالم تھے۔ اصلاً ملتان سے ہیں اور نشوونما ہرات میں پائی۔ شیخ زین الدین الخوافیؒ نے دارِ فنا سے رحلت کی تو شیخ سراج الدین ملتانی کو شیخؒ کی اجازت سے ان کا جانشین بنا دیا گیا اور ہرات میں اپنے شیخؒ کے اوراد و اذکار کے احیاء میں مشغول ہوئے۔

شیخ زین الدینؒ کی زبانی منقول ہے ہزاروں آدمی میرے مرید ہوئے لیکن کسی نے میری رضا کو اس قدر ملحوظ نہ رکھا جتنا کہ سراج ملتانی نے، وہ کئی سال میری مجاورت و خدمت میں رہے۔

نقل ہے کہ بزرگانِ اکابر میں سے کسی نے کہا کہ جن لوگوں کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں ان میں ایک سراج الدین ملتانی ہیں، یہ روایت مشائخ ہرات کے ذکر میں ہے۔

آپ کی قبر نہروالہ میں ہے جو دیارِ گجرات میں ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

سید تاج الدین شیر سوارؒ

آپ کا مزار نارنول میں ہے، شیخ قطب الدین منور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ کوہستان نارنول میں آپ نے شدید ریاضت کشی کی اور مجاہدے کے ذریعے اپنا معاملہ یہاں تک پہنچا دیا کہ دام و دد آپ کے مسخر ہو گئے اور وحوش وطیور آپ سے اُنس کرنے لگے۔

کہتے ہیں کہ جب کبھی اپنے پیر کی زیارت کے لیے ہانسی جانا چاہتے تو جنگل سے ایک شیر کو پکڑ کر اس پر سوار ہو جاتے اور ایک سانپ ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے پیر کے مقام کی طرف متوجہ ہوتے، جب ان کے مقام کے نزدیک جاتے تو شیر اور سانپ کو چھوڑ دیتے اور پیدل شہر میں داخل ہوتے۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ قطب الدین منورؒ ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے سید تاج الدین کو اس وقت حالت تھی اور آپ اسی طرح عالم بیخودی میں شیر کی پشت پر سوار شیخؒ کے سامنے آ گئے۔ جب شیخ قطب الدینؒ کی نظر آپ پر پڑی تو فرمایا سید! ان چیزوں میں تو جان ہے۔ مردانِ خدا دیوار کو بھی جو ایک جماد شئے ہے حکم دیں تو چلنے لگ پڑے، کہتے ہیں کہ وہ دیوار جس پہ شیخؒ بیٹھے ہوئے تھے اسی وقت حرکت میں آ گئی۔ انہوں نے فرمایا اے دیوار! میں تو بہ سبیلِ فرض ایک بات کہہ رہا تھا تو اپنی جگہ برقرار رہ۔

آپ کی قبر نار نول سے باہر شہر کے قریب ہے، اور ولادت باسعادت بھی اسی جگہ ہوئی تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ

سید تاج الدین کے ایک فرزند تھے جن کو شیخن ابدال کہتے تھے، تارکِ دنیا تھے اور اسبابِ دنیا سے بقدرِ ضرورت لیتے تھے، ہر وقت مشغول بحق رہتے تھے ان کے گھر کے دروازہ پر ایک پتھر پڑا ہوا تھا اب بھی وہ پتھر ان کے گھر کی دہلیز کے باہر موجود ہے۔ اس پتھر پر ایک لکڑی کا پیالہ رکھا رہتا تھا۔ ہر روز آنے جانے والے اس میں بقدرِ ضرورت کچھ ڈال دیتے تھے جو اُن کی روزانہ خوراک ہوتی تھی، اس سے زیادہ نہ آتا تھا۔ اگر غلہ گراں ہوتا تو فتوح بہت آتیں اور اگر ارزاں ہوتا تو کم۔ رحمۃ اللہ علیہ

قاضی شمس الدین شیبانیؒ

دانش مندِ متبحر تھے۔ تغلق شاہ کے زمانے میں دہلی سے نارنول چلے گئے
تھے۔ ابتدائے حال میں کہ ہنوز سنّتِ نکاح بھی آپ سے پوری نہ ہُوئی تھی خانہ کعبہ
کی زیارت کے قصد سے چلے۔ جب گجرات پہنچے تو ایک مسجد میں داخل ہوئے دیکھا
کہ ایک معتزلی واعظ منبر پر چڑھ کر مذہبِ اعتزال کے اس مسئلہ پر جو بندوں کے
افعال سے متعلق ہے تقریر کر رہا ہے اور کہتا تھا۔ یہ ہاتھ میرا ہے اگر میں اسے
کھولتا ہُوں تو یہ کُھلتا ہے، اور اگر یہ بند ہوتا ہے تو میں خود بند کرتا ہُوں۔ حاضرین میں
سے کسی کو اس سے مجادلہ کی طاقت نہ تھی، قاضی شمس الدین نے کہا۔ اگر تمہارے
ہاتھ میں قدرت ہے تو پھر ہاتھ کو پیچھے کی طرف کیوں نہیں بند کرتے۔ حاکمِ گجرات کو آپ
کا یہ اعتراض اچھا معلوم ہُوا اور اس نے آپ کی خدمت میں ایک لونڈی پیش
کی جو دارالحرب سے لائے ہوئے تھے۔ اس سے آپ صاحبِ اولاد ہوئے حق تعالیٰ نے آپ
کی اولاد کو برکت عطا کی اور علم کی دولت بخشی۔ رحمت اللہ علیہم اجمعین ط

آپ کی اولاد میں ایک بزرگ تھے جن کا نام تاج الافاضل تھا، ان سے پانچ
لڑکے پیدا ہوئے جو سب کے سب دانش مند اور متقی تھے۔ منجملہ ان کے ایک قاضی
عبد تھے شیخ احمد مجد کے والد، جن کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا، اور ان کے سات
لڑکے تھے سب عالم و عامل۔

سید یوسف بن سید جمال الحسینیؒ

آپ کے آبائے کرام مشہد سے آکر ملتان میں متوطن ہوئے تھے، آپ سلطان فیروز کے زمانے میں ملتان سے نوجیوں کے لباس میں دہلی تشریف لے آئے تھے۔ آپ کی بزرگی و دانش مندی کا مشاہدہ کر کے سلطان مذکور نے آپ کو اس مدرسے میں مدرس مقرر کیا جو اس نے حوض علائی پر تعمیر کرایا تھا اور یہاں اس نے اپنا مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ وہاں آپ کئی سال تک مسندِ درس و افادہ پر رونق افروز رہے۔

منقول ہے کہ آپ ہر شب جمعہ کو خواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے تھے۔ آپ نے قاضی نصیر الدین بیضاوی کی کتاب لب الالباب فی علم الاعراب پر جو ایک متن متین ہے اور ہمارے ملک میں مشہور ہے ایک طویل و بسیط شرح لکھی ہے جو یوسفی کے نام سے مشہور ہے اور قابل تنقیح و ایجاز و اختصار ہے آپ نے منار پر بھی شرح لکھی ہے جس کا نام توجیہ الافکار[1] ہے۔

آپ مولانا جلال الدین رومی کے شاگرد ہیں جو شمسیہ اور مطالع کے شارح مولانا قطب الدین رازی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

سید یوسف کا مرقد بھی حوض خاص پر ہے۔ آپ کی وفات ۷۹۰ھ کے قریب واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] نسخہ مطبع ہاشمی میں اس شرح کا نام توجیہ الکلام لکھا ہے۔

قاضی عبدالمقتدرؒ

ابن قاضی رکن الدین الشریحی الکندی، حضرت شیخ نصیرالدین محمودؒ کے خلیفہ ہیں
باض طبع بزرگ اور کامل درویش تھے، قاضی شہاب الدین کے استاد ہیں۔ آپ کا
کلام نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ آپ نے عربی زبان میں قصائد اور غزلیات کہی ہیں
وہ قصیدہ جو آپ نے لامیۃ العجم کے جواب میں کہا ہے آپ کے کمالِ فصاحت
پر دلالت کرتا ہے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مصروف اور افادۂ علم میں مشغول رہے
شیخ نصیرالدین محمودؒ اور ان کے اکثر خلفاء اسی طریقے پر کاربند تھے، طالبوں کو ہمیشہ
تحصیلِ علم اور حفظِ شریعت کی نصیحت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ ایک شرعی
مسئلہ پر غور و فکر کرنا ہزار رکعت کی عبادت پر فضیلت رکھتا ہے جس میں کبر و ریا کی
آمیزش ہو۔

کہتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانے میں شیخ نصیرالدین محمودؒ کی خدمت میں جاکر
بحث کیا کرتے تھے اور شیخ موصوف آپ کو اور آپ کی بحثوں کو بہت پسند فرماتے تھے
وہ آپ کو تحصیلِ علم کی ترغیب دیتے تھے۔ آخرکار آپ شیخؒ کے مرید ہو گئے اور ظاہری
فضیلت کے ساتھ باطنی نعمت کو بھی ملا لیا۔ آپ کے ایک معتقد نے مناقب الصدیقین
کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں تمام مشائخِ چشت کے حالات درج کیے
ہیں۔ اس کتاب میں آپ کے بہت سے احوال و کرامات کا ذکر ہے۔

مناقب الصدیقین میں لکھا ہے کہ ایک روز قاضی شہاب الدین کو کہیں سے سونا ملا۔ انہوں نے گھر میں والدہ ماجدہ سے خلوت میں کہا کہ اس سونے کو کسی جگہ گاڑ دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ شیخ عبدالمقتدر کی مجلس میں گئے، شیخؒ نے جونہی قاضی صاحب کو دیکھا تو فرمایا تم تو سونا دفن کرنے کی فکر میں لگے ہو، تم سے علم کیونکر پڑھا جائے گا، آپ فرمایا کرتے تھے "میرے پاس ایک طالب علم آتا ہے جس کا پوست علم، مغز علم اور استخوان علم ہے" اس طالب علم سے آپ کی مراد قاضی شہاب الدین علیہ الرحمۃ تھی۔

وفات ۲۶ محرم المکرم ۷۹۱ھ کو واقع ہوئی، جبکہ آپ کی عمر ۸۰ برس کی تھی آپ کا اور آپ کے والد کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کی خانقاہ میں جانب جنوب حوض شمسی ہے اور اس کو خانقاہ شیخ عبدالصمد کہتے ہیں۔ شیخ عبدالصمد سلطان سکندر کے عہد کے اکابرین سے تھے، انہوں نے جونپور سے دہلی میں آکر اپنے اجداد کا مقبرہ بنوایا جو اب تک موجود ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم۔ انتخاب قصیدہ لامیہ

یا طالب الجاہ فی الدنیا تکون غدًا	علیٰ شفا حفرۃ النیران والشعل
یا طالب العز فی العقبیٰ بلا عمل	ہل ینفعک فیہا کثرت الامل
واقنع من العیش بالادنیٰ فکن ملکاً	ان الصناعۃ کنز عنک لم یزل

ترجمہ: اے طالب جاہ! تو کل آگ کے گڑھے کے کنارے ہوگا اور اس میں سے شعلے نکل رہے ہوں گے اے عقبیٰ میں عزت کے طالب! عمل کے بغیر تجھ کو امیدوں کی زیادتی کیا نفع دے گی۔ زندگی سے تھوڑے کے ساتھ قناعت کرلیں تو بادشاہ ہوگا، تحقیق قناعت ایک ایسا خزانہ

ہے جو تیرے پاس سے کبھی نہ جائے گا۔

آخر میں حضرت سرور انبیاء کی نعت کی طرف رجوع کرتے ہیں ؎

محمد خیر خلق اللّٰہ قاطبۃ ہوالذی جل عن مثل و عن مثل

لہ المزایا بلا نقص و لا شبہ لہ العطایا بلا من و لا بدل

لہ الجمال اذا ما الشمس قد نظرت الیہ قالت یا لیت ذلک لی

ترجمہ: محمدؐ ساری خلق خدا سے بہتر ہیں، وہ مثل و مثال سے بزرگ ہوئے ہیں۔ انہیں کے واسطے فضیلتیں ہیں بغیر نقصان و شبہ کئے اور انہیں کے واسطے بخششیں ہیں بغیر احسان اور بدلے کے۔ انہیں کے واسطے جمال ہے کہ جب آفتاب اس کی طرف دیکھتا ہے تو کہتا ہے کاش یہ میرے لیے ہوتا۔

شیخ زین الدینؒ

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے بھانجے، خلیفہ اور خادم ہیں آپ کا ذکر شیخؒ کی مجالس اور ملفوظات میں درج ہے۔ مولانا داؤد مصنف چندائن آپ کے مرید ہیں اور انہوں نے اس کتاب کے آغاز میں آپ کی تعریف کی ہے۔

آپ کی قبر اس گنبد میں ہے جو حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے گنبد کے پائین صحن حظیرہ میں واقع ہے۔

رحمت اللہ علیہ

شیخ نور الحق والدینؒ

شیخ نور قطب عالم کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت علاؤ الحقؒ کے صاحبزادے، مرید اور خلیفہ ہیں۔ ہندوستان کے مشاہیر اولیاء میں سے ہیں۔ صاحب عشق و محبت و ذوق و شوق و تصرف و کرامت تھے۔

نقل ہے کہ اپنے والد کی خانقاہ کے فقیروں کی تمام خدمات مثلاً کپڑے دھونا اور پانی گرم کرنا آپ ہی انجام دیتے تھے۔ پہلے آبخانہ کی خدمت آپ کے حوالے تھی۔ اتفاقاً ایک درویش کے پیٹ میں درد ہوا اور بے وقت آبخانہ میں گیا شیخ نور اپنے معمولی وقت پر نجاست اٹھانے کے لیے وہاں گئے ہوئے تھے تمام نجاست آپ کے کپڑوں اور بدن پر گر پڑی۔ شیخ علاء الحقؒ وہاں سے گزرے اور آپ کو اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دوسری خدمت آپ کے سپرد کی اور فرمایا کہ تم اس خدمت کا حق بجا لائے اب دوسری خدمت کرو۔

رفیق العارفین، جو شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس میں لکھا ہے کہ شیخ نور الحق والدین نے آٹھ برس تک اپنے پیر کے گھر میں لکڑیاں ڈھونے کا کام کیا ہے۔ ایک دفعہ ان کے بڑے بھائی اعظم خان نے جو وزیر تھے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا۔ قاضی نور تمہاری ساری نعمتیں غارت ہو گئیں۔

ایک دن شیخ علاؤ الحق نے فرمایا کہ جس جگہ عورتیں پانی بھرتی ہیں زمین چکنی ہوتی ہے اور پاؤں پھسل کر ٹھلیا ٹوٹ جاتی ہے، تم اپنی گردن پر رکھ کر باہر لاکر اُن کو دے دیا کرو۔ انہوں نے چار برس تک یہ کام کیا اور برسوں میں پانی بھرتے تھے۔ ان کے بہت سے یاران دستار بند ٹھلیوں کو بھر کر سر پہ رکھ کر لاتے تھے اور بنگالہ کے اکثر لوگ اُن پر ہنستے تھے۔

نیز اس میں لکھا ہے کہ شیخ نور الحق والدین فرماتے تھے کہ پہلے مشائخ نے اسماء الٰہی کے عدد کے مطابق ننانوے منزلیں قرار دی ہیں تاکہ سلوک تمام ہو اور ہمارے پیروں نے پندرہ منزلیں متعین کی ہیں، اور اس فقیر نے تین منزلیں اختیار کی ہیں پہلی منزل حاسبوا قبل ان تحاسبوا (حساب کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے)۔ دوسری منزل من استوی یوماہ فھو مغبون (جس شخص کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے) تیسری منزل عبادۃ الفقیر نفی الخواطر (فقیر کی عبادت خطروں کو دور کرنا ہے)۔ ان عملوں پر سالک کا کام پورا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

نیز لکھا ہے کہ ایک دن شیخ مشغول تھے اور شورش نے اثر کیا۔ عبادتخانے سے باہر آئے اور ایک جگہ پہنچ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، آواز آئی کہ

ع حیلت رہا کن عاشقا دیوانہ شو دیوانہ شو

نیز لکھا ہے کہ شیخ فرماتے تھے ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ جس وقت بھی دل کو ڈھونڈے اس کو حق سبحانہٗ کے ساتھ پائے کیا سوتے اور کیا جاگتے، جیسے کہ بچہ کسی چیز کی محبت میں سو جاتا ہے تو جس وقت اٹھتا ہے اسی چیز کی طلب کرتا ہے۔

اسی میں لکھا ہے کہ جب مجھ کو رخصت کیا تو فرمایا کہ سخاوت میں آفتاب کے مانند رہو اور تواضع میں پانی کے مانند اور تحمل میں زمین کے مانند بن کر رہو اور خلقت کی جفا اٹھاؤ۔

نیز فرماتے ہیں کہ میرے مخدوم موسم سرما کے سوا کبھی گدڑی نہ پہنتے تھے وہ کبھی سجادہ پر نہیں بیٹھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے سجادہ نشینی کا حق یہ ہے کہ جو کوئی اس پر بیٹھے وہ اپنے دائیں بائیں نہ دیکھے۔

نیز لکھا ہے کہ حضرت شیخؒ سے عرض کیا گیا اس میں کیا بھید ہے کہ مشائخ نماز فرض کے سلام کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا سنت یہ ہے کہ جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا ہے تو دوستوں سے مصافحہ کرتا ہے۔ ایسے ہی درویش جب نماز ادا کرتا ہے تو وہ مستغرق ہو کر اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے جس سے سفرِ باطن حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ سلام پھیرتا ہے تو پھر اپنے آپ میں آ جاتا ہے اس لیے مصافحہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ نور قطب عالم کے مکتوبات نہایت شیریں و لطیف اہل درد و محبت کی زبان میں ہیں۔ یہ چند کلمات ان میں سے لکھے جاتے ہیں۔

مکتوب

(نور یجانب نجم) بیچارۂ حزین نورِ مسکین نے اپنی عمر کو برباد کر دیا اور مقصود کی بو تک نہیں پائی، اور بیابانِ حیرت و میدانِ حسرت میں گیند کی طرح سرگردان رہا۔

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا از او بوئے ۔ نہ دمید صبح عشقم چہ گنہ نہم صبا را

عمر غفلت سے گذر گئی اور تیر شست سے نکل گیا، نفس امارہ کے شر سے

ایک گھڑی بھی چھٹکارا نہ ہوا۔ اور سوائے باد بدست، آتش در جگر، آب در دیدہ اور خاک بر سر کے کچھ نہ ملا۔ ندامت و خجالت کے سوا کوئی دست آویز نہیں اور درد و آہ کے سوا کوئی پائے گریز نہیں، ع درد را باش اے برادر درد را

؎ دلِ مردانِ دیں پُر درد باید — ز محنت فرقِ شاں پر گرد باید

ہر چند ہاتھ پاؤں مارے مگر مقصود تک نہ پہنچے۔ ؎

گفتم مگر کہ کار بسامان شود نشد — یار از جفائے خویش پشیمان شود نشد
گفتم مگر زمانہ عنایت کند نکرد — بختِ ستیزہ کار بفرمان شود نشد

دنیا جائے غرور ہے، نفس حسود ہے اور حق تعالیٰ غیور ہے، مقصودِ دلی کو سرور کہاں، "اللہ تعالیٰ نے داؤد ع کی طرف وحی کی کہ اے داؤد، بشارت دو گناہ گاروں کو اس بات کی کہ میں غفور ہوں اور ڈراؤ صدیقوں کو اس بات سے کہ میں غیور ہوں" ؎

راہ نا ایمن است و منزل دور — مرکبت لنگ و یار سخت غیور

غیرتِ حق نے یہ تقاضا کیا کہ غیر کو درمیان میں نہ چھوڑا، جو کوئی اُس کے غیر سے جدا ہوا اُس کو گداز کر دیا۔ ؎

با ہر کہ انس گیری از و سوختہ شوی — بنگر کہ انس چیست مصحف ز آتش ست

اے جانِ برادر، برسوں نفسِ امارہ کو طرح طرح کی ریاضتوں سے مرتاض کیا مگر ایک گھڑی بھی اس کے شر سے نہ بچے اور ایک لمحہ بھی اپنے سے آسودہ نہ ہوئے

کردیم بسے سپید سیمی — از ما نشد ایں سیہ گلیمی
شستیم بسے بچارہ سازی — پیراہنِ ما نشد نمازی

آپ کا روضہ شہر پنڈوا میں ہے اور وفات ۸۱۳ھ میں ہوئی۔

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

سید صدر الدین راجو قتال بخاریؒ

ارادت و خلافت اپنے والد سید احمد کبیر سے رکھتے تھے، نیز اپنے بھائی مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کے بھی مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے بعد آپ سجادۂ خلافت پر بیٹھے، کہتے ہیں کہ مخدوم جہانیاں بارہا فرمایا کرتے تھے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہم کو مخلوق کے ساتھ مشغول رکھا اور شیخ راجو کو اپنے ساتھ، تاریخ محمدی میں ہے کہ آپ ہمیشہ عالمِ استغراق میں رہتے اور لوگوں کے ساتھ انبساط و اختلاط نہ فرماتے تھے۔ مخدوم جہانیاں سے اکثر لوگوں کا سلسلۂ ارادت آپ ہی کے واسطے سے ملتا ہے اور بعض آپ کے فرزند شیخ ناصر الدین محمود کے واسطے سے بھی اُن تک پہنچتے ہیں۔

صاحب تصرف بزرگ تھے، مزار شریف اُچہ میں ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ اختیار الدین عمرؒ

ایرجی۔ آپ کے آباؤ اجداد بزرگانِ ایرج سے تھے۔ منصب عہدہ وادی پر متعین تھے۔ آخر کار جذبۂ حق کے تحتِ اسبابِ دُنیاوی کو بالکل ترک کر دیا اور جو کچھ وظائف و انعامات آپ کے لیے مقرر تھے سب کو برضا و رغبت چھوڑ کر سچے دل سے طلبِ علم اور طریقۂ زہد اختیار کیا۔ اور قاضی محمد ساوی کی خدمت میں جو اساتذۂ وقت و صلحائے زمانہ سے تھے اور شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید و خلیفہ تھے تحصیلِ علم کر کے نعمتِ خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

آپ کی وفات چودھویں محرم ۸۰۹ھ کو ہوئی، روضہ مبارک ایرج میں ہے

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ یوسف بڑاہؒ

ایرجی، آپ کے آبائے کرام بسبب حوادثِ زمانہ خوارزم سے ہندوستان آئے اور ایرج میں متوطن ہو گئے۔ شیخ موصوف خواجہ اختیار الدین کے شاگرد، مرید اور خلیفہ ہیں۔ اور سید جلال بخاری اور شیخ راجو سے بھی نعمتِ خلافت و اجازت سے

مشرف تھے۔

صاحب تالیفات ہیں مثلاً ترجمہ منہاج العابدین امام غزالی، اشعار بھی کہتے تھے۔ صاحب تاریخ محمدی آپ کے مرید و معتقد ہیں، لکھتے ہیں کہ ایک روز اپنی خانقاہ میں سماع میں مشغول تھے کہ اسی حالت میں جاں بحق تسلیم کی (۸۳۴ ہجری) وہیں صحن خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ سلطان علاؤ الدین منڈوی نے آپ کی قبر پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا۔

نور اللہ مرقدہٗ

شیخ قوام الدینؒ

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ مریدوں کی تربیت ارشاد میں مقام عالی رکھتے تھے۔

آپ کا مقبرہ لکھنؤ میں ہے اور زیارت گاہ خلق ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ

شیخ سارنگ رح

ابتدا میں سلطان فیروز شاہ کے امرائے نامدار سے تھے اور ہندوستان کا مشہور شہر سارنگ پور آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ آخر جذبۂ عنایت الٰہی آپ پروارد ہوا اور سلوک کے راستہ میں جو اہلِ وصول کے ساتھ مخصوص ہے قدم رکھا۔ پہلے شیخ قوام الدین کی خدمت میں جاکر مرید ہوئے اور ان سے شغلِ باطن اور ذکرِ خفی کا طریقہ سیکھا پھر حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایک مدت تک شیخ یوسف ایرجی کے جو شیوخِ وقت سے تھے حلقۂ صحبت میں رہ کر علوم طریقت کا استفادہ کیا۔

آخر میں شیخ راجو قتال نے خرقہ اور دیگر امانتیں جو پیرانِ طریقت سے ان کو پہنچی تھیں بے طلب سب آپ کے گھر بھیج دیں، شیخ سارنگ نے واپس کر دیں، نہ معلوم اس میں آپ کی کیا نیت تھی، شیخ نے پھر ان کو آپ کے پاس بھیجا۔ شیخ حسام الدین سلسلۂ سہروردیہ کے ایک بزرگ وہاں موجود تھے انہوں نے آپ کو سمجھایا اور ان کے قبول کرنے کی ترغیب دی۔ بعد ازاں آپ نے ان کو قبول کر لیا اور ان غیبی سعادتوں سے مشرف ہوئے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ مینا رح

یہ لکھنؤ کے صاحب ولایت ہیں، آپ کا نام شیخ محمد ہے۔ بچپن سے شیخ قوام الدین کے سایۂ تربیت و عنایت میں پرورش پائی۔ پھر شیخ سارنگ کے مرید ہوئے اور مجاہدہ کیا۔

نقل ہے کہ شیخ قوام الدین کے ایک فرزند تھے شیخ محمد نام، اور ان کو شیخ مینا کہتے تھے۔ مینا اس دیار کے عرف میں ایسا لفظ ہے جو تعظیم و محبت کے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے ہمارے دیار میں میاں کا لفظ ہے۔ یہ شیخ محمد مینا بن شیخ قوام الدین بسبب غلبۂ خواہشاتِ نفسانی کہ ایامِ جوانی کا لازمہ ہے اس زمانے کے ایک بادشاہ کی خدمت میں چلے گئے۔ چونکہ اس وقت کے اکثر بادشاہ اُن کے والد کے مرید تھے اس سبب سے جو کچھ وہ ان کی صحبت سے چاہتے تھے ان کو حاصل ہو گیا، لیکن شیخ کے دل میں ان کی طرف سے کدورت بیٹھ گئی۔ ہر چند انہوں نے شیخ کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ آخر انہوں نے وطن کی طرف جانے کا قصد کیا تاکہ شیخ کے پاؤں میں گر کر اپنے گناہ کی معافی چاہیں اس ارادے سے انہوں نے وطن کا رخ کیا۔ ان کے آنے کی خبر لوگوں میں مشہور ہو کر شیخ کے کان تک پہنچی۔ شیخ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ وہ نابرخوردار میرے سامنے آئے۔ اسی روز ان کو مرض لاحق ہوا اور انتقال کر گئے۔ شیخ قطب نام ایک درویش تھے

جو شیخ قوام الدین کی خدمت خاص سے مخصوص تھے۔ شیخ نے ان سے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو اور اُس کا نام محمد مینا ہو اور فرزندوں کی جگہ نعم البدل کا حکم رکھتا ہو۔ چنانچہ جب شیخ مینا پیدا ہوئے تو شیخ کی عنایت و شفقت سے مخصوص ہوئے اور فرزند کی طرح تربیت پائی۔

منقول ہے کہ اوّل روز جب آپ کو مکتب بھیجا گیا تو وہاں الف بے کے اتنے حقائق و معانی بیان کیے کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔ شیخ مینا حصور اور دنیا سے مجرد تھے ایام سلوک میں آپ نے سخت ریاضتیں کی تھیں۔ کہتے ہیں کہ آپ اکثر شیخ سارنگ کی زیارت کو جاتے تھے جن کا مقبرہ وہاں سے بیس کوس تھا، کبھی کھڑاویں پہن کر اور بارہا ننگے پیر جاتے تھے باوجودیکہ جنگل کا راستہ ناہموار اور خاردار تھا، راتوں کو دیوار پر بیٹھ کر شب بیداری کرتے کہ اگر نیند کا غلبہ ہو تو زمین پر گر پڑیں، اور اگر زمین پر بیٹھتے تو اپنے گرداگرد کانٹے رکھ لیتے تھے کہ اگر نیند سے گر پڑیں تو کانٹے چبھنے سے جاگ اٹھیں۔ اکثر جاڑوں کے موسم میں پیراہن کو پانی سے تر کر کے شیخ قوام الدین کے صحن حظیرہ میں بیٹھتے اور شب بیداری کرتے تھے۔

آپ کا مقبرہ لکھنؤ میں ہے اور زیارت گاہ عام ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ

ولایتِ گجرات کے بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ سر کھیج میں آسودہ ہیں جو مضافاتِ احمد آباد سے ہے۔ آپ کا روضہ منورہ ایک نہایت لطیف و پاک و صاف اور روح پرور مقام ہے جس کی نظیر روئے زمین پر کم ہوتی ہے اور کھٹو ایک گاؤں کا نام ہے اجمیر شریف کے قریب۔

آپ کے آبائے کرام دہلی کے رہنے والے تھے اور آپ کا بچپن بھی دہلی میں گزرا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بچپن میں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک طوفانِ باد آیا جس نے آپ کو اٹھا کر کسی دوسری جگہ پھینک دیا اور وطنِ مالوف سے آوارہ ہو گئے۔ ایک مدت کے بعد بابا اسحاق مغربی کے ہاتھ لگے جو ایک درویشِ کامل تھے اور کھٹو میں رہتے تھے، بچپن ہی سے آپ نے بابا اسحاق کے سایۂ تربیت و عنایت میں پرورش پائی اور مرتبۂ کمال کو پہنچ کر نعمت اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ ان کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی تک پہنچتا ہے۔

ابتدائے حال میں آپ نے دہلی میں تحصیلِ علم کے بعد مسجد خان جہان میں سخت ریاضتیں کیں، کھل کے ٹکڑے سے روزہ افطار کرتے تھے۔ بابا اسحٰق کی وفات کے بعد ایک چلّہ کیا جس میں چالیس روز میں چالیس کھجوریں کھائیں اور قدمِ ترک و تجرید پر عالمِ بالا کی سیر کی۔ پھر زیارت حرمین شریفین سے مشرف

ہوئے اور حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت پائی اور مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ آخر ولایتِ گجرات میں آئے۔ ظفرخان جو سلطان فیروز کی طرف سے نہروالہ کا حاکم تھا اور آخر میں سلطان مظفر کے لقب سے ملقب ہو کر گجرات کا بادشاہ بن گیا تھا اس نے شیخ کے آثارِ برکات اور سابقہ شناسائی سے جو دہلی میں حاصل کی تھی آپ کو وہاں رہنے کی تکلیف دی، پس آپ نے قصبہ سرکھیج میں سکونت اختیار کی اور آپ پر ظاہری و باطنی فتوح و برکات کے دروازے کھل گئے اور اس علاقے کی مخلوق آپ کے انوارِ عقیدت و محبت سے مالامال ہو گئی۔ زندگی ہی میں آپ کا دسترخوان نفزار بہت وسیع تھا۔ وفات کے بعد بھی آپ کے روضہ پر لنگر کا یہ حال تھا کہ فقیروں اور مسکینوں کا تو کیا کہنا امراء اور بادشاہ تک سیر ہوتے تھے

آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص محمود بن سعید ایرجی نے آپ کے ملفوظات اور احوال و حکایات کو جو آپ سے سنے تھے جمع کر کے تحفۃ المجالس نام رکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سلطان فیروز کو بھی شیخ کی خدمت میں اعتقاد و رجوع تھا۔ امیر تیمور جب دہلی میں آیا تو شیخ اس وقت دہلی میں تھے اور اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے سے پندرہ روز پہلے آگاہ ہو گئے تھے اور اپنے بعض معتقدوں اور مریدوں کو خبردار کر دیا تھا، چنانچہ وہ شیخ کی وصیت سے جونپور چلے گئے، مگر شیخ نے فرمایا کہ ہم کو خلقت کا ساتھ دینا چاہیئے، آخر مغلوں کی قید میں ہو گئے۔ جب انہوں نے آپ کے خوارق مشاہدہ کیے تو امیر تیمور کو خبر کی۔ امیر نے بہت تعظیم کی اور رخصت کیا۔ فرماتے تھے کہ ہمارے ساتھ اس قید میں چالیس فقیر تھے، ہر روز ہمارے پاس چالیس گرم روٹیاں غیب سے آتی تھیں جن سے فقیروں کا گزارہ ہوتا تھا۔

فرمایا۔ درویشوں کی مجلس میں آنا تو آسان ہے مگر سلامتی سے باہر جانا دشوار ہے اس ضعیف نے عرض کی کہ اس ضعیف کے نانا سید السادات سید بہاؤ الدین فرماتے تھے جہاں تک ہو سکے درویشوں کے گرد نہ پھرو اور اُن کے گرد پھرنا چاہو تو آنکھ، کان اور زبان کو اکٹھا کر لو اور دل کو حاضر کرو۔

دولت پائبوس حاصل ہوئی زبان مبارک سے فرمایا کہ سمرقند میں یہ درویش ایک مسجد میں گیا۔ اُس مسجد میں ایک عالم سبق پڑھ رہا تھا اور شاگرد اس کے گرد بیٹھے ہوئے پڑھ رہے تھے۔ یہ درویش حقیر کپڑے پہنے ہوئے اور ٹوپی سر پر رکھے دور بیٹھا ہوا تھا۔ ایک طالب علم حسامی پڑھ رہا تھا، اس نے غلط اعراب پڑھے۔ اس درویش نے دور ہی سے کہا کہ اعراب غلط پڑھتے ہو۔ وہ عالم سن کر اسی وقت اٹھا اور اس درویش سے ملاقات کی اور جہاں سبق پڑھاتا تھا وہاں لے جا کر مجھ کو نزدیک بٹھایا اور علم اصول کے سوال کیے۔ اس درویش نے ہر سوال کا جواب دیا۔ اُس عالم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو کہا تم نے باوجود اتنے علم کے ایسے حقیر کپڑے اور ٹوپی پہن رکھی ہے۔ اس درویش نے کہا ایک تو علم، دوسرے اگر اچھے کپڑے پہنوں تو نفس خود بینی کرے، اس درویش نے خاص کر خود کو اس لباس میں پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔

شیخ احمد کھٹو کا زمانۂ مشیخت سلطان احمد گجراتی کا زمانۂ سلطنت تھا جس نے احمد آباد، آباد کیا۔ گجراتیوں کی سلطنت کا مختصر حال یہ ہے کہ سلطان محمد بن سلطان فیروز بادشاہِ دہلی نے سنا کہ گجرات میں کفار کا فساد بہت ہے اور دریا کی جانب ایک مقام ہے جس کو دیو پٹن کہتے ہیں، اور وہاں ایک مشہور بت خانہ ہے جس کو سومنات کہتے

ہیں۔ اور پہلا عامل نظام مفرح بھی ناہنجار ہو گیا ہے اور حلقۂ اطاعت سے باہر ہو گیا
ہے اور خطۂ کمبھائت میں بادشاہی کا سامان کر کے مسلمانوں پر ظلم کرتا ہے اور سوداگروں
کا مال زبردستی حاصل کرتا ہے۔ سلطان محمد فیروز نے اپنے امرا میں سے ایک شخص
ظفر خان نام کو گجرات میں متعین کیا تاکہ مفسدوں کے فساد کو فرو کرے۔ ایک مدت
تک ظفر خان نے اس ولایت میں بہت فتوحات حاصل کیں اور سلطان کی اطاعت
کرتا رہا۔ تھوڑے عرصے کے بعد اس کا بیٹا اپنا لقب محمد شاہ رکھ کر ۸۰۶ھ میں
ولایت گجرات کا بادشاہ بن گیا اور چند روز بادشاہی کر کے اس کو دہلی فتح کرنے کا
سودا ہوا۔ جس دن اس طرف روانہ ہونے کا قصد کیا اسی دن مر گیا۔ اس کے بعد اسی
سال میں ظفر خان پہنچ گیا اور تخت سلطنت پر بیٹھ کر مظفر شاہ اپنا لقب رکھا اور تین
سال آٹھ ماہ بادشاہی کی۔ اس کے بعد اس کا پوتا سلطان احمد بن سلطان محمد بادشاہ
ہوا اور اس نے شہر احمد آباد بنا کیا اور بتیس سال چھ ماہ سلطنت کی اور اس کے بعد
دوسرے، کہ جن کا اب نام و نشان تک نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ احمد آباد کی
تاریخ بنا ۸۱۰ھ ہے اور وہاں کی جامع مسجد کی تاریخ بنا ۸۱۲ھ ہے کہ الفاظ
”خیراً“ اور ”بخیر“ کے عدد اس پر دلالت کرتے ہیں۔
۸۱۰ ۸۱۲

قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم جہانیاں سید جلال بخاریؒ کے پوتے ہیں، اپنے اصلی وطن سے گجرات میں جاکر مقیم ہو گئے۔ اسم گرامی سید برہان الدین ہے اور اُس ولایت کے لوگوں میں قطب عالم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کا روضہ احمد آباد سے تین کوس کے فاصلے پر تبوہ میں ہے، وفات آٹھویں ذی الحجہ، ۸۵۰ھ کو ہوئی کہ مطلع یوم الترویہ کے عدد ہیں۔ آپ کے روضے کے دروازے پر ایک پتھر پڑا ہوا ہے جس میں پتھر، لکڑی اور لوہے کی صفات جمع ہیں۔ یہ تینوں صفتیں اس میں اکٹھی موجود ہیں اور ان تینوں چیزوں میں سے کسی چیز کی اصلاً تشخیص نہیں ہو سکتی کہ کونسی ہے، اگر کہیں کہ پتھر ہے اور پھر غور سے دیکھیں تو کہیں گے کہ نہیں، یہ لوہا ہے۔ پھر اگر غور سے دیکھیں تو دل میں آئے گا کہ ——— نہیں بلکہ لکڑی ہے، ان تینوں میں سے ہر صفت اس میں پائی جاتی ہے اور پھر ہر ایک میں شبہ ہوتا ہے۔ عجیب چیز ہے، دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ قطب عالم ایک دن پانی میں اترے، کوئی چیز آپ کے پیر کو لگی فرمایا یہ پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑی، حق تعالیٰ نے یہ تینوں صفتیں اس میں پیدا کر دیں۔

واللہ اعلم

شاہ عالمؒ

قطبؒ عالم کے صاحب زادے ہیں، آپ کا نام شاہ منجھن ہے اور لقب شاہ عالم۔ آپ بھی احمد آباد میں آسودہ ہیں اور آپ کا روضہ اُس دیار کے لوگوں کی زیارتگاہ اور تفرج گاہ ہے، مقام عالی اور لطیف و پاک و کشادہ جگہ ہے۔ شب جمعہ کو شہر کے نیک و بد آدمی زیارت کو جاتے ہیں اور رات وہیں گزارتے ہیں۔

سلوک میں آپ کا عجیب و غریب طور و طریق تھا، مستی اور سُکر کا غلبہ رہتا تھا بعض اوقات ریشمی لباس پہنتے اور ملامتیہ مشرب اختیار کر لیتے تھے، مگر آپ کی ولایت کی دلیل روشن اور آپ کے خاص ہونے کی علامت ظاہر تھی۔

شیخ احمد کھٹو سے بھی تربیت و ہدایت پائی تھی، آپ سے خوارقِ عادات بہت ظاہر ہوتے تھے۔ وفات ۸۸۰ھ میں ہوئی کہ لفظ "فخر" کے عدد ہیں۔ قدس اللہ سرہٗ۔

قطب عالم اور شاہ عالم کے خلفاء کی بھی ایک جماعت احمد آباد میں آسودہ ہے اور پٹن میں جو ولایتِ گجرات کا قدیم شہر ہے بہت سے مشائخ آسودہ ہیں، اُن سب میں بڑے اور مشہور جو اُس دیار کے صاحب ولایت ہیں شیخ حسام الدین ملتانی ہیں جو شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے ہیں اور جن کے مناقب کا ذکر زیب قرطاس ہو چکا ہے در حقیقت اُس سرزمین سے عشق و محبت کی خوشبو آتی ہے اور اُس کے ویرانوں سے برکت و ولایت کا نور چمکتا ہے اور اب بھی یہ شہر اہلِ دل کے وجود سے خالی نہیں اور نہ کبھی ہوا ہے۔ ؎

بہر زمین کہ نسیمی ز زلفِ او زدہ است ہنوز از سر آن بُوئی عشق می آید

داور الملک رح

اس دیارِ برکت آثار (یعنی گجرات) کے صلحائے وقت و مقبولانِ درگاہ میں سے ہیں
اسم گرامی عبداللطیف ہے۔ سپاہیوں کے لباس میں مثلِ عوام رہتے تھے مگر معنی خاص اور
علاماتِ خصوص سے متصف تھے۔ مناقب و مآثر آپ کے بہت ہیں اور عظمت و
قبولیت کے آثار بے شمار ہیں۔

آپ کا مزار گجرات کے کسی گاؤں میں جو ناگڈھ کے قریب ہے اس علاقے
اور ولایتِ دکن کے لوگ دور دور سے مسافت طے کر کے ہر سال زیارت کو آتے
ہیں۔ خاص کر اندھے اور بیمار بہت آتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے علاقے میں پیر بھیلم کا غلغلہ
اور شہرت ہے۔ اس کے سوا داور الملک کے احوال و اوصافِ حمیدہ معلوم و مشہور نہیں۔

پیر بھیلم کا صرف اتنا حال معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک مرد تھے جنہوں نے ابتدائے فتحِ اسلام میں جہاد
کیا اور بہت فتوح کر کے درجۂ شہادت کو پہنچے۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ ان
کا نام سپہ سالار مسعود غازی ہے اور یہ سلطان محمود غزنوی کے مجاہدین میں سے ہیں۔
جب سلطان محمد تغلق بہرائچ کے ملک میں گیا تو اس نے ان کے مزار کی زیارت کی اور
وہاں کے مجاوروں کو صدقات دیئے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ خواجۂ بزرگ حضرت معین الدینؒ
کے مرید ہیں اس کا کچھ ثبوت نہیں اور حضرت کے ملفوظات میں اس کا کہیں ذکر نہیں
اور علماء کی یہ اختراع حال ہی میں وجود میں آئی ہے۔ واللہ اعلم

قاضی محمودؒ

آپ بھی ولایت گجرات کے مشائخ میں سے ہیں۔ صاحب سُکر و ذوق و عشق و محبت و مشرب و حالت و حلاوت تھے، ہندی زبان میں آپ کی جکڑیاں اس ولایت کے قوال بہت گاتے ہیں۔ نہایت مطبوع، مؤثر اور بے تکلف ہیں، آپ کے کلام سے عشق و وجد کے آثار ظاہر ہیں۔

نقل ہے کہ جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے روئے مبارک پر سے گوشۂ کفن اٹھا کر ایک نگاہ سے آپ کی جانب دیکھا۔ آپ نے بھی آنکھیں کھول کر تبسم کیا۔ والد نے کہا بابا محمود یہ کیا بچوں کی سی ادائیں ہیں۔ آپ نے پھر اسی طرح آنکھیں بند کر لیں۔

ابتدائے حال میں آپ نے احمد آباد میں سلطان مظفر بن سلطان محمود کے زمانے میں نہایت تونگری و ثروت اور جمعیتِ ظاہر و باطن کے ساتھ جیسے اکابر و مشائخ کا دستور ہوتا ہے زندگی بسر کی۔ ۹۲۰ھ میں قصبہ بیرپور میں جو ولایتِ گجرات سے ہے اور جو آپ کے آباؤ اجداد کا اصلی وطن تھا تشریف لے جا کر ساکن ہو گئے مزارِ پُر انوار بھی اسی قصبہ میں ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ وجیہ الدینؒ

ولایتِ گجرات کے متاخرینِ مشائخ میں سے ہیں کامل دانش مند، جامع کمالات و برکات مُسن، معمّر و مرتاض تھے۔ تدریسِ علوم، تصنیفِ کتب اور طالبوں کی تربیت وارشاد میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے اکثر کتابوں کی شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔ صاحبِ تالیفات بھی ہیں۔ لباس اس علاقے کے عوام کا سا پہنتے تھے۔

تصوّف میں آپ کی نسبت و عقیدت شیخ محمد غوثؒ سے تھی اگرچہ مرید کسی دوسرے بزرگ کے تھے۔ وفات ۹۹۰ھ میں ہوئی اور اپنے صحنِ خانقاہ میں آسودہ ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

محرّرِ سطور جب سیدِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے قصد سے اُس ولایت میں پہنچا تو آپ کی ملاقات کی سعادت حاصل کی، اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کے بعض اذکار و اشغال سے مشرف ہوا اب آپ کے جانشین آپ کے خلف الصدق شیخ عبداللہ ہیں جو علم، حلم، ریاضت، غربت، ہمت، عفّت اور درویشوں کے تمام اخلاق کے ساتھ موصوف ہیں۔

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما

شیخ علاؤالدینؒ

قریشی، گوالیاری مشہور ہیں کیونکہ اوّل وطن آپ کا گوالیار تھا۔ آپ سید محمد گیسو درازؒ کے مرید و خلیفہ ہیں اور علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ حضرت سیدؒ نے آپ کے احوال کو نورِ فراست سے معلوم کیا تو آپ کو ترکِ دُنیا اور خلقت سے گوشہ نشینی کی سند عطا فرمائی۔ آپ آخر عمر تک گوشہ نشین رہے یہاں تک کہ خادم کو فرما رکھا تھا کہ گھر کا جو کچھ کوڑا کرکٹ ہو اسے دروازہ کے باہر ڈال دیا کرے تاکہ لوگوں کو آبادی کا گمان نہ ہو اور آکر پریشان نہ کریں۔

آپ کا مزار شہر محمد آباد عرف کالپی میں ہے۔ یزار و یتبرک بہٖ

شیخ ابوالفتح علائی قریشیؒ

آپ بھی حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ علم ظاہر و باطن کے جامع تھے اور حرمین شریف کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے کتاب عوارف المعارف کو حضرت سیدؒ کے سامنے گزرانا تھا اور خلافت و اقتدار کی سند حاصل کی۔ آپ کی تصنیفات بھی ہیں مثلاً علم نحو میں تکمیل اور تصوّف میں مشاہدہ وغیرہ۔ مزار شریف کالپی میں ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ

شیخ سراج سوختہؒ

حافظ قرآن تھے۔ اوائل حال میں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ کی صحبت میں رہے اور برسوں اُن کی خدمت میں امامت کی۔ کثرتِ عنایت و شفقت جو حضرت مخدوم کو آپ سے تھی اس سبب سے بعض دوسرے امام جو علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے آپ سے رشک کرتے تھے۔ حضرت مخدوم کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا سراج کا یہ حال ہے کہ جب تک وہ کعبہ معظمہ کو نہیں دیکھتا تکبیر تحریمہ نہیں باندھتا۔

کہتے ہیں کہ آپ سے بہت کرامات اور خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے اور آپ اُن کے چھپانے میں بہت کوشش کرتے تھے۔

نقل ہے کہ جب شاہ مدار آپ کے زمانے میں ہرمز کی طرف سے کالپی میں تشریف لائے تو اُن کے جذب خلائق کی وجہ سے بہت لوگ ان کے گرد جمع ہوئے اور شہرت عظیم ہوئی۔ ان کے بعض طریقے ظاہر شریعت کے خلاف تھے۔ اُس وقت قادر شاہ ولد سلطان محمد جو سلطان فیروز شاہ کے پوتوں میں سے تھا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد حاکم ہوا تھا شاہ مدار کی شہرت سن کر ان کی ملاقات کے لیے سوار ہوا اور جس جگہ شاہ مدار خلوت نشین تھے پہنچا۔ شاہ مدار کے خادموں نے کہا کہ اب وقت نہیں ہے اور نہ ہم کو حکم ہے کہ کسی کے آنے کی خبر کریں، ظاہراً کسی درویش کے ساتھ خلوت میں تھے لیکن خادموں نے حاکم سے کہا کہ ایک جوگی آیا ہوا ہے اور اُس سے باتیں

کر رہے ہیں۔ قادر شاہ نے اُن کے خادموں سے کہا کہ اُن سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے چلے جائیں، اور خود وہاں سے واپس اپنی منزل کو چلا گیا۔ جب یہ خبر شاہ مدار کو پہنچی تو انہوں نے دریا کے پار اُتر کر اُس کے لیے بددعا کی اور ایک خادم کو فرمایا کہ تم تین روز یہاں منتظر رہو اور قادر شاہ کی خبر مجھے پہنچاؤ۔ جس وقت شاہ مدار دریا سے پار ہوئے اسی وقت قادر شاہ کے جسم پر آبلہ پیدا ہوا اور وہ اُس کی حرارت سے بے طاقت ہو گیا۔ وہ شیخ سراج سوختہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے اپنا کُرتہ اس کو دیا جس کے پہنتے ہی وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور حرارت کا کوئی اثر نہ رہا۔ جب شاہ مدار کے خادم نے دیکھا کہ اُس نے شیخ سراج کی پناہ لی ہے تو اُس نے مایوس ہو کر دریا پار کر کے اُن کو یہ خبر پہنچائی۔ شاہ مدار وہاں سے جونپور کو روانہ ہوئے، اور وہاں سے پھر کر مکن پور میں جو نواح قنوّج میں ایک موضع ہے آئے اور وہیں رہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ بدیع الدّین مدارؒ

لوگ آپ کے عجیب احوال اور غریب اطوار نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ مقامِ صمدیت پر تھے جو سالکوں کے مقامات میں سے ہے۔ بارہ برس تک آپ نے کھانا نہیں کھایا اور ایک دفعہ جو کپڑے پہنے تھے پھر اُن کے دھونے کی ضرورت نہیں ہوئی تھی۔ اکثر احوال میں کپڑا منہ پر ڈالے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ

جس کسی کی نظر آپ کے جمال پر پڑتی بے اختیار سجدہ کرتا تھا۔

آپ کا سلسلہ بسبب درازیٔ عمر یا کسی اور وجہ سے پانچ یا چھ واسطوں سے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور بعض مداری آپ کو بے واسطہ حضرتؐ سے ملاتے ہیں اور بعض ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں اور جو شریعت و طریقت کے دائرہ سے خارج ہیں۔ واللہ اعلم۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی آپ کے زمانہ میں تھے، لوگوں میں ایک مکتوب مشہور ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شاہ مدار نے قاضی شہاب الدین کو لکھا تھا، اور جو کچھ شیخ سراج سوختہ کے ذکر میں لکھا گیا ہے وہ کالپی کے بعض افاضل سے سنا گیا تھا اور انہوں نے کہا کہ یہ قصہ ہمارے دیار میں مشہور ہے اور اس پر اتفاق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رحمتہ اللہ علیہ و علیٰ جمیع رجال اللہ

شیخ سحنائیؒ

ایک درویش تھے صاحب برکت و کشف و کرامات۔ طریق سہروردیہ سے نسبت رکھتے تھے اور حضرت شیخ نور قطب العالمؒ کے ہم عصر تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن آپ کو القا ہوا کہ آپ کے مکان میں قطب کا نزول ہوگا، آپ نے مجلس کا سامان کیا اور شیخ نور کی خدمت میں التماس کی کہ مجھ کو ایسے القا ہوتے ہے

اوراس زمانے میں آپ کے سوا کوئی قطب نہیں ہے، میرے گھر میں تشریف لائیے۔ شیخ نور نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کے گھر گئے۔ کھانا کھانے کے بعد قوال آئے، تمام اکابر و صدور جمع تھے، جس وقت قوالوں نے گانا شروع کیا صدر جہاں اٹھے اور کہا یہ نامشروع ہے، یہ کہہ کر چلے گئے، ان کے بعد مفتی بھی چلے گئے، اس طرح منکرینِ سماع سب چلے گئے، فقط ایک مولانا تاج الدین اسبیجابی دامادِ شیخ علاؤ الحق جو ایک مردِ دانش مند تھے بیٹھے رہے، وہ قوالوں کو منع کرتے رہے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ قوالوں نے یہ بیت پڑھی۔ بیت

آں سوارِ کج کلاہ کز ناز سلطانِ منست　　　بس خرابیہا کز و بر جانِ ویرانِ منست

شیخ نورالدین کو اس سے حظ ہوا اور ایک ذوق پیدا ہوا اور سماع کرنے لگے۔ مولانا تاج الدین نے بحث شروع کی، شیخ جواب دیتے رہے، جب مولانا نے بہت غل مچایا شیخ کو غصہ آیا، فرمایا مولانا تاج الدین اتنی شوخی مت کرو۔ مولانا جب گھر واپس آئے تو اُن کے تمام بدن پہ آبلے پڑ گئے تھے۔

نعوذ باللہ من غضب اللہ

مولانا تقی الدین اودھی رح

نہایت متقی تھے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ اپنی کتاب وظائف لے کر آخر شب میں گھر سے باہر نکل جاتے اور تمام روز کسی جگہ بیٹھ کر مشغول رہتے جب تھوڑی رات گزر جاتی تو گھر میں واپس آتے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ابدال آئے اور کہا کہ آپ ہم میں شامل ہوں۔ آپ نے فرمایا میں بیوی بچے والا ہوں اور تم لوگ بے خان و مان، میرا تمہارا ساتھ کیسے ہوگا۔

کہتے ہیں کہ مولانا تقی الدین نے ایک لونڈی خریدی تھی۔ ایک دن اس لونڈی نے اپنے بچوں کو یاد کیا۔ مولانا آدھی رات کے وقت اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور آزاد کر دیا۔ دوسرے دن جب مولانا کی بیوی نے یہ بات سنی تو بہت خفا ہوئیں، قضارا تھوڑے دنوں کے بعد وہ لونڈی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آئی اور مولانا کے قدموں میں گر پڑی اور کہا کہ ہم سب آپ کے غلام ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تم سب کو آزاد کر دیا۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ رفقۃ الدینؒ

شیخ نور قطب عالمؒ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ بہت ہی بزرگ، متواضع، منکسر المزاج اور صاحب حالت تھے۔

شیخ حسام الدین مانکپوری کہتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے واللہ میں بازاری کتے سے بھی کمتر ہوں۔ ایک مرتبہ کاتب حروف نے یہ حکایت اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں بیان کی، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی تمام عمر میں اس بات کو اپنے حسب حال پایا ہے،

رحمۃ اللہ علیہ وعلی جمیع العارفین

شیخ انورؒ

حضرت شیخ نور قطب عالم کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ بزرگ اور سخی تھے۔ بکریوں کو خوب فربہ کر کے فقراء کے لیے ذبح کرتے اور ان کو کھلاتے اور خود نہ کھاتے۔

شیخ حسام الدینؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ ایک دن میں نے مخدوم زادہ شیخ انور سے پوچھا کہ عشق کیا ہوتا ہے، فرمایا وہ لوگ جو آنکھیں کھول کر نگاہ کرتے ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ دوست آتا ہے یا دوست کا خیال یا اس کا پیام آتا ہے، وگرنہ وہ آنکھیں کھول کر کیوں دیکھیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

میر سیّد اشرف سمنانی رح

سیّد اشرف جہانگیر کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، کامل بزرگوں میں سے ہیں۔ صاحب کرامات و تصرفات تھے۔ سیاحت میں امیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے رفیق تھے، آخر ہندوستان میں آئے اور شیخ علاؤ الحق بن اسعد لاہوری کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ ارادت سے پہلے ہی آپ کو کشف و کرامات کے مقاماتِ عالیہ حاصل تھے۔ حقائق اور توحید میں آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ کے مکتوبات میں جو عجیب و غریب تحقیقات پر مشتمل ہیں۔

آپ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے ہم عصر تھے۔ غالباً قاضی صاحب نے آپ سے ایمانِ فرعون کے مسئلہ میں جس کی طرف فصوص الحکم میں اشارہ ہوا ہے بحث کی تھی اور آپ نے اس بارے میں اُن کو ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا۔

آپ کا مزار جونپور کے ایک گاؤں میں ہے جس کو کچھوچھہ کہتے ہیں۔ بہت ہی پُرفیض مقام ہے اور حوض کے درمیان واقع ہے۔ حضرت سیّد اشرف جہانگیر کا اسمِ گرامی اس علاقے میں جنات کے دفع کرنے میں نہایت مؤثر ہے۔

حضرت سیّدؒ کے ملفوظات آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص نے جمع کیے ہیں۔

مکتوب بست و دوم

برادرِ اعز و ارشد جامع العلوم قاضی شہاب الدین نور اللہ تعالیٰ قلبہ بانوار

البقین درویش اشرف سے دعائے درویشانہ اور ثنائے برکیشانہ قبول فرمائیں۔
نامہ جس میں بعض باتیں مندرج تھیں پہنچا اور وہ استفسار جو مبحث فصوص الحکم سے
فرعون کی نسبت تقاضا کیا تھا انجام کو پہنچا۔ جاننا چاہیئے کہ فصوص میں اس کی نسبت
دس جگہ کلام ہے جو دلائل عشرہ سے مشہور ہے۔ سب سے مشکل مقام اور سب سے
پیچیدہ مقدمہ وہ ہے جس میں بہت سے شارحین اُلجھ گئے ہیں اور اصل مطلب کو
نہیں پہنچے ہیں۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون کو کہتے ہیں کہ ایمان
یاس رکھتا تھا یا نہیں، کیونکہ ایمان یاس دوزخ کے احوال اور عذاب آخرت پر مطلع
ہونے سے ہوتا ہے، اُس کو یہ نہیں تھا کیونکہ وہ ڈوبنے کے ڈر اور تخریب مستغرق
سے ایمان لایا، جیسا کہ قیصری میں آیا ہے" جبکہ تھا ایمان فرعون کا دریا میں، کیونکہ
اُس نے دیکھا ایک واضح اور وسیع راستہ جس میں سے بنی اسرائیل غرغرہ سے قبل
اور ان احکام آخرت کے ظہور سے قبل گزر گئے جن کو لوگ غرغرہ کے وقت دیکھتے ہیں
اس سبب سے اس کا ایمان صحیح کیا گیا کیونکہ وہ ایمان بالغیب تھا اس سبب سے
کہ وہ غرغرہ سے پہلے تھا نہ کہ عذاب آخرت کے معائنہ سے، جیسے کہ ایمان یاس
ہوتا ہے، کیونکہ جو کافر قتل کے وقت ایمان لے آتے وہ صحیح ہے بلا خلاف" اور
فصوص میں ہے کہ زوجہ فرعون نے موسیٰؑ کے حق میں فرعون سے کہا۔ انہا قرۃ
عین لی ولك (وہ آنکھ کی ٹھنڈک ہے میرے اور تیرے لیے) اُس کی قرۃ عین
تو اس کمال سے ہوئی جو اس کو حاصل ہوا جیسا کہ ہم کہہ چکے اور فرعون کی قرۃ عین اس
ایمان سے ہوئی جو اُس کو غرق ہوتے وقت خدا نے عطا کیا یعنی اُس کو طاہر و مطہر
قبض کیا، اس میں کچھ بھی خباثت نہیں تھی کیونکہ اُس کو ایمان کے وقت قبض کیا تھا

قبل اس کے کہ وہ کوئی گناہ کر سکے، اور اسلام پہلی برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور خدا نے
اُس کو اپنی عنایت کی نشانی بنایا اور وہ جس کو چاہے کر دے یہاں تک کہ اُس کی رحمت
سے کوئی نا امید نہیں لا یایئس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون، اور اگر فرعون
نا امید ہو جاتا تو کیوں کر ایمان لاتا۔ پس تھے موسیٰ علیہ السلام جیسے کہ فرعون کی عورت نے
کہا انہ قرۃ عین لی ولک ولا تقتلوا عسیٰ ان ینفعنا اور اللّٰہ تعالیٰ کا یہ قول الآن
وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین (ایمان لایا تو آج اور تحقیق تھا تو پہلے
نافرمان مفسدوں میں سے) ایک قسم کا عتاب ہے اُس کی خدا کے ساتھ توجہ کے
وقت اور اُس کے ساتھ ایمان لانے سے اور یہ اُس کی صحت ایمان کو منافی نہیں ہے،
اور یہ جو آیا ہے یقدم قومہ یوم القیامۃ فاوردھم النار وبئس الورد
المورود (وہ قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا پھر اُن کو دوزخ میں
جا اتارے گا اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے اترنے کی) یہاں ضمیر قوم کی طرف ہے،
اور دخول نار ایمان کو منافی نہیں ہے، اور فرعون کے کافر ہونے کا اُس کے ایمان
لانے کے بعد کوئی نص صریح نہیں ہے، اور جو کچھ اِس باب میں آیا ہے یہ اُس کے
قبل ایمان سے حکایت ہے، اور اُس کے ایمان لانے کا فائدہ علیٰ تقدیر التعذیب
یہ ہے کہ ہمیشہ آگ میں نہیں رہنے کا، اور عذاب دیا جانا حقوق العباد میں ہوگا جو
اسلام لانے سے نہیں اٹھتے۔ پس شیخ کے قول کا انکار نہیں کیا جا سکتا: اس وجہ
سے کہ وہ اس قول اور تمام کتاب کے لکھنے پر حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی طرف
سے مامور ہیں، پس وہ معذور ہیں جیسا کہ منکر مغرور معذور ہے، اور اُن کے قول کو اپنی
عنایت کی نشانی کیا ہے جس میں اللّٰہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فالیوم ننجیک ببدنک من العذاب بوجود الایمان الصادر منک بعد العصیان (پس آج نجات دیں گے تجھ کو تیرے بدن کے ساتھ عذاب سے بسبب صادر ہونے ایمان کے تجھ سے بعد گناہ کے)،

واللہ تعالیٰ اعلم بالسرائر من کل مومن وکافر..

شیخ فتح اللہ اودھیؒ

حضرت شیخ صدرالدین حکیمؒ کے خلیفہ ہیں۔ اوائل حال میں آپ کا شمار علمائے دہلی میں تھا، برسوں جامع مسجد دہلی میں جو منار شمسی کے پائین ہے درس وافادہ کی مسند پر رونق افروز رہے۔ آخر میں شیخ صدرالدین حکیمؒ کے مرید ہوئے اور اس طریقہ کے سلوک میں مشغول ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ نے بے انتہا ریاضت کی لیکن اس عالم پاک کے نفحات روح پرور سے شادکام نہ ہوئے، آخر شیخؒ سے شکایت کی، انہوں نے فرمایا کہ پڑھانا چھوڑ دو اور کتابوں سے دست بردار ہو جاؤ۔ آپ نے ویسا ہی کیا مگر چند کتابیں جو بہت نفیس ولطیف تھیں اپنے پاس رکھ لیں، ابھی باب معرفت کے کھلنے میں کچھ توقف تھا کہ بقیہ کتابوں کو بھی الگ کر دیا۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ پانی کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے کتابوں کے اجزاء کو دھوتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے یہاں تک کہ آپ کی لوح ضمیر نقش ماسوا سے پاک ہو گئی اور اس کے بدلے علم باطن ثبت ہو گیا۔

شیخ قاسم اودھی آپ کے مریدوں میں سے ہیں۔ اُن کا ایک سالہ ہے آدابِ السالکین اُس میں لکھتے ہیں کہ درویش جو مصلیٰ، تسبیح، شانہ، عصا، مقراض، سُوئی، ابریق، پیالہ، نمکدان، طشت آفتابہ، کفش اور نعلین مریدوں اور یاروں کو دیتے ہیں ہر ایک کسی معنی پر دلالت کرتا ہے مصلیٰ طاعت و عبادات کی استقامت پر دلالت کرتا ہے۔ تسبیح جمعیت پر دلالت کرتی ہے یعنی پریشان و متفرق خواطر جو اُس کے وقت کے مزاحم تھے جمع ہو کر ایک خطرہ بن گئے جیسے کہ بکھرے ہوئے دانے سب جمع ہو گئے ہیں۔ شانہ خیر کا نشان ہے یعنی اس سے شر دور ہو جاتا ہے عصا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تکیہ و اعتماد و اعتبار اُسی ذاتِ واحد پر کرنا چاہیئے جو واحدِ حقیقی ہے۔ مقراض علائق کے قطع کرنے اور امیدوں کے کوتاہ کرنے پر دلالت کرتی ہے سُوئی صورت و معنی کے پیوند پر دلالت کرتی ہے لیکن سوئی کو تاگے کے بغیر نہیں دیتے ہیں

سوزن و رشتہ از پئے پیوند　　آن بدو این بدوست حاجت مند

ابریق اور پیالہ، روٹی اور پانی سے نقرا اور مہمانوں کی رعایت پر دلالت کرتے ہیں، نمکدان، طشت اور آفتابہ کندوری پر دلالت کرتے ہیں یعنی پیروں کا دسترخوان اُس کے حوالے ہوا اور کفش و نعلین ثباتِ قدم پر دلالت کرتے ہیں اور اگر شانہ کسی کو دیں تو چاہیئے کہ کھلا ہوا نہ دیں بلکہ کسی کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر دیں کیونکہ وہ جدائی کا آلہ ہے اور جب کسی کو چھُری دیں تو چاہیئے کہ میان میں کر کے دیں اور خربوزہ یا گوشت اُس کے ساتھ دیں اور ٹھلیا اور ابریق وغیرہ جب دیں تو پانی سے بھر کر دیں اور جب شانہ کو شانہ دان میں رکھیں تو باریک دندانوں والی جانب کو شانہ دان کے اندر کریں کیونکہ یہ بالوں کو جُدا کرنے کے کام میں بہت رسا ہے یعنی چونکہ یہ تفریق و جدائی کا سبب ہے اس لیے اس کا دُور رہنا ہی بہتر ہے۔

خواجہ مسعود بکؒ

سلطان فیروز شاہ کے اقربا میں سے ہیں، آپ کا اصلی نام شیر خان ہے۔ مدت تک اہلِ ثروت و دولت کے لباس میں رہے، یکایک جذبۂ حق آپ کے حال کے گریبان گیر ہوا اور درویشوں کی خدمت اور اُن کے حلقۂ صحبت میں داخل ہو کر شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام کے مرید ہو گئے۔

اکثر حالتِ سکر میں رہتے تھے، بادۂ وحدت کے متانے اور خمخانۂ حقیقت کے متوالے تھے، بات مستانہ کہتے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ میں کسی شخص نے اسرارِ حقیقت کو ایسا فاش نہیں کیا اور اس قدر مستی کا اظہار نہیں کیا جیسے کہ آپ نے کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے آنسو ایسے گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر پڑتے تو اُس کو جلا دیتے۔

علمِ تصوف و توحید میں آپ کی بہت تصانیف ہیں، آپ کی ایک تصنیف کا نام تمہیدات ہے جو عین القضات ہمدانی کی تمہیدات کے طرز پر لکھی ہے۔ اس میں بہت حقائق و دقائق مندرج ہیں۔ آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے اور اس میں قصائد و غزل اور رباعی، تمام اقسام سخن موجود ہیں۔ امیر خسرو کے اکثر اشعار و قصائد کا جواب لکھا ہے، اگرچہ بعض مقامات میں آپ نے طریقۂ شاعری کی رعایت نہیں رکھی لیکن پھر بھی کچھ کلام بہت متین و شاعرانہ ہے۔ آپ کی ایک اور تصنیف مرآۃ العارفین ہے

فرماتے ہیں بیت

ما نسخۂ محمد مرسل فتادہ ایم — زیراکہ ہر ولی ست بدیں نسخۂ نبی

مزار شریف آپ کے پیر کے مقبرے میں خواجہ قطب الدین بختیار رح کے مزار مبارک کے قریب ہے۔ لاڈو سرائے میں بہت ہی مجردانہ اور غریبانہ سوئے ہوئے ہیں۔ قدس اللہ سرہٗ۔

کتاب مرآۃ العارفین کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "لسانِ وقت ناطق ہے اور عینِ غیب شاھد ہے، ہم غائبانہ حاضر ہیں اور حاضرانِ غائب، اس رو سے کہ ہم ہم ہیں ہم ظاہر نہیں ہیں اور اس رو سے کہ ہم، ہم نہیں ہیں ہم ظاہر ہیں، اگر تم غیب کے رموز کا کشف چاہتے ہو تو ہم کو ہم نہ کہو، یہ وہ حروف ہیں جو پوشیدہ رازوں کے ظروف ہیں اور یہ وہ نقاط ہیں جن کے نکات پُر اسرار ہیں، یہ وہ سفیدی ہے جو چشم دل میں سویدا ڈالتی ہے، یہ وہ سیاہی ہے جو دماغ میں سواد پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک نور ہے دیدہ افروز اور نار ہے پردہ سوز ہم طور کے شجرِ اخضر ہیں کہ اس نور کی نار رہنمائی کرتے ہیں، جس کا نور ہم پر چمکتا ہے اور ظلمت ہم سے گریزاں ہے، وہ ہم کو ہمارے بغیر دیکھ کر ہم سے ہماری بات کہتا ہے اور تم کو تمہارے بغیر ڈھونڈتا ہے، حجابِ انیت کو اٹھا اور اپنے آپ کو محرمِ راز کر، یہاں ایک صورت ہے جو آئینۂ کشف میں جلوہ گر ہے اور ایک عروس ہے جو خلعتِ اسرار سے مزین ہے، یہ مرآۃ العارفین کا جلوہ ہے، اگر چشمِ یقین رکھتا ہے تو اس کو پہچان۔"

یہ کتاب مرآۃ العارفین کا مطلع ہے اور یہی فقرے آپ کے فضل و کمال پر کافی دلالت کرتے ہیں، اس کتاب کو چودہ کشفوں میں مرتب کیا گیا ہے، چودھویں کشف میں روح کا بیان ہے اور فی الحقیقت آپ نے اس باب میں اس قدر معارف بیان کیے ہیں کہ اور کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما۔

سید یداللہ رح

میر سید محمد گیسو درازؒ کے پوتے اور اُن کے خلیفہ ہیں۔ آپ پر مشرب عشق و محبت غالب تھا۔

نقل ہے یہ ابھی کم سن تھے کہ ایک روز سید گیسو درازؒ نے اپنا طاقیہ مسح کے واسطے اتار کر رکھا تھا، آپ آئے اور جیسے کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے طاقیہ کو اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ سیدؒ نے فرمایا۔ یہ خلعت مبارک ہو۔ الحمد للہ امانت اپنے اہل کو پہنچی۔ پھر جس کسی کو مریدی میں قبول کرتے اس کو سید یداللہ کی طرف رجوع کرتے اور تربیت و تلقین ذکر خود فرماتے۔

کہتے ہیں کہ سید یداللہ کسی عورت کے ساتھ مبتلائے محبت ہو گئے تھے۔ ایک مدت تک اس کی محبت کو لباس کتم و عفاف میں مستور رکھا۔ آخر اس عورت کو حبالۂ عقد میں لے آئے۔ صبح کے وقت جیسا کہ اس دیار میں دستور ہے دلہن کا منہ دکھاتے ہیں۔ سید یداللہ کی نظر جو اُس کے جمال پر پڑی ایک ذوق اور حالت پیدا ہوئی۔ ایک آہ کھینچی اور جان بحق تسلیم ہوئے۔ دلہن نے محافہ میں بیٹھ کر اُن کو گود میں لیا اور مکان تک پہنچ کر خود بھی تمام ہو گئیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے پہلو میں دفن کیا۔

رحمۃ اللہ علیہما

شیخ پیارہ رح

سید یداللہ رح کے مرید ہیں اور حضرت سید محمد گیسو دراز رح کے تربیت یافتہ ہیں
کہتے ہیں کہ جب آپ سید گیسو دراز رح کی خدمت میں پہنچے انہوں نے دریافت کیا
درویش کبھی کہیں عاشق ہوئے ہو ۔آپ نے اس کے اظہار میں حجاب و تکلف
سے کام لیا، اور عرض کی کہ بندہ عشق سیکھنے کے لیے تو حضرت کی خدمت میں پہنچا ہے
میں کیا جانوں عشق کیا ہے، فرمایا مقصود اس سے امتحانِ حال اور تمہارے مشرب
کی کیفیت معلوم کرنا ہے۔ اگر اس باب میں کچھ واقع ہوا ہو تو کہو اور حجاب مت کرو
عرض کیا کہ ایک دفعہ میں ایک ہندو عورت کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کسی
حیلے سے اس کا وصال میسر نہ ہوتا تھا۔ میں نے زنار باندھا اور جس بت خانے
میں وہ پرستش کو جاتی تھی میں بھی گیا تاکہ اس کو دیکھوں، حضرت سید رح نے آپ
کو گلے لگا لیا اور فرمایا تم جیسا عالی ہمت مجھے کہاں ملے گا جس کو خدا کی محبت کا
طریقہ سکھاؤں، یہ کام بڑے عالی ہمتوں کا ہے، ایمان سے زیادہ عزیز کیا چیز
ہو سکتی ہے، اس کو تم نے راہِ محبت میں صرف کیا، اب میں تم کو عشقِ حقیقی سکھاتا
ہوں۔ آپ کو حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رح کے حجرہ میں جو حضرت خواجہ قطب الدین
بختیار قدس سرہما کے روضہ میں ہے اربعینات متوالیہ کا حکم دیا اور انوارِ معرفت
کے انعکاس کے قابل کر دیا۔ پھر آپ حضرت سید رح کے اشارہ سے سید یداللہ رح

کے مرید ہو گئے اور مجاہدہ کر کے کمال کو پہنچے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شاہ جلال رح

گجراتی، شیخ پیارہ رح کے مرید ہیں، کاملانِ وقت سے تھے صاحب تصرف و کرامت، اور ظاہر و باطن میں مرتبۂ عظیم اور شانِ رفیع کے مالک تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ اصل میں ولایتِ گجرات کے رہنے والے تھے اور گور ملک بنگالہ میں تخت پر بیٹھتے تھے اور حکم کرتے تھے جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے۔ بادشاہ گور نے آپ کو شہید کر دیا بسبب توہم و دغدغہ کے جو غرض پرستوں کے کہنے سننے سے اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔

منقول ہے کہ جب قاتل آپ کی خانقاہ میں آئے اور خون ریزی شروع کی تو آپ کے جس مرید پر تلوار مارتے تھے شیخ فرماتے تھے یا قہار یا قہار، اور جب آپ پر تلوار ماری تو کہنے لگے یا رحمٰن یا رحمٰن اور اسی کلمہ کے ساتھ جان بحق تسلیم کی۔ کہتے ہیں کہ آپ کا سر مبارک زمین پر پڑا ہوا اللہ اللہ کہتا تھا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ محمد ملاوہؒ

آپ کو مصباح العاشقین کہتے ہیں، شروع میں شیخ احمد راوتیؒ کے مرید تھے اور اُن کی خدمت میں ریاضت و مجاہدہ کرتے تھے، آخر میں شیخ جلال گجراتیؒ کی صحبت میں پہنچے اور نسبتِ عشق و محبت کو درست کیا۔ آپ شیخ کامل اور صحیح الحال بزرگ تھے، وجد و سماع کے بہت شائق تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے قوال ایسی چیز کہہ رہا تھا جس میں فراق اور دُوری کا ذکر تھا، اس پر شیخ کو اتنا حال آیا کہ آپ کی روح نکلنے کے قریب ہو گئی، کسی شخص نے جو آپ کے حال سے واقف تھا۔ قوال سے کہا کہ کوئی اور چیز کہو جس میں قُرب و وصال کی خبر ہو، اس کے سنتے ہی شیخ میں ایک تازگی اور فرحت پیدا ہوئی کہ گویا آپ کے قالب میں نئے سرے سے جان آ گئی۔ ؎

الوصل یحیی والفراق یمیت　　فمازلت فی العشق حیًا ومیتًا

ترجمہ: وصل زندہ کرتا ہے اور فراق مارتا ہے، پس میں عشق میں ہمیشہ جیتا اور مرتا رہا۔

؎ گہہ بلطفم می نوازد گہہ بناز م می کُشد
زندہ می سازد مرا آں شوخ و بازم می کُشد

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ کے گھر میں آگ لگی اور جو کچھ غلہ کی قسم سے تھا سب جل گیا۔ اتفاق سے غلوں کے درمیان کچھ شالی بھی تھی جو بیج ڈالنے کے لیے

رکھی تھی وہ بھی جل گئی۔ جب بیج ڈالنے کا وقت آیا تو کیفیتِ حال آپ سے عرض کی گئی کہ شالی جو بیج کے لیے رکھی ہوئی تھی وہ سب جل گئی، اب کیا حکم ہے؟ فرمایا ہم جلے ہوؤں کو جلے ہوئے بیج کے سوا اور کیا چاہیئے، نئے سرے سے وضو کر کے دوگانہ پڑھا اور جناب باری میں مناجات کی، خداوندا! تو ہر بار اپنی حکمت سے کام کرتا ہے، اب کے اپنے بندہ کی دعا سے محض اپنی قدرت سے کام کر، خداوندا! میرے پاس شالی تھی، تو نے آگ کو مقرر کیا کہ اس کو جلا دے، میرے پاس اور شالی نہیں ہے، اب کیا کروں۔ کہتے ہیں کہ اُس سال آپ کی کھیتی میں ہر شالی میں دو دو بیج پیدا ہوتے۔ شالی کو سلطان سکندر کی خدمت میں جو اُس عہد کا بادشاہ تھا لائے تو اُس نے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ میرے عہدِ حکومت میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ وہ خدا سے چاہتے ہیں ویسے ہی کرتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ سماع میں تھے اور وجد فرما رہے تھے۔ اُس ملک کے ایک راجہ کا وہاں سے گزر ہوا جہاں مجلسِ سماع قائم تھی، اور بقصدِ تماشا دریچہ میں سے دیکھنے لگا۔ جب اُس کی نظر شیخ کے جمال پر پڑی بے ہوش ہو گیا اور اُن ہندوؤں سے جو اُس کے ہمراہ تھے کہنے لگا پکڑنا، نہیں تو میں چلا، اس کو مجلس سے کھینچ کر باہر لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اپنی حالت میں آیا تو اس سے کیفیت پوچھی۔ کہنے لگا کہ یہ مسلمان خدا کو بغل میں لیے پھرتا ہے، اگر تم مجھ کو باہر نہ کھینچتے تو میں اُس کی طرف جا کر اس کے پاؤں میں سر رکھ دیتا اور اس کے دین میں داخل ہو جاتا۔ ؎

عاشق گمدہ ہر کہ بکوئیت گذرد   اُرے از دود بامِ تو می بارد عشق

آپ کی وفات ۹۰۰ھ میں ہوئی، مزار شریف قنوج کے ایک قصبہ ملّاوہ میں ہے
شیخؒ کے مرید اور خلفا بہت تھے، اِس فقیر کے دادا شیخ سعد اللہ اور بڑے چچا شیخ
رزق اللہ مشتاقی آپ کے مریدوں میں سے ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ط

شیخ سعد اللہؒ

حضرت شیخ محمد ملاوہؒ کے مرید تھے جس زمانے میں کہ شیخؒ سلطان سکندر
کے عہد میں اِس ملک میں تشریف لائے تھے آپ مدت تک اُن کی خدمت میں
رہے اور اُن کی صحبتِ شریف سے درد و محبّت و استقامت کے معانی اکتساب
کیئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ رزق اللہؒ

اِس فقیر کے عمِ کلاں شیخ رزق اللہ المتخلص بہ مشتاقی بھی حضرت شیخ محمد ملّاوہ
کے مرید ہیں، شیخؒ کی آپ پر خاص عنایت تھی، شیخ رزق اللہ مردِ کامل و فاضل و
عارف تھے، بزرگانِ سلف کی یادگار اور نوادرِ روزگار میں سے تھے۔ فضائل

صوری و معنوی کے جامع اور مشربِ عشق و محبت، سلامتِ عقل، وسعتِ حوصلۂ صبر بر مصائب، دوامِ حضور اور استقامتِ احوال میں یگانۂ عصر تھے، عمر شریف بانوے برس کو پہنچ گئی مگر ذوق و محبت و درد ویسے ہی تازہ تھا۔ ع

من اگر پیر شدم عشق جوانست ہنوز

آپ کی شان میں درست تھا، جو شخص آپ کی صحبت میں حاضر ہوتا آپ سے اربابِ وجد و ذوق کی سی اتنی معارف آمیز باتیں اور محبّت انگیز نکات سنتا کہ محظوظ ہو جاتا۔ سلامتِ طبع، طیبتِ قلب اور نقلِ حکایاتِ مشائخ و تواریخِ ملوکِ ہند میں آپ جیسا اور کوئی کم دیکھنے میں آئے گا، کلام کو بہت اطمینان، لطافت اور شیرینی سے کہتے تھے، اور محبت کی بات کہتے یا سنتے وقت آپ پر گریہ ذوق و حالت کا عالم طاری ہوتا تھا۔ سفر بہت کیے تھے اور بہت صحبتوں میں رہ کر تجربہ حاصل کیا تھا، غربار و فقرار و مشائخ کی صحبت میں بہت رہے تھے۔

آپ نے ہندی اور فارسی زبان میں شعر کہے ہیں، اور ہندی میں جو رسالے لکھے ہیں مثلاً "پیماں" اور "حجت زنجن" وہ بہت مقبول و مشہور ہیں۔ ہندی میں آپ کا نام راجن ہے اور فارسی میں مشتاقی، ولادت ۸۹۷ھ اور وفات ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ میں ہوئی۔ بندہ نے آپ کی تاریخِ وفات کہی ہے۔

قطعہ

مخدومی عارف زمان مشتاقی	وی گفت بوقتِ نقل مشتاق حقم
حقّی چو بتاریخِ وفاتش نگریست	نوکِ قلمش ہمان سخن کرد رقم

رحمہ اللہ و علیٰ جمیع اسلافنا

شیخ ابوالفتح جونپوریؒ

اپنے دادا قاضی عبدالمقتدرؒ کے مرید و شاگرد ہیں اور انہیں کے طریقہ پر فاضل و دانش مند تھے، اُن کی وصیت کے مطابق ہمیشہ درس و افادۂ علوم میں مشغول رہے، فصیح البیان تھے، عربی میں آپ کے قصائد ہیں اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ قاضی شہاب الدین سے اصولِ کلام اور فروعِ فقہیہ میں آپ کی بہت بحثیں رہتی تھیں، خصوصاً زُباد کے بارے میں جو گربۂ مشکیں سے ٹپکتا ہے شیخ اُس کو نجس کہتے تھے اور قاضی اس کی طہارت کے قائل تھے، اور بعض رسائل جو آپ نے اس مبحث میں تالیف کیے اور لکھے ہیں اور آپ کی اولاد جو اس بحث میں آپ سے بعض کلام نقل کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف کے طعن و تشنیع کرنے میں شیخ پر موالی کا طریقہ غالب تھا اور احتمال ہے کہ وہ بھی بحث کے ایام میں کسی عارضہ کے سبب سے لاحق ہو گیا ہو یا اس میں کوئی نیت ہو واللہ اعلم

آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ کے گھر میں ایک دفعہ سونے کی بارش ہوئی تھی۔ یہ حکایت عام لوگوں سے سنی گئی ہے اور کسی ملفوظ میں جو آپ کے خلفاء نے لکھے ہیں موجود نہیں۔ آپ کی اولاد بھی اس واقعہ کی قائل نہیں ہے سوائے شیخ عبدالوہاب کے جو اس وقت آپ کی اولاد میں بڑے بزرگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالفتح نے ایک کتاب میں اپنے دادا کے ملفوظات جمع کیے

ہیں اور اس میں لکھتے ہیں کہ میں نے قاضی شہ سے جو قاضی عبد المقتدر کے خلیفہ تھے اور شیخ نصیر الدین محمود کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دن میں قاضی کے پاس گیا. اُس روز اُن کے گھر میں تین دن کا فاقہ تھا. اور غالباً قاضی نے اس بات کا اظہار بھی کیا، میں باہر آیا اور نہایت سوزشِ دل کے ساتھ اُن کے گھر کے دروازہ کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ میرے اوپر دس پندرہ پچیس اشرفیاں برسیں میں اُن کو لے کر قاضی کے سامنے گیا اور تمام واقعہ عرض کیا وہ غصے میں آ گئے، میں ہر چند الحاح کرتا تھا کہ اس میں سے کچھ قبول کر لیں مگر ان کا غصہ زیادہ ہوتا تھا۔ پس یہ فی الحقیقت شیخ عبد المقتدر کی کرامت ہوگی۔ کہتے ہیں کہ اُن سکوں کو قاضی شہ سے اُن کے مریدوں نے بہت مال دے کر خریدا۔

شیخ ابو الفتح پہلے دہلی میں تھے، صاحب قران امیر تیمور کے واقعہ میں بعض دیگر اکابر شہر کے ہمراہ جونپور چلے گئے، قاضی شہاب الدین بھی اُسی واقعہ میں دہلی سے وہاں گئے تھے۔

شیخ ابو الفتح کی ولادت ۱۴ محرم الحرام ۷۷۲ھ میں ہوئی اور جمعہ کے روز ۱۳ ربیع الاوّل ۸۵۸ھ میں وفات پا گئے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ تقی رح

کڑہ دمانک پور میں رہتے تھے اور جلاہے کا کام کرتے تھے، حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ و برکت و کرامت عطا فرمائی۔

آپ کا نام مبارک حشرات الارض کے کاٹنے میں نہایت مؤثر ہے نیز سانپ کا زہر دفع کرنے میں، چنانچہ مارگیروں میں مشہور ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

سید شمس الدین طاہر رح

شیخ نور قطب عالم کے مرید اور سید بزرگ تھے، ولایت ٹھٹھور میں متوطن تھے۔ بہت سن رسیدہ تھے۔ عمر شریف ڈیڑھ سو برس کو پہنچ گئی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ سے اعتقاد و محبت رکھتے تھے، باوجود اس قدر درازیٔ عمر کے کبھی اجمیر شریف کے کوچوں میں تھوکا یا سنکا تک نہیں بلکہ از تو در کنار، شہر میں کبھی بے طہارت نہ آتے اور شہر کے دروازہ میں ٹھہرتے جب شہر میں آتے تو کامل طہارت کر کے آتے، جب وضو بھاری ہو جاتا تو شہر سے باہر چلے جاتے اس خوف سے کہ کہیں شہر میں وضو ساقط نہ ہو جائے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبداللہ شطاری رح

شیخ بزرگوار شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے ہیں، ظاہری و باطنی سطوت و شوکت کے مالک، اور اپنے زمانے کے مرشد تھے، سلسلہ شطاریہ کے متعارف مخصوص اذکار و اشغال کی تلقین میں متعین و منفرد تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ نقارہ بجا کر آواز دیتے تھے کہ کوئی طالب ہے کہ آئے تا کہ میں اُس کو خدا کا راستہ بتاؤں اور جب مجلس میں بیٹھتے تھے تو ہر طرف نگاہ کرتے اور کہتے تھے کہ یہاں تختہ سیاہ جو طالب علمانِ پُر شبہ و بے اعتقاد سے عبارت ہے نہ ہوں تا کہ خدا کی بات کہی جائے۔

آپ کا ایک رسالہ مشہور ہے جو طریقۂ شطاریہ و اذکار و اشغال اور مراقبات کے بیان میں ہے۔ ابتدائے رسالہ میں اپنا نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک بیان کیا ہے۔ آپ کا سلسلۂ ارادت پانچ واسطوں سے شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی طالب آپ کے سامنے آتا تو یہ اس کی عقل و ہوش کے امتحان کے لیے روٹی کے ساتھ سالن کھانے کو بھیجتے اور کسی کو اس پر مقرر کرتے تا کہ دیکھے کہ وہ روٹی کے ساتھ سالن برابر کھاتا ہے یا ان میں سے ایک باقی رہتا ہے، اگر برابر کھاتا تو اس کو فراست و ہوشیاری کی دلیل سمجھتے اور ذکر و شغل باطن کا طریقہ سکھاتے اور اگر دیکھتے کہ ان میں سے ایک باقی رہتا ہے تو اس کے عدم ضبطِ احوال اور بے خبری کی دلیل سمجھتے اور دعوات و اوراد وغیرہ جو ظاہر سے متعلق ہیں تعلیم فرماتے۔

آپ کی وفات ۸۹۰ھ میں ہوئی۔ قبر شریف مانڈو کے اندر ہے۔ رحمت اللہ علیہ

شیخ حسام الدین مانکپوریؒ

حضرت شیخ نور قطب عالم کے مرید اور خلیفہ ہیں، اپنے وقت کے مشہور مشائخ میں سے ہیں، علم شریعت و طریقت کے عالم تھے، رفیق العارفین آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے کسی مرید نے مرتب کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا مرید، پیروں سے ایسی مشابہت رکھتے ہیں جیسے کپڑے میں پیوند، مگر صادق یعنی تحقیقی مُرید جو پیر کے کہنے پر چلتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی سفید کپڑے میں سفید پیوند کر کپڑا دھونے سے وہ بھی دھل جاتا ہے اور سفید ہو جاتا ہے، ایسے ہی جو فیض کہ پیر کو پہنچتا ہے اس کو بھی پہنچتا ہے اور برخورداری بھی حاصل کرتا ہے، اور جو شخص کہ پیر کے کہنے پر نہ چلے وہ رسمی مرید ہے، اُس کی مثال ایسی ہے جیسے سفید کپڑے میں سیاہ پیوند، اگرچہ اس کو بھی فیض پیر پہنچتا ہے مگر اس کو اس فیض سے چنداں نفع نہیں ہوتا اور برخورداری بھی کم ہوتی ہے۔ رسمی مریدوں کے حق میں یہ بات ہے کہ اگر وہ نیک ہیں تو اُن کی وجہ سے جانے جائیں گے، اور اگر بد ہیں تو اُن کے طفیل ان کو بخش دیں گے، یہ دولت کم نہیں ہے، بہر حال پیر ضرور ہونا چاہیئے۔

فرمایا کہ سالک ذکر کرنے سے عاشق ہوتا ہے اور فکر کرنے سے عارف،

فرمایا کہ فیض الٰہی ناگاہ پہنچتا ہے لیکن دلِ آگاہ پر پہنچتا ہے، پس سالک کو چاہیئے کہ منتظر رہے کہ پردۂ غیب سے کیا کشود ہوتی ہے۔

فرمایا کہ فراق کہاں ہے، یا وہ خود ہے یا اُس کا نور ہے یا اُس کے نور کا پرتو ہے۔

فرمایا کہ خلیفہ ہونے کے سات سال بعد تک میں نے فقر دیکھا اور فاقے کیے جب بھوک لگتی پانی پی لیتا اور مشغول ہو جاتا۔ ایک دن بچوں میں سے کوئی بھوکا تھا، وہ میرے پاس آیا اور رونے لگا۔ اُس وقت میری زبان سے نکلا ع اے عجبا چوں توئی ہمچو منی را نہ بس، پس ایک شخص نے ایک طباق کھانے کا بھیجا حالانکہ اُس نے کبھی ہمارے لیے کچھ نہ بھیجا تھا، اور ایک شخص نے چالیس سیر اُرد کی دال بھیجی، مجھ کو اتنی پشیمانی ہوئی کہ میری زبان سے اس مقدار کے لیے ایسا لفظ کیوں نکلا، اور خود کو بہت ملامت کی۔

فرمایا کہ مجھ کو بہت کتابوں کے متن یاد تھے، جب حضرت شیخ رح کی پائبوسی میں پہنچا تو وہ سب کچھ بھول گیا، مگر اب ایسا علم رکھتا ہوں جس سے خوب سمجھ میں آتا ہے، اگر کوئی چاہے تو تمام ھدایہ کو سلوک میں لکھ دوں۔

فرمایا کہ میں ابتدائے حال میں ہر روز قرآن شریف کے پندرہ سیپارے پڑھتا تھا، صبح کے اوراد کے بعد شروع کر کے نماز چاشت تک فارغ ہو جاتا تھا، تفسیر مدارک موجود ہوتی، اگر کہیں معنوں میں توقف ہوتا تفسیر میں دیکھ لیتا، بہت ذوق حاصل ہوتا تھا۔ ایک دن ہاتف نے آواز دی کہ خوب پڑھتے ہو، جیسا کہ پڑھنا چاہیئے ویسے ہی پڑھتے ہو۔

فرمایا کہ اگر کوئی مقام قطبیت میں پہنچے تو بھی قرآن شریف کی تلاوت ترک نہ کرے، کم از کم ایک سیپارہ ہر روز پڑھے۔

فرمایا درویش کے پاس چار چیزیں ہونی چاہئیں دو ثابت اور دو شکستہ، دین

اور یقین ثابت ہونا چاہیئے اور پیر اور دل شکستہ۔

فرمایا کہ طمع مرض ہے، سوال کرنا سکرات ہے اور انکار کرنا موت ہے۔

فرمایا کہ دنیا سایہ کے مانند ہے اور آخرت آفتاب کے مانند ہے، اگر کوئی سایہ کی طرف جائے تو اس کو ہرگز نہیں پکڑ سکتا، اور جب کوئی آفتاب کی طرف جائیگا تو سایہ خود بخود اُس کے ساتھ ہو جائے گا۔

فرمایا کہ اتنے شیریں نہ ہو کہ مکھیاں چاٹنے لگیں۔

فرمایا سب لوگوں سے آمیختہ ہو مگر کسی سے آویختہ نہ ہو۔

فرمایا کہ مرید کو ارادت کے بعد پرانے حریفوں کے ساتھ نشست و برخاست نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ اُس کو راستہ سے بہکا دیں گے اور اُس کے کام میں خلل آئے گا، اور دہلیز میں نہ بیٹھے کیونکہ شیطان صفت لوگ آکر اُس کو راستہ سے بہکا دینگے

مولانا جلال الدینؒ مانکپوری

شیخ حسام الدین مانکپوریؒ کے جدّ بزرگوار ہیں، مرد بزرگ و عالم و عابد و صابر و متقی تھے۔ کہتے ہیں کہ عشا کی نماز کے بعد جب تک لوگ بیدار ہوتے آپ سو جاتے اور جب لوگ سو جاتے آپ اٹھتے اور صبح تک نماز پڑھتے اور ہر روز اکتالیس بار سورۂ یٰسین پڑھا کرتے اور چاشت کی نماز کے بعد سے علم دین کی تعلیم کیا کرتے، اور کتابت سے گزر اوقات کرتے تھے، قرآن شریف لکھ کر دہلی بھیجتے اور پانسو تنکہ ہدیہ مل جاتا تھا، کبھی بے وضو قلم ہاتھ میں نہ لیتے تھے، جب ملک میں کبھی غارتگری ہوتی تھی تو آپ گوشت کھانا چھوڑ دیتے تھے کہ شاید گوشت انہی جانوروں کا ہو۔

آپ کی ارادت شیخ محمد خلیفۂ شیخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہٗ سے تھی، یہ شیخ محمد لباس ملوک اور صورتِ امراء میں مستور تھے اور بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ محمد مانکپور گئے ہوئے تھے، قاضیٔ شہر اپنے بیٹے کے ہمراہ ان کے دیکھنے کو حاضر ہوا اور دل میں نیت کی کہ اگر شیخ ہم کو مصری دیں تو ہم جانیں کہ صاحب کشف ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا مولانا جلال الدین مدعی امتحان کے لیے آتے ہیں کہ مصری کا ٹکڑا حاضر کیا جائے، جب انہوں نے پابوسی کی تو جس چیز کی نیت کی ہوئی تھی اُس کو اپنے سامنے موجود پایا، بہت شرمندہ ہوئے۔ قاضی نے التماس کی کہ میرے گھر میں مہمان ہوں۔ فرمایا کہ چالیس برس ہوئے ہیں ننے قاضیوں کے گھر کا کھانا چھوڑ دیا ہے جب دیکھا کہ قاضی شکستہ خاطر ہو رہا ہے تو فرمایا کیا تمہارا لڑکا دیوان قضا میں سے اجورہ پاتا ہے، عرض کیا نہیں۔ انہوں نے فرمایا تو میں اس لڑکے کی ملکیت میں سے کھانا کھاؤں گا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا خواجہ ؒ

شیخ حسام الدین مانکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ بزرگوار ہیں، دانش مند و متقی تھے بہت فقر میں زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک دفعہ تین روز کا فاقہ تھا۔ ایک شخص استفتار کے لیے حاضر ہوا اور کچھ زر بھی ساتھ لایا۔ آپ نے وہ زر اُس کو واپس کر دیا۔ اس پر گھر کے لوگ خفا ہوئے۔ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ ملک عین الدین مانکپور میں اُترے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک دعا پڑھی جس میں ایک لفظ مشکل تھا۔ دریافت کیا کہ یہاں کوئی عالم ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں مخدوم مولانا خواجہ دانشمند ہیں۔ حضرت کو طلب کر کے اُس لفظ کو حل کیا۔ ملک عین الدین نے اتنا ہی زر جتنا کہ وہ مستفتی لے کر آیا تھا اور کچھ کپڑے اور کھانا حاضر کیا۔ تب حضرت نے اہلِ خانہ سے فرمایا کہ جب ہم نے ہمت کی اور مالِ مشکوک واپس کر دیا تو خدا تعالیٰ نے ہم کو وجہ حلال سے عطا کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ کالو ؒ

حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری کے مرید اور خلیفہ ہیں، اسم گرامی شیخ کمال ہے اور شیخ کالو کے نام سے مشہور ہیں۔ بڑے بزرگ اور مرتاض تھے۔
آپ کا مزار کڑہ میں ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شیخن رح

حافظِ کنج نشین، مانکپور میں رہتے تھے۔ بہت خلقت آپ سے رجوع کرتی تھی، اگر کوئی آپ کے سامنے کھانا لاتا تو اس میں سے ایک لقمہ کھا کر پھر اسی کو واپس دے دیتے، اگر کاشت کار آپ کے پاس آتے تو پوچھتے کہ تمہارے بیل اچھے ہیں اور کھیتی اچھی ہے۔ شیخ حسام الدین مانک پوری فرماتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کیا پوچھتے ہیں، کہنے لگے ان لوگوں کو سلوک کی کیا خبر اور یہ علم کو کیا جانیں، ان باتوں کے دریافت کرنے سے ان کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اپنے گھر میں فخر کرتے ہیں کہ ہم سے مخدوم نے یہ کہا اور یہ پوچھا۔ رحمت اللہ علیہ

شیخ علی پیرو رح

ولایتِ گجرات میں تھے، آپ کا شمار موحد صوفی علماء میں ہے۔ علوم ظاہر و باطن کے عالم تھے، اعلیٰ تصنیفات اور عالمانہ تالیفات کے مالک ہیں، تفسیر رحمانی جو ایجاز و تدقیق کی صفت سے موصوف ہے اور جس میں تفسیر کو قرآن مجید سے انتزاع دیا ہے آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے، زوراق شرح عوارف بھی آپ کی تصنیف ہے اور فصوص الحکم کی ایک شرح لکھی ہے جس میں ظاہر و باطن کی مطابقت میں کوشش کی

کی ہے، اور ایک رسالہ جس کا نام ادلۃ التوحید ہے نہایت مختصر و منقح لکھا ہے۔
ان کے سوا اور تصنیفات بھی ہیں۔

آپ کی وفات ۸۳۵ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

رسالہ ادلۃ التوحید میں عقلی دلائل اور قطعی براہین کے تحریر کرنے اور شرک کے دور کرنے اور شبہات کے نکال دینے میں نہایت دقیق کلام کیا ہے، اور ابتدائے رسالہ میں بعض آیات و احادیث کہ جن میں اُس مطلب عالی کی طرف اشارہ ہے لکھی ہیں۔

شیخ محمد عیسیٰ رح

جونپور کے کبار مشائخ سے ہیں، راہِ خدا میں صادق اور عالی مقامات و بلند احوال کے مالک تھے، آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کی ولایت و عظمت و کرامت پر سب کا اتفاق ہے۔

شیخ فتح اللہ اودھی رح کے مرید ہیں، آپ کے والدِ بزرگوار شیخ احمد عیسیٰ رح اکابرِ دہلی سے تھے، امیر تیمور کے آنے سے جو دہلی میں فتور ہوا تھا اس زمانے میں اکثر بزرگ جونپور چلے گئے تھے اور آپ بھی انہیں میں تھے، شیخ محمد عیسیٰ اُس وقت سات آٹھ سال کے تھے اور صغر سنی ہی میں سعادت ازلی اور استعدادِ جبلی کے سبب شیخ فتح اللہ کے مرید ہو گئے، باوجود اس کے اپنے پیر کے اشارہ سے ایک مدت تک ملک العلماء قاضی شہاب الدین کی شاگردی کی، شرح اصول بزدوی جو امر کی بحث تک ہے قاضی نے آپ ہی کے لیے لکھی تھی، علمِ ظاہر کی تحصیل سے فارغ ہو کر شیخ کی خدمت میں تصفیۂ

باطن میں مشغول ہو گئے اور شغلِ باطن آپ پر ایسا مستولی ہوا کہ کہتے ہیں آپ کے حجرہ کے آگے ایک درخت تھا اور برسوں گزر گئے کہ شیخ کو اس کی خبر تک نہ تھی، ایک دن اس کے پتے آپ کے بیٹھنے کی جگہ پر گرے ہوئے تھے، دریافت کیا کہ یہ پتے کہاں سے آئے، اس وقت معلوم ہوا کہ یہاں ایک درخت بھی ہے۔ مراقبہ میں زیادہ رہنے کے سبب گردن کی ہڈی اوپر نکل آئی تھی اور ٹھوڑی سینہ سے لگ گئی تھی۔

روضہ مبارک جونپور میں ہے۔ رحمت اللہ علیہ

قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ

آپ کے اوصاف بہت مشہور ہیں اور شرح کرنے کی حاجت نہیں، اگرچہ اس زمانے میں بڑے بڑے دانش مند تھے جو آپ کے استاد اور شریک تھے مگر جو شہرت و قبولیت حق تعالیٰ نے آپ کو عطا کی وہ آپ کے زمانے میں کسی کے حصے میں نہ آئی۔

آپ کی تصنیفات میں سے ایک کتاب حواشی کافیہ ہے جو لطافت و متانت میں بے مثل واقع ہوئی ہے اور آپ کی زندگی ہی میں مشہورِ عالم ہو گئی تھی، نحو میں ایک کتاب ارشاد ہے جس میں تعبیر کے ضمن میں تمثیل کا التزام کر کے نئی ترتیب اختیار فرمائی ہے اور متن بھی لطیف و متین و بے نظیر ہے، فرقہ اور بدیع البیان علمِ بلاغت میں لکھی ہیں ان میں سجع کی پابندی کی گئی ہے، بحرِ مواج فارسی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے جس میں بیانِ ترکیب اور معنی فصل و وصل دیئے ہیں، اس میں بھی سجع

کے لیے تکلف کیا ہے اور قابلِ اختصار و تنقیح و تہذیب ہے۔ اصولِ بزدوی پر بھی بحث امر تک شرح لکھی ہے۔ ان کے علاوہ فارسی و عربی میں بہت سی کتابیں اور رسالے ہیں، ایک رسالہ تقسیم علوم میں ہے نیز مناقب میں ایک رسالہ فارسی میں لکھا ہے، شعر گوئی کا بھی سلیقہ رکھتے تھے۔ آپ کا یہ قطعہ جو کسی بادشاہ کو لونڈی کی طلب میں لکھا تھا مشہور ہے۔ قطعہ

این نفس خاکسار کر آتش سزائے اوست ۔۔۔ پُر باد گشت لائق بے آب کردن است

یک کس چناں فرست کہ پا بر سرم نہد ۔۔۔ ریزد ہمہ منی و تکبر کہ در من است

آپ کی وفات ۸۴۸ھ میں ہوئی۔ قبر شریف جونپور میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

قاضی شہاب الدین نے ایک رسالہ مناقب السادات لکھا ہے، اس میں اہل بیتِ نبوت سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ دادِ عقیدت و محبت دی ہے آخرت میں آپ کا سرمایۂ سعادت اور آپ کی نجات کا موجب ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ

قاضی نصیر الدین گنبدی رح

دانشمند اور درویش تھے، دنیا کی کوئی چیز نہ رکھتے تھے اور اربابِ دنیا سے التفات نہ کرتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں طالب علم زنجیر پکڑ کر اُٹھتے کہ کہیں ضعفِ فاقہ سے زمین پر نہ گر پڑیں۔

نقل ہے کہ قاضی شہاب الدین رح نے جب حواشی کافیہ لکھے تو آپ کی خدمت

میں بھیجے اور التماس کی کہ اگر آپ ان حواشی پر درس دیں تو ان کو اور مقبولیت حاصل ہوگی۔ آپ نے اشتغالِ باطنی میں غلبہ کے باعث یا بحث و نزاع کے سدِّ باب کے لیے اس کو ایک اجمالی نظر سے دیکھ کر فرمایا کہ خوب لکھے ہیں، ہمارے درس دینے کی ضرورت نہیں۔

آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

رحمۃُ اللّٰہ علیہ۔

شاہ میاں جیو ؒ

ایک واسطے سے حضرت سیّد محمد گیسو دراز ؒ کے مرید ہیں، درویشِ کامل تھے اپنے زمانے میں منڈو کے سب سے بڑے بزرگ تھے اور اس ولایت کے شیخ تھے۔ عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی اور آپ کے پیر کی عمر ڈیڑھ سو برس کی تھی۔

کہتے ہیں کہ آپ ابتدائے ماہ رجب سے روزِ عاشورا تک اعتکاف میں بیٹھتے اور حجرے کے دروازے کو پتھر سے بند کر دیتے تھے، اس طرح چھ مہینے تک طعام کے بغیر تھوڑے پانی پر گزارہ کرتے۔ جس دن حجرے سے باہر آنا چاہتے لوگوں کو آواز دیتے کہ وہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ کی نظرِ جلال کی تاب نہ لا سکیں گے اگر اتفاقاً کوئی شخص حاضر ہوتا اور اس پر نظر پڑ جاتی تو وہ ایک دو روز تک بے ہوش

پڑا رہتا تھا۔

قاضیٔ شہر آپ کا منکر تھا اور بارہا آپ پر احتساب کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے حجرہ سے نکلنے کے وقت قاضی بھی وہاں موجود تھا اور آپ کی نظر اس پر پڑی، قاضی بیخود ہو کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہی قاضی احتساب کی غرض سے شیخ کے مکان پر چوڈول پر سوار ہو کر آیا۔ جب دروازہ پر پہنچا تو شیخ کو خبر ہو گئی اور آپ نے چھت کی کھڑکی میں سے قاضی کی طرف دیکھا۔ کہاروں کے پَیر زمین میں دھنس گئے اور قاضی کے ہاتھ سے درّہ گر پڑا۔ قاضی شریعت میں راسخ القدم تھا، درّہ ہاتھ میں لے کر کوٹھے پر چڑھنے لگا۔ شیخ نیچے اترے اور قاضی کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے گئے۔ قاضی کی نظر ایک شراب کے شیشے پر پڑی، پوچھا یہ کیا ہے۔ شیخ نے پیالہ بھرا خالص مصری کا شربت تھا، قاضی کو دیا، لیکن اس کے باوجود اُس نے نہ پیا اور باہر چلا آیا۔

رحمت اللہ علیہما

شیخ کبیرؒ

شیخ فرید بن عبد العزیز بن شیخ حمید الدین صوفی ناگوریؒ کی اولاد سے ہیں۔ صاحبِ مقام بزرگ تھے، علمِ ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ کتاب دہن جو ضوءِ مصباح کی شرح ہے، آپ کی تصنیفات سے ہے۔

ناگور میں اس علاقے کے کفّار کے سبب سے جو تفرقہ پیدا ہوا اس کے باعث گجرات تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ رحمت اللہ علیہ

خواجہ حسین ناگوریؒ

آپ بھی حضرت شیخ حمید الدین صوفیؒ کی اولاد سے ہیں۔ بڑے بزرگ تھے صاحب مقاماتِ علیہ و کراماتِ جلیہ۔ شریعت و طریقت و حقیقت کے جامع تھے۔ اِس دیار کے لوگ آپ کی ولایت و عظمت پر متفق ہیں۔ ذوقے بکمال عشقے بر تمام اور علمے وافر رکھتے تھے۔ غایت زہد و تقویٰ سے موصوف تھے۔

آپ شیخ وحید کی اولاد سے ہیں اور شیخ کبیرؒ کے مرید تھے، گجرات میں مدت تک اپنے پیر کی خدمت کرتے رہے اور کسبی و وہبی علوم کی تحصیل کر کے اصل وطن کی طرف رجوع فرمایا اور برسوں خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مزار شریف کی مجاورت اور عبادتِ مولیٰ میں مشغول رہے۔ جس زمانے میں کہ اجمیر ویران تھا اور اس کے گرد اگرد شیروں کا جنگل تھا اُس وقت حضرت خواجہؒ کے مزار شریف پر کوئی عمارت نہ تھی، سب سے پہلے آپ ہی نے وہاں عمارت کی بنیاد رکھی اور حضرت خواجہ ہی کے اشارہ روحانی سے ناگور میں جا کر علوم دین کی تعلیم اور طریق ارباب یقین کی تلقین میں مشغول ہوتے۔

آپ نے ایک تفسیر لکھی ہے جس کا نام نور النبی ہے۔ قرآن شریف کے ہر پارہ کی جداگانہ جلد لکھی ہے۔ حل تراکیب اور بیان معانیِ قرآن جو کچھ اور تفسیروں میں ہے سب اس میں نہایت تفصیل و تسہیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ قسم ثالث مفتاح

پر بھی شرح لکھی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر رسائل و مکتوبات بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے۔ سید کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے نہایت سرشار تھے اور جو کچھ آپ کا گھر، چاہ اور باغ وغیرہ تھا سب کو آنحضرت صلعم کے نام پر وقف کر رکھا تھا۔

نقل ہے کہ آپ کے پاس ایک چھکڑا تھا جیسے کرناٹک میں چھکڑے ہوتے ہیں۔ اس پر سوار ہو کر خود اس کو ہانکتے تھے اور اس میں جن بیلوں کو جوتتے تھے ان کو بھی خود ہی چراتے تھے اور ان کی حفاظت کرتے تھے، اور نہایت پرانا اور موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ فقیر نے آپ کے جامہائے مبارک کی زیارت کی ہے۔ شیخ عبدالقادر آپ کی اولاد میں ایک شخص تھے جو مشرب فقر سے بہت مناسبت رکھتے تھے، وہ دہلی میں آئے تھے اور ان کے پاس اس بزرگوار کے بہت سے تبرکات تھے۔ انہی میں تینوں جامے دستار، پیراہن اور ازار ایک ہی قسم کے کپڑے کے دیکھے گئے جس کا ایک گز ایک پیسے کو بھی نہیں بکتا۔

منقول ہے کہ آپ کو سلطان غیاث الدین خلجی نے جو ولایت منڈو کا بادشاہ تھا بہت بلایا مگر آپ نے کبھی اس کی دعوت قبول نہ کی۔ ایک دفعہ سلطان کے پاس کہیں سے حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک آیا۔ لوگوں نے کہا اگر یہ خبر خواجہ حسین کو ہو جائے تو وہ فوراً آ جائیں گے اور ہرگز توقف نہ کریں گے چنانچہ سلطان غیاث الدین نے یہ خبر شیخ حسین کو پہنچائی، آپ نے اسی وقت بلا توقف منڈو کا قصد کیا اور سماع کرتے اور درود پڑھتے ہوئے چل پڑے۔ جب اس ولایت کے قریب پہنچے بادشاہ استقبال کو آیا، دیکھا کہ ایک شخص غبار آلود پرانے کپڑے

پہنے ہوئے چھکڑے پر بیٹھا ہے، اس نے خیال کیا کہ شیخ کوئی اور ہوں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ یہی ہیں۔ بادشاہ نے آپ سے ملنا چاہا۔ حضرت شیخ کو موئے مبارک کی زیارت کا اتنا شوق تھا کہ اس کی طرف مخاطب ہونا تو درکنار، اپنی خبر نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ جونہی شیخ کی نظر موئے مبارک پر پڑی ——— وہ اُڑ کر آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔
سلطان غیاث الدین آپ کو اپنے باپ کی قبر پر لے گیا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی اور جو کچھ صاحبِ قبر کا حال کشف ہوا وہ بھی بیان فرمایا۔ سلطان نے گراں قدر تحائف آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے کچھ قبول نہ فرمایا۔ کہتے ہیں کہ شیخ کے فرزند کو کچھ اندرونی رغبت پیدا ہوئی۔ شیخ کو معلوم ہو گیا اور فرمایا یہ سانپ ہیں سانپ کو بھی کسی نے پالا ہے۔ جب آپ نے فرزند کی طبیعت میں زر کی خواہش بہت دیکھی تو فرمایا اگر اس میں سے کچھ لے کر حضرت خواجۂ بزرگ اور اپنے دادا کے روضہ کو بناؤ تو لے لو کیونکہ اس باب میں میں نے اپنے پیر شیخ کبیر سے سنا ہے کہ تمہارے ہاتھ زر لگے گا جس کو تم اپنے مشائخ کے روضوں پر صرف کرو گے۔ کہتے ہیں کہ اُن کو تمام عمر میں سوائے اس زر کے کہ جو منڈو میں ہاتھ آیا تھا اور کوئی زر نہیں ملا۔ خواجہؒ کی قبر شریف پر جو عمارت ہے وہ انہیں نے بنائی اور حضرت خواجہ کے روضہ کا دروازہ ان کے بعد منڈو کے کسی اور بادشاہ نے بنوایا، اور شیخ حمید الدین کے دروازۂ روضہ کی عمارت جو ناگور میں ہے وہ بھی انھوں نے بنائی اور مقبرۂ ناگور کی چاردیواری سلطان محمد تغلق کی بنائی ہوئی ہے۔

شیخ احمد مجد شیبانیؒ

بزرگ تھے جامع علوم شریعت وطریقت وورع وتقویٰ وذوق وحالت، امر معروف اور نہی منکر میں جانباز تھے۔ اہل دنیا کی آپ کے سامنے کچھ قدر نہ تھی۔ آپ کی مجلس حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کی مجلس سے مشابہ تھی۔ خواجہ حسین ناگوری قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ آپ اٹھارہ سال کی عمر میں کل علوم میں درس دیتے تھے۔ آپ کی ولادت نارنول میں اور پرورش اجمیر میں ہوئی۔ مرقد مبارک ناگور میں ہے۔ آپ کے والد ماجد قاضی مجدالدین بن قاضی تاج الافاضل بن شمس الدین شیبانی، امام محمد شیبانیؒ صاحب امام اعظم ابی حنیفہؒ کی اولاد سے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہما

قاضی مجدالدینؒ کے سات فرزند تھے سب عالم متقی اور متدین۔ ان میں سب سے بڑے شیخ احمد تھے جو علم وعمل میں سب پر فائق تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں علماء سے بحث کیا کرتے اور عربی وفارسی میں تقریر کرتے تھے۔ بادشاہوں اور امیروں کی مجالس میں آ کر بحث کرتے تھے۔ عنفوان شباب ہی میں خواجہ حسین ناگوریؒ کے مرید ہو گئے اور بحث وجدل اور بادشاہوں کے پاس جانے سے توبہ کی اور اپنے پیر سے علم طریقت پڑھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں نارنول سے اجمیر آئے اور اس بقعہ شریف میں ستر سال تک زہد وپرہیزگاری اور ہر قسم کے نیک کاموں میں

زندگی بسر کی۔ امر معروف و نہی منکر میں آپ کے سامنے امیر و فقیر اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے کسی وقت مداہنت سے کام نہ لیتے تھے۔

نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے میں ایک دفعہ اپنے اقربا کے ہمراہ مدد معاش کے لیے منڈو میں گیا، میں اس زمانے میں خرد سال تھا، شیخ محمود دھلوی شیخ الاسلام تھے اور علماء کی صدارت ان سے متعلق تھی، انہوں نے نماز میں امام سے پہلے نیت باندھ لی اجب نماز سے فارغ ہوئے تو دانشمندوں میں سے جو پہلی صف میں اُن کے برابر کھڑے تھے کسی نے اُن سے کچھ نہ کہا۔ جب میں نے دیکھا کہ سب کے سب مداہنت کرتے ہیں تو میں نے آگے جا کر شیخ الاسلام سے کہا کہ تمہاری نماز درست نہیں ہے، تم نے امام سے پہلے نیت باندھی تھی۔

نیز کہتے ہیں کہ منڈو کے سلاطین کی رسم تھی کہ لوگ ان کے سامنے پشت خم کر کے اور انگشتِ شہادت زمین پر رکھ کر سلام کرتے تھے۔ آپ نے اور قاضی ادریس دھلوی نے کہ دانشمند تھے اس طرح سلام نہ کیا کیونکہ یہ بدعت ہے، اور سلام علیکم کہہ کر بادشاہ کے برابر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے اُن کے ساتھ انصاف کیا اور قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی بنایا اور چار گاؤں دیئے اور فتوے کا کام جو پہلے شیخ احمد کے بزرگوں کے سپرد تھا اُن کو دیا۔

آپ کو خاندانِ نبوت علیہ التحیہ سے اپنے پیر کے طریقہ پر بغایت محبت تھی کہتے ہیں کہ آپ عشرہ عاشورا سے بارھویں ربیع الاول تک نئے اور دھلے ہوئے کپڑے نہ پہنتے تھے اور ان ایام کی راتوں میں سوائے خاک کے اور کسی چیز پر نہ سوتے تھے اور سادات کے مقبروں میں اعتکاف کرتے تھے۔

آپ سرود کو بہت دوست رکھتے تھے ہر چند اس کے طالب نہ تھے اور
نہ رقص و وجد کرتے تھے اور محلس بھی نہ کرتے تھے، اور اکثر اوقات معمولی اور
کم دُھلا ہُوا کپڑا جو بہت سفید نہ ہوتا تھا پہنتے تھے، اور اکثر اوقات سر پر فقط ٹوپی
رکھتے تھے اور غلبۂ حرارت کے باعث نماز کے علاوہ دستار بہت کم باندھتے تھے لیکن کہتے ہیں کہ
ایک بہت بڑی دستار اور ایک نفیس پیراہن تیار رکھتے تھے اور جمعہ و عیدین کو
پہنتے تھے، اور اگر کوئی دُنیادار آتا تب بھی پہن لیتے اور مجلس میں جَبروں کی طرح
بیٹھتے تھے، اور ما قال اللہ و ما قال الرسول نہایت ہیبت و عظمت کے ساتھ بیان
کرتے یہاں تک کہ بادشاہوں کا زہرہ بھی پانی ہو جاتا تھا، اور اپنے مریدوں سے
فرماتے تھے کہ اہلِ دین کو اہلِ دُنیا کے سامنے ذلیل نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ
ظاہر بین ہیں، اور آپ فقیروں اور بعض دیوانوں کی جو اُس ملک میں تھے بہت عزت
کرتے تھے اور جس راستے میں سوار ہو کر جاتے اگر کوئی مجذوب مل جاتا تو گھوڑے
سے نیچے اتر آتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے، اور جو کچھ وہ مجذوب کہتا
وہی کرتے، اور اگر کوئی آپ کے سامنے کسی غائب کی غیبت کرتا یا کوئی لا یعنی
بات کہتا تو فرماتے بابو خاموش رہ، اور اگر کوئی آپ کا نام تعظیم سے لیتا جیسے
مریدوں کی عادت ہے تو چشم پُر آب کرتے اور فرماتے احمد موذی زیاں کار۔

نقل ہے کہ جب اجمیر میں خلل واقع ہوا اور قلعہ کو رانا سانگا نے جو ایک گبرِ عظیم
تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے لے لیا اور اکثر مسلمانوں کو شہید کیا، شیخ احمد مجد نے اس
حادثہ سے سات روز پہلے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہٗ
کے اشارہ سے شہر سے باہر آ کر مسلمانوں کو خبردار کر دیا تھا کہ اس شہر پر کچھ نظرِ جلال

ہے اور حضرت خواجہؒ کا فرمان ہے کہ مسلمان شہر سے چلے جائیں۔ چنانچہ آپ روز دوشنبہ ۹۲۲ھ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اجمیر سے باہر آ گئے اور دوسرے دوشنبہ کو کفار نے اجمیر پر حملہ کیا اور اس شہر کو زیر و زبر کر دیا۔

حضرت شیخ احمد جب اجمیر میں آئے تو اٹھارہ برس کے تھے اور جب گئے تو نوّے برس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ تین چار سال نارنول میں رہے۔ ایک دن آلہ دین مجذوب آئے اور کہا احمد تجھ کو آسمان پر بلاتے ہیں، اپنے پیر کے پاس جا۔ آپ نے خود بھی خواب میں کچھ ایسا ہی دیکھا تھا۔ اسی وقت ناگور کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے دنوں میں اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت فرما گئے۔

کہتے ہیں کہ حالتِ سکرات میں جب ذرا افاقہ ہوتا تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہتے اور پھر بے خود ہو جاتے۔ اسی حالت میں اللہ اکبر کہتے ہوئے پچیسویں صفر ۹۲۷ھ کو جان بحق تسلیم کی۔ مخدوم بزرگ حضرت سلطان التارکین کے روضۂ مبارک میں اپنے پیر کے پائیں جگہ پائی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

آپ کی تاریخِ رحلت ملا محمد نارنولی نے جو ایک مردِ صالح و مقبول و معتقدِ مشائخ اور اپنے دیار کے مؤرخ تھے اور بچپن میں شیخ احمد کے شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے تھے اس طرح کہی ہے۔ قطعہ

نظر بستہ بود احمد مجذ شیبان	ز دورِ خدا ہمچو زاہد ز شاہد
کہ تاریخ آں پیر خود نارنولی	بر آورد از جملہ شیخ زاہد

۹۲۷

شیخ حمزہ دھرسوی رح

شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا کی اولاد سے ہیں، آپ کا سلسلہ حضرت میر سید محمد گیسو درازؒ سے ملتا ہے۔ پیر بزرگ، صاحب برکت و نعمت و کرامت ، معمور الاوقات اور دائم العبادات تھے، عمر بہت بڑی تھی، سلطان بہلول کے زمانے سے اسلام شاہ کے عہد تک زندہ رہے۔

ابتدائے حال میں کسی بادشاہ کی خدمت میں مصروف تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات محل سرائے شاہی کی پاسبانی کر رہے تھے، اچانک دل میں خیال آیا کہ کسی ایسے شخص کی خدمت کرنی چاہیئے جو میری حفاظت کرے نہ ایسے کی جس کی میں حفاظت کروں۔ اسی خیال سے نکلے اور حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قدس سرہ کی زیارت کے لیے اجمیر شریف گئے، وہاں ایک ویرانہ تھا باین نام، اس سے نعمت پائی اور شیخ احمد مجد کی صحبت میں بھی رہے۔ پھر وہاں سے اپنے وطن میں آئے اور قصبہ دھرسو میں جو نارنول سے تین کوس پر ہے، سکونت اختیار کی۔

آپ کے والدین نرہڑ میں رہتے تھے، آپ کے دھرسو میں رہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں بعض سادات بستے تھے جن کی عادات وضع اشراف سے خارج تھیں۔ آپ نے ان سب کو تربیت و تعلیم فرمائی اور دو معلم ایک فارسی خواں دوسرے عربی داں وہاں رکھے، طالب علموں اور فقراء کی بہت مدد کرتے تھے، ابوابِ فتوح

آپ پر بہت کھلے ہوتے تھے اور ہرگز منقطع نہ ہوتے تھے، سب کو فقراء پر خرچ کر دیتے اور کچھ باقی نہ رکھتے اور اپنی اولاد و ازواج کے حصے میں جو آتا اس سے زیادہ نہ دیتے، اور جب سے گوشۂ عزلت میں بیٹھے پھر کسی دُنیادار کے گھر نہ گئے اور نہ کسی خادم کو بھیجا۔

نقل ہے کہ آپ جمعہ کی نماز کے لیے دھر سو سے نارنول آیا کرتے تو راستے میں سے لکڑیاں چن کر گٹھا باندھ لیتے اور جہاں کوئی فقیر بیٹھا ہوا مل جاتا اسے دے دیتے،

نقل ہے آپ فرماتے تھے دُنیا آگ کے مثل ہے، یہ اتنی ہی کافی ہے کہ جس سے کوئی چیز پکا کر کھالیں اور سردی میں گرم ہو جائیں، جب زیادہ ہو جاتی ہے تو جلا کر ہلاک کر دیتی ہے۔

حضرت شیخ حمزہ کی وفات ۲۵ ربیع الثانی، ۹۵۰ھ کو ہوئی مغرب کی نماز میں دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت میں تھے کہ جاں بحق تسلیم کی۔

رحمت اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ احمد عبدالحق رح

شیخ جلال پانی پتی رح کے مرید ہیں۔ صاحب تصرف درویش اور مظہر خوارق عادات وکرامات وصاحب شوق وذوق وسکر وحالت وفقر وتجرید تھے۔ جذب قوی، نظر موثر اور تصرفِ غالب رکھتے تھے۔ ولادت باسعادت ردولی میں ہوئی اور مزار شریف بھی وہیں ہے۔

نقل ہے کہ یہ سات برس کے تھے جب آپ کی والدہ تہجد کے لیے اُٹھتی تھیں تو یہ بھی اٹھتے اس طرح کہ والدہ کو خبر نہ ہوتی اور گھر کے ایک کونے میں نماز میں مشغول ہو جاتے، جب والدہ کو خبر ہوتی تو وہ بسبب مہرِ مادری منع کرتیں۔ آپ پر چونکہ محبتِ حق غالب تھی خیال کیا کہ یہاں راہزن ہے جو مجھ کو خدا کی عبادت سے باز رکھتی ہے لہذا طلبِ حق میں گھر سے باہر قدم رکھا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ سفر میں نکلے تو بارہ برس کے تھے۔ آپ کے ایک بھائی شیخ تقی الدین نام دہلی میں رہتے تھے اور بڑے عالم تھے، اُن کی خدمت میں آئے اور تعلیم کا قصد کیا۔ شیخ تقی الدین نے آپ کو کچھ علم ظاہری پڑھانا شروع کیا۔ آپ نہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے معرفتِ حق کا علم پڑھایئے، مجھ کو اس علم سے جو آپ پڑھاتے ہیں کچھ کام نہیں۔ آپ کے بھائی آپ کو دہلی کے علماء کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ بچہ مجھے تنگ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے علم سکھاؤ مگر جو کچھ میں پڑھاتا

ہوں اسے نہیں پڑھتا، آپ لوگ اسے نصیحت کریں شاید کچھ اثر ہو۔ انہوں نے بھی صرف کی کتاب نکالی۔ آپ نے کہا مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، مجھے خدا کا علم سکھاؤ، کیونکہ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ سب لوگ آپ کے حال پر حیران تھے، بعدازاں آپ بھائی کی صحبت کو چھوڑ کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

نقل ہے کہ آپ کے بھائی شیخ تقی الدین نے چاہا کہ آپ کی شادی کر دیں مگر جب آپ کو خبر ہوئی تو اُن لوگوں کے پاس جن کے ہاں نسبت ہوئی تھی گئے اور کہا میں عنین ہوں مجھ کو لڑکی نہ دیں۔

نقل ہے کہ جب آپ طلب حق میں پھرتے تھے تو شیخ نور قطب العالم کی خدمت میں گئے، آپ کے پاس کچھ نہ تھا، ہری گھاس توڑ کر شیخ نور کے سامنے لے گئے اور کہا "بابا صفا است"۔ شیخ نور نے فرمایا "بابا عزت است" تھوڑی دیر تک ان سے ملاقات رہی اور ایک دوسرے سے کلام واقع ہوئے بغیر واپس چلے آئے۔ وہاں سے شہر بہار میں آئے۔ اس جگہ دو دیوانے تھے، ایک کو شیخ علاؤالدین کہتے تھے، وہ سر برہنہ رہتے تھے اور دوسرے نیم لنگوٹی باندھتے تھے جس کے آگے ایک کپڑا لٹکائے رکھتے اور پیچھے سے برہنہ رہتے تھے، اُن سے آپ نے اپنے مقصود کی بشارت پائی اور جو افسردگی کہ مقصود کے نہ پانے سے ہوئی تھی دُور ہو گئی اور تازہ دم ہو گئے اور وردِ طلب بڑھ گیا، وہاں سے شہر اودھ میں آئے اور شیخ فتح اللہ اودھی سے ملاقات کی۔ شیخ فتح اللہ کا طریق زاہدانہ اور اُن کا مشرب عاشقانہ تھا، صحبت راست نہ آئی اور اپنے سے کہا احمد زندوں سے تو مقصود کی خبر نہ ملی اب مُردوں کی صحبت میں چلو شاید کچھ مقصود آئے۔ چند سال اس

شہر کے مقابر و بیابان میں "یا ھادی یا ھادی" کہتے ہوئے پھرا کیئے، پھر کہا اے احباب مرجا اور زندہ در گور ہو جا، پھر اپنے ہاتھ سے قبر کھود کر چھ مہینے تک اس میں مشغول رہے۔
نقل ہے کہ آپ نے فرمایا، منصور بچہ تھا، ضبط کی طاقت نہ رکھتا تھا اور اسرار کو فاش کر دیا۔ بعض ایسے مردِ خدا ہیں کہ سمندر پی جاتے ہیں اور وہ کا نٹک نہیں لیتے فرماتے تھے کہ نظامی ناقص شاعر تھے جو یہ شعر کہا: بیت

صحبتِ نیکاں زجہاں دور گشت خوانِ عسل خانۂ زنبور گشت

کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کی صحبت جیسی کہ صحابۂ کرام کو حاصل تھی ویسی ہی اربابِ حال اور محبانِ ذوالجلال کو اب بھی حاصل ہے۔
نقل ہے کہ آپ جامع مسجد میں اول وقت جاتے اور اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے۔ چالیس پچاس برس تک جامع مسجد میں گئے مگر یہ نہ جانتے تھے کہ جامع مسجد کس طرف ہے، جب چلتے تھے تو مرید لفظ "حق" کا ذکر بلند آواز سے کرتے تھے وہ آواز آپ کے کان میں پڑتی تھی تو اس سمت جاتے تھے، اور اکثر اوقات مست رہتے تھے اور آنکھیں بند رکھتے تھے، آپ کا اور آپ کے مریدوں کا اکثر ذکر "حق" ہوتا تھا۔ ان کے سلسلہ میں معمول ہے کہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام علیک کے بجائے یہی "حق حق حق" کہتے ہیں اور چھینکنے والے کا جواب بھی اسی کلمہ سے دیتے ہیں اور مکاتیب کے آغاز میں بھی یہی تین کلمے لکھتے ہیں بلکہ ہر دینی اور دنیاوی کام کے آغاز و انجام میں چنانچہ نماز و تکبیر و فاتحہ وغیرہ اور خرید و فروخت اور تمام امور میں یہی کلمے تین بار بلند آواز سے کہتے ہیں۔ یہ علامت آپ کے مریدوں کی ہے و شاید یہاں کسی کو ترکِ سنتِ سلام اور جوابِ عاطس میں خلجان واقع ہو۔

اب یہ رسم جو خلافِ سنت تھی اٹھ گئی ہے لیکن مکاتیب کے افتتاح میں باقی ہے
ولاباس فیہ۔
آپ کی وفات ۱۵ جمادی الثانی ۸۴۳ھ کو سلطان ابراہیم شرقی کے زمانے میں واقع
ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔
نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے حق کی ذاتِ پاک بے نام و بے نشان ہے
لیکن اگر اس ذات پاک کے اسماء میں سے کوئی اسم اس ذاتِ پاک پر اطلاق کریں تو
وہ حق کے اسم سے بہتر اور بزرگ تر نہ ہوگا لیکن اسمِ حق کے معنی جملہ کمالات کے سزاوا
اور ثابت بذات ہیں پس ذات پاک پر اسم حق کا اطلاق بربنائے کمال ہے شیخ
عبد القدوس رح نے رسالہ انوار العیون میں اس نقل کی توجیہ میں بعض باتیں آپ کی اصطلاح
کے موافق لکھی ہیں۔ ایسا کہتے ہیں کہ آپ کے بعض مریدوں نے اسی کلمہ کے ساتھ
جان دی ہے اور آپ کی خانقاہ میں غیب سے یہی آواز سنائی دیتی تھی۔

رحمۃ اللہ علیہ

وعلی خاصۃ عبادہ الصالحین ط

شیخ صلاح درویشؒ

قصبہ ردولی میں بالائے حوض خوابیدہ ہیں۔

حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ جب میں مسافرت کے بعد ردولی میں آیا تو ہر چند کہ وہ فقیر کا اصلی وطن تھا مگر میں نے وہاں رہنے کی اجازت شیخ صلاحؒ سے طلب کی کیونکہ وہاں کے صاحبِ ولایت وہی تھے، چنانچہ میں اُن کے روضہ پر گیا، فاتحہ پڑھی اور حضرت سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، اور عرض کیا کہ اگر میرے پاس ایک مصلاّ اور ایک ٹھلیا ہو تو میں یہاں سکونت کروں شیخ صلاح کی قبر سے آواز آئی اے عبدالحق حوض میں آؤ اور مصلاّ اور ٹھلیا لے لو۔ میں حوض میں آیا اور ہاتھ ڈالا، پہلے میرا ہاتھ ٹھلیا پر پڑا، اس کو پکڑ لیا، پھر جو ہاتھ ڈالا تو ایک پرانی چارپائی کا بان ہاتھ میں آیا، میں نے اس کو لے لیا کہ میرا مصلاّ یہی ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ جمال گوجری رح

شیخ صلاح درویش رح کے مرید تھے، اودھ میں شیخ احمد عبدالحق رح کے ساتھ مصاحبت رکھتے تھے، شیخ احمد رح کہتے تھے کہ میں نے بھکر سے پنڈوہ تک مسافرت کی، کسی مسلمان سے ملاقات نہ ہوئی مگر اودھ میں ایک بچے کو دیکھا اور شیخ جمال گوجر کی طرف اشارہ کیا۔

نقل ہے کہ جس زمانے میں شیخ احمد رح اودھ میں تھے ایک کتیا ساتھ تھی، اس نے بچے دیے تو شیخ رح نے بچوں کی ولادت پر میزبانی کی اور شہر کے تمام رؤسا، اکابر و امرا کو دعوت میں بلایا۔ دوسرے دن شیخ جمال گوجر نے شکایت کی کہ آپ نے تمام شہر کو بلایا اور ہم کو نہ بلایا۔ انھوں نے فرمایا "جمال الدین! کتے کی میزبانی تھی ہم نے کتوں کو بلایا کہ اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَّطَالِبُهَا کِلَابٌ (دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں) تم تو آدمیوں میں شمار ہو، تمہیں کیوں بلاتا۔"

رحمۃ اللہ علیہما

شیخ بختیارؒ

شیخ احمد عبدالحقؒ کے مرید اور اُن سے مخصوص تھے، اُن کے محرمِ اسرار اور واقفِ احوال تھے، سفر و حضر میں انہی کے ساتھ رہتے۔ اور اُن کے مریدوں میں بہت کم ایسے تھے جو عنایت و قربِ شیخ میں آپ کے شریک تھے۔

آپ ایک سوداگر کے غلام تھے جو جواہرات کی تجارت کرتا تھا، ایک دفعہ آپ کا مالک ردولی میں کسی سودے کے لیے آیا ہوا تھا، بختیار کی نظر شیخ احمدؒ پر پڑی اور ان کے معتقد ہو گئے۔

ہر صبح و شام شیخ کی خدمت میں آکر کھڑے رہتے، چھ ماہ اسی طرح گزر گئے اور شیخ نے آپ کی طرف التفات نہ کیا اور نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو اور کیا کام ہے۔ چھ ماہ کے بعد آپ کے حال پر نظرِ عنایت ڈالی، یہ اُس نظر کے پڑنے سے مست و بیخود ہو گئے اور اُس بے خودی میں گستاخ ہو کر کہنے لگے اے احمد الہی نعمت تمہارے پاس ہے اور پھر بندگانِ خدا کو محروم رکھتے ہو۔ شیخ منع کرتے تھے لیکن آپ اسی کلام میں مست تھے۔ پھر آپ کو تھوڑا پانی پلایا اور مستی سے ہوش میں لائے اور فرمایا بختیار اپنے مالک کے پاس جاؤ اور اُس سے رضا طلب کرو اور اُس کے کام میں رہو۔ بختیار نے سر زمین پر رکھا اور جونپور میں جہاں آپ کا مالک رہتا تھا گئے۔ مالک نے جب آپ کا ایسا حال دیکھا تو آپ کو آزاد کر دیا۔ بختیار

پر آتش عشق و محبت ایسی غالب تھی کہ ایک دم قرار نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین پانی پتیؒ نے عالم اسرار میں شیخ احمد سے شیخ بختیار کی سفارش کی اور کہا احمد تجھ کو جیسا کہ تو ہے عالم میں کسی نے نہیں پہچانا مگر بیچارے بختیار نے کہ خانماں سے دل اٹھا کر جونپور سے رودولی میں آئے اور شیخ کی خدمت میں مشغول ہوئے اور صدق و معاملہ و خلوص محبت کے تمام لوازم بجا لائے۔

کہتے ہیں کہ آپ بالکل اَن پڑھ تھے مگر شیخ کی برکتِ صحبت سے علم معرفت کے عالم تھے، جو کچھ کہتے کتاب اللہ اور سنتِ رسول ؐ سے باہر نہ کہتے تھے

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ عارفؒ

حضرت شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند رشید اور ان کے صاحب سجادہ ہیں۔ چالیس سال کے قریب عمر پائی۔ ہر طائفہ کے ساتھ ایک بھید رکھتے تھے اور سب لوگ آپ سے راضی تھے۔

نقل ہے کہ شیخ احمدؒ کے جو لڑکا ہوتا تھا وہ زندہ نہ رہتا تھا۔ ایک دن آپ کی بیوی نے شکایت کی کہ آپ سے ایک لڑکا بھی ہم کو نصیب نہ ہوا، جو لڑکا کہ پیدا ہوتا ہے حق کہتا ہوا آتا ہے اور عنقریب رحمت حق سے پیوست ہو جاتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک لڑکا ہے وہ تجھ کو دوں گا مگر ابھی پختہ نہیں ہوا ہے، اُس کو روم کے سفر میں پختہ کروں گا پھر تمہارے سپرد کرونگا اس شرط سے کہ اُس کو کچھ نہ کہنا اور اُس کی رضا میں رہنا۔ تھوڑی مدت کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام شیخ عارف رکھا۔

شیخ عارف کا ایک فرزند ہے شیخ محمد نام، اور شیخ عبدالقدوس الہٰی شیخ محمد کے مرید ہیں۔

رحمت اللہ علیہم اجمعین

شاہ داؤدؒ

سرہر پور میں رہتے تھے، چند واسطوں سے شاہ خضرؒ تک جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے پہنچتے ہیں۔ درویش کامل تھے۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ عبداللہ شطاریؒ اس ولایت میں تشریف لائے لوگ اُن کا شرفِ ملازمت حاصل کرنے کے لیے متوجہ ہوئے۔ شاہ داؤد بھی شیخؒ کی ملاقات کو اُن کے گھر پہنچے۔ شیخ عبداللہ شطاریؒ کا معمول تھا کہ ان کے دروازے پر دربان رہتا تھا۔ دربان نے آپ کو اندر جانے سے منع کیا۔ آپ چونکہ زور و قوت رکھتے تھے دربان کو گرا کر اُس کے سینے پر پیر رکھ کے بے خبر شیخ کے سامنے آ گئے اور جس فرش پر شیخؒ بیٹھے ہوئے تھے بیٹھ گئے۔ شیخؒ نے آپ کی عزت و تکریم کی۔ اثنائے مجلس میں شیخ عبداللہ شطاریؒ کے خادموں میں سے ایک نے کہا کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا ہے۔ آپ نے کہا کوئی با ادب خدا تک نہیں پہنچا ہے۔ حاضرین نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اگر میں ادب کرتا اور دربان کو نہ مارتا تو ملازمت شیخ سے کیونکر مشرف ہوتا اور خدا تک پہنچتا۔ شیخؒ بہت خوش ہوئے اور آپ کی اس بات کو پسند کیا اور بہت عنایت فرمائی۔

رحمۃ اللہ علیہ

شاہ نورؒ

شاہ داؤدؒ کے مرید ہیں۔ بڑے بزرگ اور صاحبِ کشف و تصرفِ ظاہر و باطن تھے۔ شروع میں دھوبی کا کام کرتے تھے کہ ناگہاں شاہ داؤدؒ آپ کے پاس پہنچے اور آپ کی قوتِ استعداد کو دیکھ کر کہا۔ بابا کب تک لکڑی کو لکڑی پر مارتے رہو گے؟ اب دوسرا کام کرو، آپ نے شیخؒ کے اشارے سے اس کام کو چھوڑ دیا اور ریاضت شروع کی اور کمال کو پہنچے۔

آپ کے ایک خلیفہ شیخ پیرک نام انبالہ میں رہتے تھے، اگرچہ وہ یوسف قتالؒ کے مرید تھے مگر تربیت و ارشاد شاہ نورؒ سے پایا تھا اور انہیں کی طرف سے مرید کرتے تھے، کبیر السن اور بڑے صاحب حال تھے اور تصرفِ کامل رکھتے تھے کہتے ہیں کہ وہ شیخ یوسف قتال کے انتقال کے بعد دہلی میں آئے اور ان کے روضہ میں مشغول ہو گئے۔

نقل ہے کہ شیخ پیرک سماع بہت سنتے تھے مگر رقص و تواجد بہت کم ہوتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک دو روز تک بے ہوش پڑے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہاں ایک عالم رہتے تھے جو سماع و حالتِ مشائخ کے منکر تھے۔ ایک دن بقصدِ امتحان شیخ پیرک کے سامنے آئے، شیخ کی اُن پر دور سے نظر پڑی اور فرمایا "درگرفت درگرفت"۔ یہ کہتے ہی شہر میں آگ لگ گئی اور اس عالم کو اس قدر حالت ہوئی کہ رقص میں آکر بے ہوش گر پڑے یہاں تک کہ چند نمازیں فوت ہو گئیں۔ بعد میں ان کے معتقد

ہو کر ذکر و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اور اس قدر مراقبہ میں رہتے تھے کہ گردن کی ہڈی نکل آئی تھی۔

شیخ حسین سہرندی : جو ان حکایتوں کو نقل کرتے ہیں کہتے تھے کہ میرے خویشوں میں سے ایک شخص تھے جو خطرۂ فاسد میں مبتلا تھے، ہر وقت نشست و برخاست میں استغفار کیا کرتے تھے مگر ان کے باطن سے کسی طرح یہ خطرہ دُور نہ ہوتا تھا، اگر کوئی ان سے پوچھتا تو اس کے اظہار کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یہ شیخ عبدالقادر نوربخش کے مرید تھے جو ولایتِ شیراز سے آئے ہوئے تھے، انہوں نے بھی پوچھا لیکن ان سے بھی نہ کہہ سکے۔ آخر یہ شیخ پیرک کے سامنے آئے انہوں نے دیکھتے ہی کہا بابا اس خطرہ کو اپنے سے دُور کر۔ شیخ کے کہتے ہی وہ خطرہ اُن سے دور ہو گیا۔

یہ شیخ پیرک سلطان بہلول کے زمانے سے اکبر شاہ کے ابتدائے سلطنت تک زندہ رہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سعد الدین خیرآبادیؒ

شیخ میناؒ کے مرید ہیں، بزرگ تھے حدودِ شریعت اور آدابِ طریقت کے محافظ، ہمتِ عالی رکھتے تھے اور ترک و تجرید سے موصوف تھے، یہ بھی اپنے پیر کے طریقہ پر حصور تھے، وجد و سماع کے شائق اور علومِ شریعت و طریقت کے عالم تھے علمِ نحو و فقہ و اصول میں آپ کی تصنیفات ہیں، مثلاً شرح مصباح، کافیہ، حسامی اور بزدوی وغیرہ، رسالہ مکیہ پر خزانۂ جلالی (جو مخدوم جہانیاں کے ملفوظات ہیں) کے طرز پہ شرح لکھی ہے جس کا نام مجمع السلوک ہے۔ اس میں حضرت شیخ میناؒ کے بہت ملفوظات و حالات درج کیے ہیں اور جس وقت اُن سے نقل کرتے ہیں اس طرح لکھتے ہیں: قال شیخی شیخ مینا ادام اللّٰہ فینا (فرمایا میرے شیخ، شیخ مینا نے ہمیشہ رکھے ان کو اللہ ہم میں) اور جس جگہ کہتے ہیں قال شیخی شیخ (فرمایا میرے شیخ کے شیخ نے) ان سے مراد شیخ قوام الدین لکھنوی ہیں۔

علمِ ظاہر میں آپ مولانا اعظم کے شاگرد ہیں — جو اُس وقت کے فقہا و علما میں سے تھے اور آپ کے پیر شیخ مینا نے بھی مولانا سے کتاب عوارف المعارف پڑھی تھی۔ آپ اکثر اپنے پیر سے عرض کیا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم کو معلوم ہے کہ اِس کتاب کے الفاظ کی تصحیح کے لیے طبع بندہ کافی ہے اور معانی کا سمجھنا خود اُن کے احوال شریف کا خاصہ ہے۔ اب ملاؤں سے پڑھنا کس لیے ہے۔ انھوں نے

فرمایا۔ بابا یہ دیانت نہیں ہے کہ علم کے باوجود ترکِ تعلّم کریں اور اپنے علم پر اکتفا کریں۔

آپ کے مرید بہت ہیں، چنانچہ شیخ صفی بزرگ تھے صاحب ذوق وحالت، اور اپنے پیر کے قدم پر حضور و مجرد تھے۔ شیخ مبارک سندیلہ کہ احکام شریعت اور آداب طریقت کے ساتھ موصوف تھے شیخ خیرآبادی کے مرید تھے اور شیخ سالار سے بھی تربیت پائی تھی۔ سید صفی ایک شخص انبالہ کے رہنے والے تھے درویشوں کے اوصاف سے موصوف اور ان کے احوال سے متحقق اور لباس انحصار میں مستور، شیخ مبارک سندیلہ کے مرید تھے۔ شیخ سعد خیرآبادی کے ایک مرید شیخ اللہ دیا خیرآبادی ہیں جو نہایت مُسن و معمّر تھے، جس زمانے میں کہ والیِ عہد کے حکم سے اس دیار میں تشریف لائے تھے تو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ مخصوص ہوئے اور ان سے عظمت و کرامت کے آثار ظاہر ہوئے اور اسی سال میں کہ ۹۹۳ھ ہے اس جہان سے تشریف لے گئے۔

رحمۃ اللہ علیہم

شاہ سیدو رح

ابتدا میں بادشاہوں کی خدمت میں رہتے تھے اور بہت دولت مند تھے، بعد ازاں جذبۂ عنایت کے زیر اثر سب متاعِ دُنیاوی اپنے اختیار سے ترک کر کے شیخ حسام الدین مانکپوریؒ کی خدمت میں آ گئے، مجاہدہ اختیار کیا اور خرقہ پہن کر درویش ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ پہلے ایک عورت پر عاشق تھے۔ جامۂ فقر پہننے کے بعد اسی لباس میں اس عورت کے پاس گئے۔ اُس نے کہا سیدو! آلہیہ ہو گئے یعنی گدا و فقیر کیونکہ فقیر کو اس دیار کے عرف میں آلہیہ کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس دن سے آپ کا لقب سیدو آلہیہ ہو گیا، وہ عورت بھی علاقۂ محبت سے آپ کی خدمت میں آ کر فقیر ہو گئی۔

آپ کے اشعار بھی ہیں، ان میں سے ایک بیت یہ ہے ؎

دل گویدم سیدو بگو احوالِ خود یک یک بُرو
آندم کہ خود می آید او سیدو کجا گفتار کو

نقل ہے کہ ایک دفعہ شیخ حسام الدین رح، راجی حامد شاہ رح اور شاہ سیدو رح تینوں کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ صرف ایک روئی کی قبا موجود تھی، شیخ حسام الدین رح نے اس کے تین حصے کر کے ابرہ ایک کو دیا۔ استر ایک کو اور روئی خود اوڑھ لی۔ ایک رسّی وہاں پڑی ہوئی تھی، اس سے اپنی کمر باندھ لی، سر ویسے ہی ننگا تھا اور تینوں بزرگوار جامع مسجد کی طرف متوجہ ہوئے۔ راستے میں ایک شخص نے درخت کے پتوں میں لپٹا ہوا حلوا پیش کیا۔ آپ نے حلوے کو تقسیم کر کے پتوں کی ٹوپی بنا کر سر پہ رکھ لی۔

شاہ سیدو رح کی قبر فتحپور ہنسوہ میں ہے جو کڑہ مانکپور کے نزدیک ہے۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

راجی حامد شاہ رح

حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری رح کے مرید ہیں۔ بزرگ تھے اور نسبت درست، حالِ صحیح اور صفائی باطن کے مالک تھے۔

نقل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں دو بھائی سادات گردیز سے دہلی میں آئے تھے، اُن میں سے ایک سید شمس الدین تھے جنہوں نے میوات میں سکونت اختیار کی اور ان کی بقیہ اولاد بھی وہیں ہے۔ دوسرے سید شہاب الدین تھے جو اُن کے اجداد سے ہیں۔ آپ کے بزرگ معزز و مکرم رہے ہیں، اور وہاں کے لوگوں کی زبان میں ان کے نام پر راجی کا لفظ غالب ہے۔

اوائل حال میں آپ بھی سپاہیوں کے لباس میں رہتے تھے آخر شیخ حسام الدینؒ کی صحبت میں پہنچے اور ریاضاتِ شاقّہ سے آپ کو صفائیِ باطن اور حضورِ وقت نصیب ہوا۔ علمِ ظاہر پر آپ نے بقدرِ ضرورت کفایت کی تھی لیکن بڑے بڑے علماء آپ کے حلقۂ ارادت کے اسیر تھے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ چاہتے کہ معارف و کشفِ ضمائر سے کچھ ظاہر کریں تو اپنی سرگزشتِ احوال کی کوئی حکایت بیان کرتے اور اس کے ضمن میں طالب کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا۔

مزار شریف مانکپور میں ہے۔ قدس اللہ سرہٗ

راجی سید نورؒ

حضرت راجی حامد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ رشید ہیں۔ آپ بھی اپنے والدِ ماجد کی طرح بزرگ اور صاحبِ کرامت تھے۔ سپاہ گری کے لباس کو اپنے حال اور مشغولیٔ باطن کا پردہ بنائے رکھتے تھے۔

آپ کا مزار پُر انوار بھی مانک پور میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ حسن طاہرؒ

راجی حامد شاہؒ کے مرید ہیں اور راجی سید نورؒ سے بھی نعمتِ خلافت پائی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ طاہر، ملتان سے طلب علم میں اس دیار میں آئے اور ایک مدت تک شہر بہار میں رہ کر شیخ بڈہ حقانی سے تحصیلِ علم کی۔ وہیں بہار میں شیخ حسن خلوت خانۂ عدم سے مہمان سرائے وجود میں تشریف لائے اور عنفوانِ شباب ہی سے تحصیلِ علم کے دوران میں دردِ طلب آپ کے دامن گیرِ حال ہوا اور درویشوں کی صحبت اختیار کی۔

نقل ہے کہ آپ نے انہی دنوں میں کسی شیخ سے کتاب فصوص الحکم شروع کی۔ آپ کے والد فصوص کے طریق کے منکر و بیگانہ تھے۔ ایک دن انھوں نے آپ سے توحیدِ وجود کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا کہ علمائے ظاہر کے خاطر نشان ہو سکے اور عقدۂ مولوی کے حل ہونے کا موجب ہو، اور وہ آپ کو جو اس کتاب کے پڑھنے سے منع کرتے تھے باز آ گئے۔

انہی ایام میں حضرت راجی حامد شاہؒ کا آوازۂ مشیخت و بزرگی خاص و عام میں بلند ہوا۔ شیخ حسن بطریقِ امتحان حضرت سید راجیؒ کو دیکھنے کے لیے گئے اور پہلی ملاقات ہی میں جاذبۂ ازلی کی قوت سے ان کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہو گئے ؎

کو زہرہ آنکہ گرد این جاذبۂ شوق   رخسارِ ترا بینم و بے تاب نگردم

علماء میں سب سے پہلے آپ ہی سید کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ آپ جونپور کے مشائخ سے تھے، سلطان سکندر کے زمانے میں اس کی استدعا پر جونپور سے اس دیار میں تشریف لائے۔

نقل ہے کہ سلطان سکندر کا ایک بھائی جس کے سر میں سلطنت کی ہوا سمائی تھی آپ کا مرید تھا۔ ایک دن اسی خیال میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت شیخ فاتحہ پڑھیں تاکہ مجھ کو دہلی کی سلطنت نصیب ہو۔ شیخ نے اس کو اس سودا سے منع کیا اور فرمایا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایک کی ترقی چاہی ہے تو اس میں معارضہ نہ کر، اور اُس کا مطیع ہو۔ جب یہ خبر سلطان سکندر کو پہنچی تو آپ کی کرامت و دیانت کا معتقد ہو گیا اور آپ کو اُس جانب تشریف لانے کی التماس کی۔ یہ چونکہ پہلے ہی سے مشائخ دہلی کی زیارت کا اشتیاق رکھتے تھے سلطان سکندر کے طلب کرنے سے اور بھی تاکید ہو گئی۔ اوّل آگرہ میں آ کر ایک مدت تک وہاں رہے، پھر دہلی پہنچے اور بجے منڈل میں جو سلطان محمد تغلق کا برج حصار ہے اہل و عیال سمیت مقیم ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کی اور آپ کی اکثر اولاد کی قبریں وہیں ہیں۔ تاریخ وفات چوبیس ربیع الاوّل ۹۰۹ھ ہے۔

آپ نے طریق سلوک اور علم توحید میں رسائل تالیف کیے ہیں، ان میں سے ایک رسالہ مفتاح الفیض ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

سوال: سلوک کیا ہے اور سالک کون ہے، اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب و تخلیۂ سر و تجلیۂ روح کیا ہے اور منزل کیا ہے، اور مقصد کیا ہے؟ اور جذبہ کیا ہے، اور وصول کون ہے، اور شریعت و طریقت و حقیقت کیا ہے اور مقام کیا ہے؟

جواب: لغت میں سلوک کے معنی "چلنا" ہیں اور حسی طور پر چلنا ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کرنا ہے اور یہاں سلوک سے مراد معنوی طور پر چلنا اور انتقال معنوی ہے، اور مرتبۂ نفس میں اسی سلوک و انتقال کا نام تزکیہ ہے۔ تزکیۂ نفس یہ ہے کہ نفس کو حیوانی اوصافِ ذمیمہ سے دُور کرکے ملکی اوصافِ حمیدہ کے ساتھ اور آوارگی سے دور کرکے توانگی و ملتفتگی کے ساتھ موصوف کرے، اور سلوکِ دل کو تصفیہ کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آئینۂ دل کو دُنیاوی ہموم و غموم کے زنگار، دُنیا و اربابِ دنیا کی رغبت، حرص و حبِ دُنیا اور بے فائدہ اندیشے سے مصفا کرے۔ تخلیۂ سِر یہ ہے کہ سِر کو اندیشہ ماسوائے اللہ اور غوغائے غیرِ حق سے اگرچہ بہشت ہی ہو خالی رکھے اور سِر کی پاسبانی کرے یعنی غیرِ حق کے اندیشہ کو اس میں راہ نہ دے اور اگر کچھ یکایک گزرے تو اس کو نفی خواطر سے دُور کر دے۔ تجلیۂ روح یہ ہے کہ روح کو نورِ مشاھدۂ حق اور ذوق و شوق و محبت و اسرار و انوارِ مشاھدہ سے متجلی و متحلی کرے۔ پس حقیقتِ سلوک عبارت ہے اخلاقِ حیوانی کے تبدیل کر دینے اور اوصافِ بشری سے نکل جانے اور اخلاقِ الٰہی کے ساتھ متخلق ہونے سے۔

حضرت قطبِ عالم نے اپنے رسالہ ملہمات میں شریعت و طریقت و حقیقت کا بیان فرمایا ہے۔ الشریعت الاتباع والطریقت الانقطاع والحقیقت الاطلاع، الشریعت الانقیاد والطریقت الانقیاد والحقیقت الاتحاد۔ شریعت کمر اطاعت باندھنا ہے اور طریقت اپنے سے الگ ہو جانا اور حقیقت دوست سے مل جانا ہے، شریعت فرمانبرداری ہے، طریقت غیر سے بیزاری ہے اور حقیقت دوست سے برخورداری ہے۔ شریعت غنا ہے، طریقت

اور حقیقت بقا ہے۔ سالک ابتدائے حال میں حس ہے اور توسط میں عقلِ معاد ہے اور انتہا میں نور اللہ ہے۔

سیر الی اللہ میں نہ کوئی منزل ہے نہ کوئی راستہ، کیونکہ راستہ اور منزل دو چیزوں کے درمیان ہوتے ہیں، جب دوئی نہیں رہتی تو نہ راستہ ہے اور نہ منزل۔ حضرت حسین منصورؒ سے لوگوں نے پوچھا۔ کیف الطریق (راستہ کیونکر ہے) فرمایا الطریق بین اثنین (راستہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے) مگر سیر فی اللہ میں بے شمار منزلیں ہیں کیونکہ اس کی نہ غایت ہے اور نہ انحصار۔ اور مقصد وحدتِ حقیقی میں پہنچنا اور شرک و پندارِ خودی و دوئی سے باہر آنا ہے، اور جذبہ عبارت ہے رحمتِ خاص سے کہ اتینا ہ رحمتا من عندنا سے یہی مراد ہے اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اللھم انی اسئلک رحمت من عندک تھدی بھا قلبی (الی آخرہ) اسی پر مبنی ہے اور فیضِ حق بھی اسی کا نام ہے۔ حق کے جذبوں میں سے ایک جذبہ جن و انس کے اعمال کے برابر ہے مصرعہ ایک ذرہ عنایتِ تو اے بندہ نواز، ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا ؎

تو مستحقِ نظر شو کمال و قابلِ فیض — کہ منقطع نشود فیض ہرگز از فیاض

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن (میں پاتا ہوں نفس رحمن کو یمن کی طرف سے) ؎

مرو بابدکہ بوئے وا اندرد — ورنہ عالم پُر از نسیم صباست

بیت درین دیار از آن سرخوشم کہ گہ گاہے — نسیم بوئے تو آم زین دیار می آید

یہ اشارہ ہے تجلیِ دائم و فیضِ حق و جذبۂ حق کی طرف۔

اور وصول بحق عبارت ہے انقطاع سے اور پندارِ خودی و دوئی سے بری ہونے سے اور جہل کے اٹھنے اور وجودِ مطلق کے علم سے۔

مولانا آلہ دادؒ

جونپور کے بزرگ علماء میں سے ہیں۔ کافیہ، ھدایہ، بزدوی اور مدارک کے شارح ہیں۔ طالب علمی ہی سے تحریر و تنقیح میں پوری قدرت رکھتے تھے۔

ایک واسطہ سے آپ قاضی شہاب الدین کے شاگرد ہیں اور حضرت راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔

نقل ہے کہ شیخ حسن طاہر اور مولانا آلہ داد تحصیلِ علم کا راستہ طے کرنے میں ایک دوسرے کے رفیق تھے اور ان دونوں میں بہت محبت تھی۔ جب شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ کے سلسلہ ارادت میں آئے تو مولانا آلہ داد نے کہا میاں حسن تم نے طالب علمی کی عزت کو برباد کر دیا۔ انہوں نے کہا تم بھی ذرا ایک دفعہ چل کے دیکھو اور امتحان کر لو پھر ہمیں کہنا۔ دوسرے دن دونوں دوستوں نے ملازمت کا قصد کیا۔ مولانا آلہ داد نے چند مسئلے ہدایہ اور بزدوی کے جو اشکال میں مشہور تھے تصور کر کے تیار کر لیے۔ جب سید کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنے احوال کی سرگزشت کی حکایت شروع کی جس کے ضمن میں مولانا آلہ داد کے اشکالات رفع ہو گئے۔ مولانا بھی مرید ہو گئے اور مجاہدہ و ریاضت کا راستہ طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔

رحمت اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ معروفؒ

جونپوری، مولانا اللہ داد شارح کے مُرید ہیں۔ بزرگ تھے صاحب مجاہدات و ریاضات و ذوق وحالات۔ آپ کے مریدوں میں سے شیخ احمد زین، جونپور میں رہتے تھے جو عالم و عامل و متوکل و متورع و متبرک تھے۔

رحمت اللہ علیہما

شیخ بہاؤالدین جونپوریؒ

جونپور کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ محمد عیسیٰؒ کے مرید ہیں۔ ترک و تجرید و صدق و ورع میں قدم راسخ رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص صاحب نعمت شیخ حسین نام دولتہ گجرات سے شیخ محمد عیسیٰ کی خدمت کے شوق میں جونپور آئے ہوئے تھے، شیخ بہاؤالدین ان دنوں میں ایک صالح و قابل طالب علم تھے اُن کی صحبت میں رہنے لگے، شیخ حسین علم کیمیا جانتے تھے جب انھوں نے شیخ بہاؤالدین کو دیکھا کہ یہ ایک فقیر و مستحق جوان ہے تو ایک دن ان کو آپ پر ترس آیا اور کہا تمہیں ہمارے ہمراہ جنگل میں چلنا ہوگا، یہ جنگل میں گئے اور دیکھا

کو عمل میں لائے، اور آپ کو نے کر کہا کہ اس سے اپنا ضروری خرچ چلاؤ، اگر پھر ضرورت ہو تو ہم سے کہو، تمہارے لیے اور بنا دیں گے۔ شیخ بہاؤ الدینؒ نے عرض کیا کہ بندہ آپ سے کسی اور کیمیا کی امید رکھتا ہے، یہ کیمیا میرے کام کی نہیں۔ شیخ اس بات پر خوش ہوئے اور آپ کی تربیتِ باطن میں زیادہ کوشش کی یہاں تک کہ شیخ محمد عیسیٰ کے ساتھ ان کی ملاقات کا وقت آخر کو پہنچا اور وہ شیخ سے نعمتِ خلافت اور خرقہ تبرک پا کر دولقہ کی جانب رخصت ہوئے۔ شیخ بہاؤ الدین نے شیخ کا دامن پکڑا اور ارادت و اجازت کی التماس کی۔ انھوں نے کہا کہ تمہارا پیر اس شہر میں موجود ہے اور ہم سے تجھے اتنی ہی صحبت نصیب ہونی تھی۔ ایک مدت کے بعد شیخ بہاؤ الدین کا دل شیخ محمد عیسیٰ کی ملازمت کی طرف مائل ہوا، اور بسبب علاقہ سابقہ از لی ان کے معتقدوں میں داخل ہوئے اور مرید ہو کر نعمتیں پائیں۔ ابھی نعمتِ خلافت سے مشرف نہ ہوئے تھے کہ شیخ کی رحلت کا وقت قریب پہنچا۔ فرمایا بہاؤ الدین، تمہارا خرقۂ خلافت ایک سید کے پاس ہے جو مانک پور سے تشریف لائیں گے۔ وقتِ موعود پر راجی سید حامد جونپور میں پہنچے، شیخ بہاؤ الدین نے بھی ان کا استقبال کیا، انھوں نے پہلی ملاقات ہی میں آپ کو خرقہ پہنا دیا اور خلیفہ کیا۔

رحمت اللہ علیہم اجمعین

شیخ بہاؤ الدّین رح

بن ابراہیم بن عطاء اللہ انصاری قادری شطاری حسینی، صاحب حالات اور جامع برکات و کرامات تھے۔ اصلی وطن سرکار ہند میں قصبہ جنید ہے۔ منڈو کے کسی بادشاہ کی استدعا پر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ قادری بزرگ تھے اور شطاری مشرب رکھتے تھے۔ آپ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اس مشرب کے مختلف اذکار، اشغال، طریقے اور آداب بیان کیے ہیں۔

سلسلۂ علیہ قادریہ سے اپنی نسبت کو اس طرح بیان کرتے ہیں "تلقین کی شیخ السموات والارض شیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی نے اپنے بیٹے شیخ عبدالرزاق کو اور تلقین کی شیخ عبدالرزاق نے شیوخاً بعد شیوخ میرے شیخ و مرشد سید احمد الجیلی القادری الشافعی تک اور میرے شیخ نے تلقین کیے مجھ کو تمام اذکار اور پہنایا مجھ کو خرقہ قادریہ حرم شریف میں کعبہ کے پاس اور اجازت دی مجھ کو اجازت مطلقہ کہ اجازت دوں میں اس کو جو مجھ سے اجازت مانگے اور تلقین کروں اور پہناؤں خرقہ اس کو جو مجھ سے تلقین چاہے۔"

نقل ہے کہ آپ کو پاک خوشبوئیں سونگھنے سے ایسا ذوق و حال ہوتا تھا کہ روح نکلنے کے قریب پہنچ جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص حالتِ نقاہت میں آپ کے پاس غالیہ لے کر آیا۔ اس کے سونگھتے ہی اس قدر ذوق ہوا کہ وصال پا

گئے۔ یہ واقعہ ۱۲۱۹ھ میں ہوا۔

رسالہ شطاریہ میں لکھتے ہیں کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلق (خدا تک پہنچنے کے طریقے خلقت کے انفاس کے برابر ہیں) لیکن ان میں سے تین طریقے مشہور و معروف ہیں۔ پہلا طریق اخیار کا ہے اور وہ صوم و صلوٰۃ و تلاوتِ قرآن و حج و جہاد ہے۔ اس رستے کے چلنے والے بہت مدت میں تھوڑا مقصود حاصل کرتے ہیں۔ دوسرا طریق اصحاب مجاہدات و ریاضات کا ہے اور یہ اخلاق ذمیمہ کا بدل دینا، نفس کا تزکیہ کرنا، دل کا تصفیہ اور روح کا تجلیہ ہے، اس راستے سے پہنچنے والے اُس راستے سے پہنچنے والوں سے زیادہ ہیں، تیسرا طریق شطاریہ کا ہے، اس راستے سے پہنچنے والے ابتداء میں زیادہ ہیں اور راستوں کے چلنے والوں سے انتہا میں، اور یہ ان دونوں طریقوں سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا زیادہ قریب راستہ ہے۔

طریقِ شطاریہ کے اصول میں دس چیزیں ہیں۔ اوّل توبہ، اور وہ سوائے خدا کے کل مطلوب سے خروج ہے۔ دوم زہد ہے دُنیا اور اُس کی محبت سے اور اس کے اسباب سے اور اس کی شہوتوں سے تھوڑی ہوں یا بہت، سوم توکل، اور وہ اسباب سے خروج ہے۔ چہارم قناعت، اور وہ نفسانی شہوتوں سے نکلنا ہے، پنجم عُزلت، اور وہ خلقت کی مخالطت سے گوشہ نشینی اور انقطاع کے ساتھ نکلنا ہے جیسے موت کے ساتھ ہوتا ہے، ششم حق کی طرف توجہ اور وہ خروج ہے ہر بُلانے والے سے جو بُلائے غیرِحق کی طرف جیسے موت کے ساتھ ہوتا ہے کہ نہ باقی رہتا ہے کوئی مطلوب اور نہ محبوب اور نہ مرغوب اور نہ مقصود سوائے خدا کے۔ ہفتم صبر اور وہ

نکلنا ہے نفس کے حظوظ سے مجاہدہ کے ساتھ۔ ہشتم رضا، اور وہ نکلنا ہے نفس کی رضا سے خدا کی رضا میں داخل ہونے کے ساتھ، احکام ازلیہ کی تسلیم اور تدبیر الٰہی کی طرف تفویض کے ساتھ بغیر اعراض کے، جیسے موت کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہم ذکر، اور وہ نکلنا ہے ماسوی اللہ کے ذکر سے، دہم مراقبہ، اور وہ نکلنا ہے اس کے وجود اور قوت سے، جیسے موت کے ساتھ ہوتا ہے۔

شیخ بڈھن شطاریؒ

شیخ عبد اللہ شطاری کی اولاد سے ہیں، سلطان سکندر کے زمانے میں آپ کی مشیخت و ارشاد و تربیت کا شہرہ بہت بلند تھا اور طریقۂ شطاریہ کے مطابق طالبوں کو تلقین فرماتے تھے۔

محررِ سطور کے بڑے چچا شیخ رزق اللہ نے آپ کی خدمت میں جا کر تلقینِ ذکر پائی ہے۔

رحمۃ اللہ علیہما

مخدوم مولانا عماد الدین غوریؒ

شہر نارنول کے مشائخ سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد دیارِ عرب سے ملکِ عجم میں آئے تھے اور سلطان شہاب الدین کے ہمراہ غور سے ہندوستان میں آئے۔

نقل ہے کہ آپ نے عنفوانِ شباب میں تحصیلِ علم کی کوشش نہیں کی تھی، زورِ بازو بہت رکھتے تھے اور ہنگاموں میں پہلوانوں سے کشتی کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مشہور پہلوان کو جو آپ سے زیادہ قوی تھا پچھاڑ کر مست و مغرور گھر کو جا رہے تھے۔ اُس وقت کے علماء میں سے ایک نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر تاسف کیا اور آپ کو اس بات کا طعنہ دیا۔ اس سے آپ کی حمیت و غیرت جوش میں آئی اور اس وضع سے پشیمان ہوئے اور چاہا کہ علم حاصل کریں مگر چونکہ بچپن میں کچھ نہیں پڑھا تھا لہٰذا اس بارے میں کوشش سے فائدہ نہ ہوا۔ آخر نارنول میں شیخ محمد ترک کے روضہ کی ملازمت اختیار کی اور رات دن وہیں پڑے رہتے اور دوامِ طہارت کے ساتھ ذکر و نوافل و تلاوت میں مصروف رہتے تھے، طہارت کرنے کے سوا باہر نہ نکلتے اور حصولِ علم کے لیے روحانیتِ شیخ سے مدد مانگتے تھے۔ بارہ سال اسی طرح گزر گئے۔ آخر ایک رات طہارت کے لیے باہر نکلے کہ ایک شخص نے پیچھے سے آ پکڑا اور

کہا مانگو کیا مانگتے ہو۔ یہ اپنے باپ دادا کے طریقہ کے طالب تھے اس لیئے علم و تقویٰ کی درخواست کی۔ اُس نے کہا جاؤ اپنے بزرگوں کا کتب خانہ سنبھالو اور لوگوں کو درس دو۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ پر علوم دینیہ کے دروازے کھول دیئے۔

شیخ احمد مجد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے مولانا عماد کو بچپن میں دیکھا تھا۔ بزرگِ کامل تھے۔ کمال اتباع رکھتے تھے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت اُن سے ترک نہ ہوتی تھی۔ فقر اور فقراء کو بہت دوست رکھتے تھے۔"

یہ مولانا عماد اُن مولانا عماد کی اولاد سے ہیں جو محمد تغلق کے زمانۂ سلطنت میں تھے۔ کہتے ہیں کہ محمد تغلق نے اپنی سلطنت کے غرور میں کہا تھا کہ خدا کا فیض منقطع نہیں ہوتا پھر فیضِ نبوت کیونکر منقطع ہو سکتا ہے، اگر اب کوئی پیغامبری کا دعویٰ کرے اور معجزہ دکھائے تو اس کی تصدیق کرو گے یا نہیں۔ مولانا عماد نے اُسی وقت کہا۔ گُہ مخورچہ می گوئی دجھک نہ مارو، کیا کہتے ہو، محمد تغلق نے حکم دیا کہ ان کو ذبح کر کے زبان کھینچ لی جائے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ علم الدین حاجیؒ

ایک مرد بزرگوار تھے تارکِ دُنیا اور علائق سے مجرّد، کسب سے گزر اوقات کرتے تھے، جب مکہ شریف گئے تو ایک کلہاڑی، درانتی اور رمبا ساتھ لے گئے۔ راستے میں لکڑیاں اور گھاس بیچ کر گزارہ کرتے اور گدائی نہ کرتے اور نہ کسی سے نذر فتوح قبول کرتے اپنے آپ کو بزرگوں کے مانند نہ رکھتے بلکہ عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ سیّد تھے مگر لوگوں پر ظاہر نہ کرتے تھے۔

عالم خاں میواتی آپ کا مرید تھا اس نے خواہش کی کہ آپ کے لیے گھر اور خانقاہ بنوائے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور کہا شیخ محمد ترک صاحب ولایت ہیں، جو عمارت میرے لیے بنانا چاہتے ہو شیخ کے روضہ پر بناؤ، پہلے شیخ محمد ترک کے مقبرہ کی چار دیواری پست تھی عالم خان نے اُن کے مزار پر گنبد بنوایا جو اب تک موجود ہے۔

ملّا محمد نارنولی، شیخ حمزہ دھرسوی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ میرے دادا اور شیخ صدرالدین کہرولی اور شیخ علم الدین حاجی تینوں کعبہ شریف کی زیارت کو گئے جب دریا پر پہنچے ملاحوں نے تحقیق کی کہ اگر کوئی شخص اپنے خویش و اقارب کو چھوڑ آیا ہو تو وہ چلا جائے اور صلۂ رحم بجا لائے شیخ علم الدین نے اپنی کلہاڑی، درانتی اور رمبا جو کمر سے باندھے ہوئے تھے ہلا کر کہا کہ میرے خویش و اقارب یہی ہیں۔ ملّاح مسکرائے اور آپ کو کشتی پر بٹھا لیا، وہ دونوں بزرگ وطن کو واپس چلے گئے۔

آپ کا مقبرہ شہر نارنول کے باہر ہے اُس راستہ کے نزدیک جو دھرسو کی طرف جاتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم شیخ محمد الحسینی الجیلانیؒ

الاُچی، حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر الحسینی الجیلانی رضؓ کی اولاد سے ہیں، آپ کی نسبت چھ واسطوں سے حضرت غوث الثقلینؒ تک اس طرح پہنچتی ہے۔ سید محمد بن سید شاہ امیر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید السادات ومنبع البرکات شیخ سیف الدین عبد الوہاب بن شیخ السموات والارضین محی الدین ابی محمد عبد القادر الجیلی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، صاحبِ عظمت و کرامت و اُبہت و جلالت تھے۔ سطوتِ ظاہر و عظمتِ باہر رکھتے تھے اور جامع علوم معقول و منقول، ظاہری و باطنی نعمتوں کے مالک اور فضائل حسبی و نسبی پر حاوی تھے۔ ولایتِ روم سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان تشریف لاکر اُچہ میں سکونت اختیار کی۔ ایک مرتبہ اکثر معمورۂ عالم کی سیر قدمِ تجرید پر بغیر متعلقین کے کی، دوسری مرتبہ بہت خیل و حشم اور بے شمار ملازمین و متعلقین کے ہمراہ اس ملک میں رونق افروز ہوکر قیام اختیار فرمایا۔ بادشاہِ وقت آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا، اور آپ کے پیوستگان سے نہایت بندگی و اخلاص کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اس زمانے میں ملتان میں افاضل و علماء و اکابر کا قحط تھا مخدوم عزّتِ ذاتی اور علوِ فطری کے باعث سب پر سبقت لے گئے اور مسندِ امتیاز و انفراد پر جلوہ افروز ہوئے۔

عالمِ شعر کا بھی شوق رکھتے تھے۔ آپ نے اکثر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ

کے مناقب نظم فرمائے ہیں۔ غزلیات کا ایک دیوان بھی مرتب کیا، قادری تخلص فرماتے تھے اور نہایت ذوق کی زبان میں ترجیعات لکھے ہیں، یہ چند بیتیں ان میں سے ہیں۔ ؎

رندیم و قلندریم و چالاک — مستیم و معربدیم و بیباک
جامیم و صراحیم و بادہ — دُرو صدفیم و بحر و خاشاک
والیٔ ولایتِ شش و پنج — حامیٔ بلادِ فہم و ادراک
مجموعۂ رازِ عالمِ دل — منصورِ کشائے سرِ لولاک
بگذشتہ ز خویش بے کدورت — نگذشتہ ز عشق جوہر خاک
گر صاف شوی و پاک دائم — مبگوئی چو قادری تو ناپاک
ما بلبلِ بوستانِ قدسیم — شہباز سفیدِ دشتِ انسیم

آخری بیت میں حضرت غوثیہ رضی اللہ عنہ سے نسبتِ شہبازیت کے وارث ہونے کی طرف تلمیح ہے کیونکہ "باز اشہب" آنحضرت کا ایک لقب ہے جس کی بعض متقدمین اولیاء نے حضرت کے عنصر شریف کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی خبر دی تھی اور کہا تھا کہ ملکوتِ اعلیٰ میں آنحضرت کو باز اشہب کہتے ہیں، اور قصیدۂ قطبیہ میں فرماتے ہیں ؎

انا بلبل افراح املأ دوحھا — طربا و فی العلیا باز اشھب

مخدوم شیخ محمد کا مقبرہ اُچہ میں ہے رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں، شیخ عبدالقادر جن کو مخدوم ثانی کہتے ہیں۔ سید عبداللہ جو اپنے زمانے میں فضیلت و لطافتِ طبع اور سلامتِ قریحہ میں بے نظیر تھے، کہتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی اُن کے فضائل کی خبر سن کر ان کے پاس اشعار بھیجتے تھے، اور سید مبارک جو سید عالی مقام ہے، ان کی اولاد سے ایک فرزند ہے جن کو میراں کہتے ہیں نہایت مُسن و متبرک، لاہور میں سکونت رکھتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم

مخدوم شیخ عبدالقادرؒ

بن شیخ محمد الحسنی الجیلانی، الملقب بہ شیخ عبدالقادر ثانی، صاحب کراماتِ ظاہرہ واحوالِ باہرہ ومقاماتِ علیہ ومناقبِ جلیہ، کمالاتِ ظاہر وباطن سے موصوف تھے، بُرہانِ ساطع ونورِ لامع رکھتے تھے۔ حال میں باکمال اور کمال میں وہم وخیال کی حد سے بالاتر تھے۔ بہت سے گنہ گار اور کفار آپ کے مشاہدۂ جمال ومعائنۂ کمال سے توبۃ النصوح کی سعادت حاصل کر کے شرف ایمان سے مشرف ہوئے تھے، ولایت میں آپ حضرت غوث الثقلین رضؓ کے حقیقی وارث ہیں اور کمالات میں حضرت ہی کے تابع ہیں اسی سبب سے آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی کہتے ہیں ہر چند کہ آنحضرت ثانی نہیں رکھتے، اور اس سے بڑھ کر اور کیا درجہ ہوگا کہ کوئی اس لقب سے ملقب ہو۔

نقل ہے کہ آپ نے جوانی کے ایام بہت ناز و نعمت اور آسودہ حالی میں گزارے اور اسبابِ عیش وطرب کے بہت دلدادہ تھے یہاں تک کہ آلاتِ طرب اور مزامیر کئی اونٹوں پر لد کر آپ کے ہمراہ جاتے تھے، آخر حال میں جب آپ سجادہ مشیخت اور مقام تربیت پر رونق افروز ہوئے تو گانا سننے اور وہاں بیٹھنے سے بالکل پرہیز کیا اور مریدوں اور طالبوں کو بھی اس سے روکتے اور منع کرتے تھے۔ اگر احیاناً اس باب میں کچھ سن لیتے تو پھر اتنا گریہ وزاری کرتے کہ روح نکلنے کے قریب ہو جاتی تھی۔

آپ کی حالت اور جذبہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک روز اُچہ کے جنگل میں شکار

کھیل رہے تھے۔ ناگاہ ایک تیتر کو دیکھا کہ عجیب وغریب آواز سے نالہ وفریاد کر رہا ہے۔ ایک درویش اس جنگل میں سے گزر رہا تھا، اس نے کہا سبحان اللہ ایک دن وہ ہوگا کہ یہ جوان بھی مولیٰ جلّ وعلا کے تعلقِ محبت سے اس تیتر کی طرح نالہ وفریاد کرتا ہوگا یہ بات سنتے ہی آپ کے حالت پیدا ہوئی اور ماسوا اللہ سے دل بیزار ہوگیا اور اسی طرح روز بروز آپ پر اسبابِ جذب وآثارِ شوق وانوارِ محبت فائض ونازل ہونے لگے، یہاں تک کہ پوری طرح خاطر جمع کرکے مولیٰ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوگئے۔

جب حضرت مخدومؒ اس سرائے فانی سے عالمِ باقی کو تشریف لے گئے تو منصبِ سجادگی ومقامِ خلافت سب بھائیوں میں سے آپ ہی پر متعین ہوا لیکن چونکہ آپ نے بادشاہ کی ملازمت چھوڑ دی تھی اور آپ کے بھائی ابھی اس کی ملازمت میں تھے اس سبب سے بادشاہ کے دل میں حضرت کے بارے میں غبار پیدا ہوگیا، آپ نے تمام زمین اور اسنادِ مواجب ووظائف اس کے پاس واپس بھیج دیں اور کہلا بھیجا کہ ہم کو ان کی حاجت نہیں، جس کو چاہیں دے دیں۔ برسوں اسی حالت میں گزارہ کیا اور جو کچھ غیروں سے ظلم وستم ہوتا تھا اس پر صبر کرتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہِ عہد نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور نوشتہ بھیجا کہ اگر حضرت ہماری مجلس کو حضور فائض النور سے مشرف کریں تو عین سعادت اور محض کرم ہوگا، اور حضرت کے سامنے کس کی مجال ہے کہ دعویٰ مشیخت وبزرگی کرے، جو کچھ تقصیرات وتاخیرات خدمت میں ہوئیں اُن کو معاف کرکے اس طرف متوجہ ہوں حضرت نے جواب میں لکھا ؎

بہیچ باب ازیں باب روی گشتن نیست ہر آنچہ بر سرِ ما می رود مبارک باد

کسیکہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدست　　　　بحلہای بہشتی کجا شود دلشاد

یہ واقعہ اس حالت کے مشابہ ہے جیسا کہ نقل کرتے ہیں کہ سلطان سنجر اوّل نے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ اگر عنانِ توجہ اس طرف متوجہ ہو تو ولایتِ سیستان جو ملکِ نیم روز ہے حضرت کی خانقاہ کے لنگر خانے کے لیے مقرر کردی جائے۔ آنحضرت نے جواب میں لکھا۔

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد　　　　بُجز فقر اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب　　　　صد ملکِ نیم روز بیک جو نمی خرم

اور بعض اس حکایت کو شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں واللہ اعلم

نقل ہے کہ ایک دفعہ ملتان میں طاعون کی بیماری پیدا ہوئی اور وہاں کی خلقت تنگ آ گئی، وبائے عام پھیل گئی، لوگ حضرت کے وضو کی جگہ جو سبزہ اگا ہوا تھا اسے لے جا کر مرض کے مقام پر ملتے تھے اور شفا ہو جاتی تھی۔

نقل ہے آپ فرماتے تھے کہ میرے ہاتھ میں ایک خاصیت رکھی گئی ہے کہ جس علت و مرض پر ملا جائے حق تعالیٰ شفا دیتا ہے، اور یہ خاصیت بھی حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے نسبتِ وراثت کی وجہ سے ہے، چنانچہ آنحضرت کے زمانے کے بعض اولیاء نے فرمایا ہے۔ الشیخ عبد القادر یبری الاکمہ و الابرص و یحیی الموتیٰ باذن اللہ۔

حضرت مخدوم ثانی کی والدہ شریفہ سیدہ تھیں شیخ ابو الفتح کی بیٹی، جو سید صفی الدین گازرونی خواہر زادہ شیخ ابو اسحاق گازرونی کی اولاد سے تھے، اور شہر اُچہ کی بنا اور عمارت سید صفی الدین نے کی ہے۔ اس کی آبادی کا تفصیلی بیان

کرتے ہیں کہ شیخ ابواسحاق گازرونی نے نعمتِ خلافت عطا کرنے کے بعد سید صفی الدین کو حکم کیا کہ ایک اونٹ پر سوار ہو اور جس طرف وہ اونٹ جائے تم بھی جاؤ اور جہاں وہ بیٹھ جائے تم مقام کرو اور متوطن ہو جاؤ۔ جب اس سرزمین میں جہاں اُچ ہے پہنچے اونٹ بیٹھ گیا اور پھر نہ اٹھا۔ وہیں انہوں نے شیخ کے اشارہ کے مطابق وطن بنا لیا اور شہر اُچ آباد کیا۔ کہتے ہیں کہ سرزمین وصحرائے اُچ میں ایسی کیفیت وحالت ہے کہ جو اور سرزمینوں میں نہیں پائی جاتی، بے شک آدمی کو فراق و دیوانگی کی وادی میں لے جاتی ہے۔ اب وہ آبادانی نہیں ہے جو پہلے زمانے میں تھی، بزرگوں کے مقبرے ہیں اور مختصر آبادی ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ اس تقدیر پر اُس بیابان میں زیادہ سے زیادہ وجد اور کیفیت کا سماں پیدا ہوتا رہے گا۔

یہ شیخ ابوالفتح حضرت مخدوم کے نانا بہت متبرک اور عالی مقام تھے اور جنوں کے تسخیر اور حاضر کرنے میں پورا تصرف رکھتے تھے۔

حضرت مخدوم ثانی کی عمر شریف اٹھتر (۷۸) برس کی تھی۔ آپ کی وفات اٹھارہ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ مقبرہ شریف اُچ میں مشہور ہے۔ یہ زیارت متبرک ہے۔ مخدوم شیخ عبدالقادر کے دو فرزند تھے۔ ان میں سے بڑے شیخ عبدالرزاق تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

شیخ عبد الرزاقؒ

حضرت مخدوم شیخ عبد القادرؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں صاحبِ فضائل و مناقب و مفاخر ہمتِ عالی اور شانِ عظیم رکھتے تھے۔ حضرت مخدومؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہیں تھے کسی وجہ سے ناگور تشریف لے گئے تھے۔ ایک روز ناگور میں بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کہ آج مجھ کو حضرت مخدوم نے آواز دی ہے اور اپنے پاس بلایا ہے۔ دیکھیں کیا ہو۔ چونکہ وہاں سے چلنے میں تھوڑی دیر ہو گئی اس لیئے وقتِ رحلت تک نہ پہنچ سکے چند روز کے بعد تشریف لائے اور بحکمِ وصیتِ والد ماجد، لباسِ خرقہ و اجازتِ خلافت اور نعمتِ مشیخت سے مشرف ہوئے۔

آپ کی وفات ۵ جمادی الثانی ۹۴۲ھ کو ہوئی۔ رحمتہ اللہ علیہ

سید زین العابدینؒ

حضرت مخدوم شیخ عبد القادرؒ کے دوسرے فرزند تھے، حضرت مخدوم کی عینِ حیات ہی میں اس دارِ فانی سے تشریف لے گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ صالحات و قانتات سے تھیں۔

آپ سے ایک صاحبزادے میر سید محمد نام باقی رہے جو حضرت مخدومؒ کے منظورِ نظرِ عنایت اور ان کی شفقت و مرحمت سے بہرہ مند تھے، شاہ الہ بخش اور ان کے بھائی جو لاہور میں رہتے ہیں انہیں کے فرزند ہیں۔ شاہ الہ بخش اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ برگزیدہ سے پورے طور پر موصوف تھے، ۹۹۴ھ میں ولایت بنگالہ میں انتقال فرمایا۔

رحمتہ اللہ علیہ و علی اسلافہ اجمعین

مخدوم شیخ حامدؒ

بن شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر الحسنی الجیلانی۔ حضرت غوث الثقلین رضؓ
کے صاحب سجادۂ برحق اور خلیفۂ مطلق تھے، بزرگ و عالی شان و رفیع المکان، مظہر
کبریا و جلال، صاحب تصرف و کرامت و ابہت و عظمت و جلالت تھے، ہمت آپ
کی بہت عالی اور مقام بہت بلند تھا۔ ہر قسم کا متاعِ دنیاوی جو تصور میں آسکتا ہے
اس کا حصۂ وافر آپ کو حاصل تھا لیکن کبھی نصاب کے جس سے زکوٰۃ واجب ہو مالک ہوئے۔
اپنے جدِ بزرگوار حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ کے مرید ہیں، مقبولیتِ عظیم رکھتے تھے
اور اپنے زمانے میں اس سلسلۂ عالیہ کی بزرگی و مشیخت کا نقارہ بجاتے تھے اور جو کوئی
آپ کے ساتھ مخالفت کرتا اُس کا کچھ کام نہ بنتا اور سوائے پشیمانی کے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔
شیخ حامدؒ نے اپنی عین حیات ہی میں خلافت و سجادہ نشینی اپنے فرزند رشید یعنی
سیدی و سندی و شیخی مشکوٰۃ مصباح الاحدیت مرأۃ جمال الحقیقت المحمدیہ النور الازہر
الاظہر و السر الاقدس الاطہر صاحب المجد و المفاخر کامل الباطن و الظاہر المتحلی بحلیۃ
المصطفیٰ و المتخلق باخلاق المرتضیٰ الشیخ الوصی الرضی البہی جمال الدین ابوالحسن موسیٰ
سلمہ اللہ تعالیٰ و ابقیٰ کے سپرد کر دی تھی اور اس امر شریف کے تمام لوازم و توابع
جو اشتغال باطنی اور اوضاع ظاہر سے تعلق رکھتے تھے ان کو تفویض فرمائے کیونکہ
حضرت مخدوم کو اُن سے بہت محبت و رضا تھی اور اُن کے جوہر شریف میں قابلیت

ـقاق دیکھتے تھے اور اس لیے کہ اس باب میں حضرت علیہ قادریہ سے اذن صریح
ـارہ پایا تھا، اور تفویض و تلقین کے بعد تھوڑی مدت میں رحلت فرمائی تاریخ وفات
ـ ذیقعدہ ۹۷۸ھ ہے۔

شیخ موسیٰ سلمہ اللہ خلق و خُلق میں حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور
ـے زمانے میں سلسلۂ علیۂ قادریہ کے صاحب سجادۂ راستین ہیں۔ اُن کو حضرت
ـث الثقلین رضی اللہ عنہ کی درگاہ میں نسبت باطنی کے علاوہ اور بھی نسبت ہے
ـل خصوص کو ہوتی ہے، بارہا آنحضرت رضی اللہ عنہ اور حضرت عالم پناہ صلی اللہ
ـلم کے شرف زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، اور حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر
ـسے بطریق کشف قبور ملاقات کرکے شرف بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔
ـنت و سخاوت و علم و حلم میں وارث حضرت مرتضویہ رضویہ اور حُسن صورت و سیرت
ـماوۂ ائمہ اثنی عشر ہیں صورت رکھتے ہیں کہ حدیث کانت فی عین موسیٰ
ـحتہ من رآہ احبہ (تھی موسیٰ کی آنکھوں میں نیکی، جو اُن کو دیکھتا تھا اُن سے محبت
ـتا) کی مصداق ہے، اور سیرت کہ آیت انک لعلیٰ خلق عظیم کی مصداق
ـہے۔

نور اللہ العالم بنور جمالہ ما دام یقال اللھم صل علیٰ محمد
و آلہ اجمعین ط

شیخ داؤدؒ

مخدوم شیخ حامد الحسنی الجیلانیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں صاحب حالِ صحیح و کشفِ صریح، زمانۂ سلوک میں آپ نے شدید ریاضات اور سخت مجاہدات کیے اور ہاتفِ غیبی سے اشاراتِ لاریبی سنتے رہے۔

حالتِ جذب کی ابتدا اور طریقِ سلوک میں آپ کا آنا اس طرح ہوا کہ اثنائے تحصیلِ علوم میں توفیقِ الٰہی نے رہبری کی اور ریاضت و مجاہدہ کا راستہ دکھایا ضبط و مخالفتِ نفس کا وہ عالم تھا کہ تقریر و تحریر میں نہیں آسکتا۔ کبھی اوّلِ شب سے آخر تک قیام میں گزار دیتے اور رکوع کی خبر نہ ہوتی اور کبھی تمام رات رکوع میں رہتے کبھی سجود میں اور کبھی قعود میں، غرضیکہ انتہا درجے کی سخت اور مشکل عبادات اختیار کرتے کئی سال تک بیابان میں اسی طریق سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ آپ کا دل تمام وسوسوں اور علائق سے آسودہ ہو گیا اور آپ کے باطنِ فیض مواطن سے تفرقہ و تشویش رخصت ہو گئے

پھر سنّتِ امامت و بیعت کہ مشائخ طریقت کا مسلوک طریقہ ہے اس کے قائم کرنے کے لیے جناب اقدس کی طرف متوجہ ہوئے، چونکہ کمالِ حال، صدقِ طلب اور قوتِ استعداد کے مالک تھے سلسلۂ علیہ قادریہ اور اس خاندانِ عالی شان سے تعلق و تمسک کی اشارت بالبشارت پائی، دوسری بار متوجہ ہوئے کہ اس خانوادۂ بزرگ کے کون سے خلیفہ سے بیعت کریں، بمقتضائے اشارۂ غیبی سیّد حامد کی خدمت میں

جو حضرت غوث الثقلین کے خلیفہ راستین تھے حاضر ہوئے اور ان کو دستِ بیعت دیا اور نعمتِ خلافت سے مشرف ہوئے۔

نقل ہے کہ مجلس میں آپ ایسے مضطرب و منتظر بیٹھتے تھے کہ گویا کوئی چیز کھوئی گئی ہے یا کسی محبوب کے آنے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ پھر یکایک ایک ذوق و حالت شروع ہو جاتی اور حقائق و معارف بیان کرنے لگتے۔ کلماتِ بلند و نکاتِ ارجمند ارشاد فرماتے فرماتے تھے کہ عراق کی جانب سے ایک ہوا میرے دل کو لگتی ہے جس کے ہمراہ نفحاتِ الٰہی سے ایک نفحہ ہوتا ہے۔ اکثر اوقات آپ عراق کی طرف نگراں رہتے تھے اور یہ بات اس نسبتِ معنوی کی دلیل ہے جو آپ کو حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے تھی۔

شیخ قطب عالم فرماتے تھے کہ میں جب اُن کی خدمت میں پہنچا طریقہ وعظ و نصیحت کے غلبہ کے سبب جو اُن کی خدمت سے مشاہدہ ہوا میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ شاید شیخ طریقہ مہدویہ رکھتے ہیں، بمجرد اس خطرہ کے شیخ نے سر اٹھا کر فرمایا مہدویہ فرقہ گمراہ و باطل ہے یہ ذکر بالجہر ذکر انفاس بطریق متعارف ان کے یہاں بسندِ صحیح حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوئی، ذکر کا اعلیٰ مرتبہ اسماع نفس ہے۔

اس وقت آپ کے جانشین شیخ ابوالمعالی ہیں کہ مناصب عالی و قدرِ متعالی رکھتے ہیں، ریاضت و مجاہدہ ان کا شعار ہے، قبولیتِ عظیم پائی ہے اور حسنِ مقال کو ضمیمہ صحتِ حال بنا کر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے مناقب کو فارسی عبارت میں نہایت لطافت و فصاحت و شیرینی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی ملازمت کا اشتیاق بہت ہے، اگر اللہ کو منظور ہوا تو میسر ہو گی۔

شیخ داؤدؒ نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی چنانچہ عبارت "مشتاق منان" سے یہ تاریخ نکلتی ہے مزار پُرانوار آپ کے محل قیام شیر گڑھ ولایت پنجاب میں ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے رحمۃ اللہ علیہ

میر سید اسمٰعیلؒ

بن سید ابدال، آپ کا سلسلہ حضرت شیخ عبدالرزاق بن حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین الحسنی الجیلانی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ نے اس ولایت میں آنحضرت رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ سجادگی قائم کیا۔ شیخ محمد حسن، شیخ امان اور دوسرے درویش میر سید اسمٰعیل کے پیوستگان کے ساتھ نہایت بندگی و نیاز رکھتے تھے۔

آپ کی وفات ۹۰۶ھ میں ہوئی۔ مزار شریف رنتھور میں ہے جہاں بعض تقریبات پر تشریف لے گئے تھے۔

رحمتہ اللہ علیہ

شاہ قمیصؒ

بن سید ابی الحیٰوۃ، آپ بھی اپنے سلسلہ کو حضرت سید عبدالرزاقؒ تک پہنچاتے ہیں۔ ولایت بنگالہ سے اس دیار میں لباس فقر و تجرید کے ساتھ آکر قصبہ

ساڈھورہ خضرآباد میں مقیم ہوئے۔ ایک مدت تک فقر و تجرید میں گزر کرتے رہے، سید نصراللہ ایک شخص عالم و عامل و صاحب حال و متبع و مستقیم تھے۔ انہوں نے اپنی دختر کو آپ کے عقدِ نکاح میں دے دیا اور اس تعلق کے بعد آپ نے بمصلحتِ وقت وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور خلقت میں قبولیت و شہرتِ تمام نصیب ہوئی۔ اس دیار کے نواح کے اکثر لوگ آپ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل ہو گئے اور بہت سے درویشانِ اہل بھی آپ کی خدمت سے منسوب ہوئے۔

منجملہ اُن کے شیخ عبدالرزاق المشہور بشیخ بہلول آپ کے مرید و خلیفہ ہیں علم شریعت و طریقت کے جامع ہیں، اوّل فطرت سے نشاءِ عبادت و تقویٰ و صلاح پر آئے ہوئے اور عصمتِ ذاتی پر نشو و نما پائے ہوئے اور علومِ دینی کی تحصیل کے بعد تہذیبِ اخلاق و تبدیلِ صفات کے ساتھ توفیق دیے گئے۔ الحق اس زمانے میں درویشوں اور سالکوں کے زمرہ میں ایسے شخص اس راستہ کے سلوک میں ایسی راسخ القدمی اور اتباعِ سنّت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نادرہ و عزیز الوجود ہیں۔

شاہ قمیص کی وفات بنگالہ میں واقع ہوئی کیونکہ سلطانِ عہد نے آپ کو وہاں بھیجا ہوا تھا۔ تیسری ذیقعد ۹۹۲ھ کو وہاں سے لا کر ساڈھورہ میں سپردِ خاک کیے گئے۔

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سماء الدینؒ

علوم رسمی و حقیقی کے جامع تھے۔ صاحب تقویٰ و ورع، اسباب دنیا سے صرف ضروری چیزوں پر کفایت کی۔

آپ شیخ کبیرؒ نبیرۂ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ کے مرید ہیں کہتے ہیں کہ آپ کو مولانا سناء الدین سے تلمذ تھا جو میر سید شریف جرجانی کے شاگردوں میں سے تھے۔ بعض وقائع کے باعث جو اس دیار میں واقع ہوئے آپ ملتان سے چلے آئے تھے اور ایک مدت تک رنتھور اور بیانہ وغیرہ میں سے پھرتے ہوئے دہلی میں آکر متوطن ہو گئے۔ کبیر السن تھے اور آخر عمر میں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے بغیر کسی علاج کے پھر روشن کر دیں۔

نقل ہے کہ آپ کبھی کبھی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے تھے خلق خدا پر شفقت، مہربانی کا غلبہ یہ چاہتا ہے کہ تمام خلائق کو سماء الدین کی آنکھوں پر

آپ نے لمعات شیخ فخر الدین عراقیؒ پر حواشی لکھے ہیں جو اس کے حل معانی وافی و کافی ہیں۔ ایک اور رسالہ مفتاح الاسرار نام لکھا ہے جس کا اکثر حصہ بعینہٖ شیخ عزیز نسفی کے رسائل سے منقول ہے۔

مولانا سماء الدینؒ کی وفات ۱۷ جمادی الاوّل ۹۰۱ھ کو ہوئی، آپ کا اور آپ کی اولاد کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے۔ وہاں آپ کی اولاد کی صفیں کی صفیں سوتی ہیں رحمۃ اللہ علیہ

مفتاح الاسرار میں مکتوبات شیخ عزیز نسفی سے نقل کرتے ہیں، معلوم ہو کہ انتہائے انسان کے معنی میں اہل شریعت و اہل حکمت و اہل وحدت نے اختلاف کیا ہے۔
اہل شریعت کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ارواح کو جسموں سے ہزاروں برس پہلے پیدا کیا اور ہر ایک کا مقام معین کر دیا، اُس کی بازگشت اُسی مقام میں ہو گی وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (اور نہیں ہے کوئی ہم سے مگر اس کا مقام مقرر ہے)..... لیکن جو کوئی مقام ایمان تک نہیں پہنچتا اُس کی بازگشت آسمان میں نہ ہو گی۔

جان لے کہتے ہیں کہ یہ مراتب خلقی ہیں کسبی نہیں ہیں اور خلق خدا میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ یہ دین حق اور دین قیم ہے۔ اگر یہ مراتب کسبی ہوتے تو ممکن تھا کہ ہر شخص کسب سے اپنے پہلے مقام سے گزر کر بالاتر مقام میں پہنچ جاتا، لیکن مومن غیر نبی کسب سے مقام نبوت میں نہیں پہنچ سکتا۔

اس گروہ کے نزدیک سلوک سے یہ مقصود ہے کہ موت سے پہلے معائنہ کرے اور مقام بازگشت کا مشاہدہ ہو، اور علم الیقین کے مرتبہ سے عین الیقین کے مرتبہ میں پہنچ جائے۔ انبیاء کا عروج دو قسم کا ہے ایک وہ کہ شاید روح کے ساتھ ہو بغیر جسم کے، اور دوسرا وہ جو روح و جسم دونوں کے ساتھ ہو، اور اولیاء کا عروج ایک قسم کا ہے روح کے ساتھ بغیر جسم کے۔

اور معلوم ہو کہ اہل حکمت کہتے ہیں کہ روحیں جسموں سے پہلے موجود نہ تھیں، پس اُن کا مقام بھی معلوم نہیں، اب یہاں اپنے مقام کو پیدا کرتی ہیں..... اگر یہ نفس انسانی ریاضات و مجاہدات اور اکتساب علوم و اقتباس انوار کے لیے مستعد نہ ہوا اور علم و طہارت حاصل نہ کرے تو یہ فلک قمر کے نیچے جہاں دوزخ ہے رہے گا اور عالم علوی میں جہاں

جنت سے نہیں پہنچے گا، اور کہتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو وہاں پہنچا یا کہ فلک الافلاک
کے نفس سے مناسبت حاصل ہو جائے اُس نے علم طہارت کو مقاماتِ انسانی کی انتہا
تک پہنچادیا، اور جس نے عالمِ صغیر کو تمام کر لیا وہ عالمِ کبیر میں خدا کا خلیفہ ہؤا، اور خلیفہ
کبریتِ احمر اور معجونِ اکبر اور اکسیرِ اعظم اور جامِ جہاں نما اور آئینہ گیتی نما ہے۔ من الملک
الحی الذی لایموت الی الملک الحی الذی لایموت، اور اس مقام میں کبھی بواسطہ
عقلِ اوّل حق تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا ہے ـــ اور سنتا ہے، اور جب اس مقام
میں مفارقت کرتا ہے تو ابدالآباد حضرت رب العالمین کے جوار میں خرّم و شاداں رہنا
ہے اور اس کے مقربوں میں سے ہو جاتا ہے اور یہ بہشت خاص کاملوں کی جگہ ہے

اور معلوم ہو کہ اہلِ وحدت کہتے ہیں کہ آدمی کے عروج کی کوئی حد نہیں، اگر مستعد
آدمی ہزار سال تک مستعد رہے اور اس ہزار سال میں ریاضات و مجاھدات میں مشغول
رہے تو ہر روز اس کو ایسی چیز معلوم ہوگی جو گذشتہ روز معلوم نہ تھی کیونکہ خدا تعالےٰ
کے علم و حکمت کی کوئی انتہا نہیں، اور اہلِ وحدت کے نزدیک آدمی کے مقام سے
شریف تر اور کوئی مقام نہیں، یہاں تک کہ اپنی حشرگاہِ وجود میں آدمی کی بازگشت بھی
وہی آدمی ہے۔

شیخ عبداللہ بیابانیؒ

حضرت مولانا سماء الدینؒ کے صاحب زادے ہیں، اپنے وقت کے زہاد میں سے تھے اور کامل تجرید رکھتے تھے۔ ابتدائے حال میں آپ نے شادی کی، لیکن جب دیکھا کہ اس سے حضورِ وقت اور فراغِ عبادت میں فرق آتا ہے تو اختیار کے ساتھ اُن سے جُدائی کی۔

کہتے ہیں کہ بات کرتے وقت اپنی طرف اضافت نہ کرتے تھے اور جو کچھ کہتے صیغۂ غائب میں کہتے "میں آؤں گا، میں جاؤں گا" کے بجائے "وہ آئے گا، وہ جائے گا" کہتے۔ اوائلِ حال میں دہلی میں رہتے تھے۔ ایک مدت تک حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ کی خانقاہ میں مشغول رہے۔ کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے لیے غسل فرماتے اور کپڑے دھوتے تھے۔

غالباً بادشاہِ عہد نے ایک قوم کو قید کیا تھا اور اس میں سادات کی ایک جماعت بھی تھی۔ آپ بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ سادات کو چھوڑ دے۔ بادشاہ نے آپ کی بات قبول نہ کی۔ آپ نے کہا اس شہر میں رہنا حرام ہے جہاں کا تُو بادشاہ ہو۔ اس کے بعد منڈو چلے گئے، وہاں کے بادشاہ نے آپ کو دیکھ کر کچھ نذر پیش کی۔ آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں، فلاں دِہ کے حاکم کو حکم دو کہ مجھے فلاں بیابان میں جگہ دے اور تشویش و ظلم نہ کرے۔

پھر منڈو کے کسی گاؤں میں مقام کیا اور اب وہیں آپ کی قبر ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سید کبیرالدین حسنؒ

آپ نے بڑی سیاحت کی تھی، بعدازاں اُچہ میں مقیم ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے ایک سو اسی برس کی عمر پائی۔ واللہ اعلم۔

روایت ہے کہ آپ سے خوارقِ عادات ظہور میں آتے تھے، سب سے بڑی اور مشہور کرامت کفار کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرنا تھا۔ کسی کافر کو آپ کے پیغامِ اسلام کے بعد انکار کی جرأت نہ ہوتی اور قبولِ اسلام میں بے اختیار ہو جاتا۔ کفار جماعت در جماعت آپ کے سامنے آ کر مسلمان ہوتے تھے، اور کہتے ہیں کہ یہ نسبت آپ کی بعض اولاد میں بھی موجود تھی۔

کہتے ہیں کہ آپ کی بعض اولاد اغوائے نفس و دُنیا کے باعث بدعتوں میں مبتلا ہو گئی اور عجیب اختراعیں کرنے لگی اور عجیب و غریب باتوں کے ساتھ منسوب ہو گئی۔ واللہ اعلم اور یہ آپ کے سلسلے کے لیے طعن و بدنامی کا سبب ہُوا۔

آپ کی وفات ۸۹۶ھ میں ہوئی۔ مزار شریف اُچہ میں ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ حسام الدین متقی ملتانیؒ

عالم وزاھد و متقی تھے فاتقوا اللہ ما استطعتم کے پایہ سے فاتقوا اللہ حق تقاتہ کے مرتبہ میں پہنچے ہوئے تھے۔ کھانے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے خراجی زمین میں کھیتی کیا کرتے اور خراج دیتے تھے۔ آخر میں جب وہاں کی خراجی زمینوں میں بعض حوادث کی وجہ سے تفریط و تخلیط واقع ہو گئی تو جب تک آپ بھوک کی شدت سے بے قرار نہ ہو جاتے لقمہ نہ کھاتے۔ آخر کار اسی حالتِ مخمصہ میں انتقال فرما گئے۔

بالجملہ آپ تقویٰ و زُھد اور مسلمانی میں آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت تھے اور بے شک و شبہ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون الذین امنوا و کانوا یتقون ٥

شیخ علی متقی ابتدا میں آپ کی صحبت میں رہے تھے اور تعلیم حاصل کی تھی، اور نسبتِ ورع و تقویٰ تحصیل فرمائی تھی۔ رضی اللہ عنہ و عن جمیع الصالحین ط

شیخ علی متقی سے نقل ہے کہ وہ فرماتے تھے ایک دن شیخ حسام الدین نے فرمایا آج میرے دل پر کچھ کدورت طاری ہے، معلوم نہیں کیا سبب ہے۔ ان کی عادت تھی کہ جس وقت باطن میں کدورت و ظلمت کا احساس کرتے تو لقمہ کے بارے میں تحقیقات کرتے کہ مبادا اس میں کچھ شبہ ہو۔ چنانچہ اس بات کی تحقیق کے لیے وہ گھر کے اندر گئے اور جس شخص کے ذمے کھانے کا انتظام تھا اس سے پوچھا کہ

آج کھانا کہاں سے آیا تھا اور کیونکر پکا تھا۔ تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ آگ جلانے کے لیئے ہمسایہ کے گھر سے اُس کی اجازت کے بغیر گھاس لی تھی۔ وہ ہمسایہ کے پاس گئے اور اُس سے معافی چاہی اور اس کو کچھ دیا تاکہ وہ اور زیادہ راضی ہو جائے۔

نیز منقول ہے کہ شیخ علی متقی فرماتے تھے ایک دن ایک شخص مجلس میں سے اٹھا اور نادانستہ شیخ حسام الدین کی جوتیاں پہن کر چلا گیا۔ جب خبر ہوئی تو وہ شخص جوتیاں لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے جب تک کہ جوتیوں کی قیمت اس شخص کو نہ دی ان کو نہ لیا اور فرمایا ہم نے تمام اشیاء کو اپنی ملک سے باہر کیا ہے تاکہ اگر بالفرض کوئی شخص اس میں تصرف کرے تو اُس کا تصرف حرام میں نہ ہو۔ رحمت اللہ علیہ

کہتے ہیں کہ آپ شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ کے مقبرہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ اس کی عمارت بیت المال کی رقم سے بنی تھی اور اُس پر مسلمانوں کا حق صرف ہوا تھا، اس سے نفع اور فائدہ اٹھانا درست نہیں۔

آپ کے ایک فرزند تھے شیخ بایزید نام، وہ بھی ورع و تقویٰ کی صفت سے موصوف تھے اور احوالِ مشائخ سے متحقق۔

نقل ہے شیخ حسام الدین کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کسی کو دیکھتے کہ مسجد میں گاتا ہے تو اُس کو اس سے منع کرتے، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حق ادا کرتے، بخلاف شیخ بایزید کے کہ وہ اپنے آپ کو ایک گوشے میں پنہاں رکھتے اور روتے رہتے تھے۔ ایک شخص اُن کے پاس کچھ روپیہ بطور نذر کے لایا، وہ نہ جانتے تھے کہ یہ روپیہ ہے۔ پوچھا یہ کیا ہے اور اس کو کیا کرتے ہیں۔ پھر جانا کہ یہ جنس نقد سے ہے اور لوگوں کے کام میں آتا ہے۔ رحمت اللہ علیہم

شاہ عبداللہ قریشیؒ

شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے بعض آبائے کرام ملتان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان بہلول لودھی نے آپ کو اپنی دامادی میں اختیار کیا اور اپنی بیٹی آپ کو دی۔

یہ سالکِ مجذوب تھے۔ سطوتِ ظاہر اور عظمتِ باہر رکھتے تھے۔ زمانۂ سلوک میں آپ نے بہت شدید ریاضتیں اور طاقت سے بڑھ کر مجاھدے کیے تھے۔

نقل ہے آپ فرمایا کرتے کہ ابتدائے سلوک میں جب ہم نماز پڑھتے تھے، تو ہزار رکعت سے کم نہ ہوتی اور اگر تلاوت کرتے تو وہ تین ختم سے کم نہ ہوتی تھی، اور جو فائدہ ایک ساعت کے ذکر سے ہوتا تھا وہ ان سب سے زیادہ تھا۔

شیخ حاجی عبدالوھاب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں میں ایک رات اپنے مرشد زین العقلاء المجانین عبداللہ بن یوسف القرشی کی خدمت میں تھا اور وہ مجھ کو سکھاتے تھے وہ علم جو خدا نے اُن کو سکھایا تھا، پس جب کیفیتِ مشاھدہ پر پہنچے تو فرمانے لگے یہ علم تقریر میں نہیں آتا، مگر جب حاصل کیا جائے اور ارشاد طلب کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے اور فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ دل احوال متفاوتہ کے ظروف ہیں اور احوال کے ثمرات پانے میں دو قلب ہرگز متفق نہیں پائے جاتے ہیں، پس ہر قلب کے لیے جو لذت ہے وہ دوسرے کے قلب کی لذت کے سوا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن یہ اُس بلند چھت پر جو آپ کے روضہ کے پہلو میں کھڑی ہے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک حالت پیدا ہوئی اور اسی حالت میں چھت سے زمین پر گر پڑے مگر کچھ نقصان نہ پہنچا۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ نے جذبہ کی حالت میں ایک بکری کے بچہ کو پکڑ کر زمین پر ایسے مارا جس سے وہ مر گیا۔ لوگوں نے اس حالت پر کہا کہ اس بیچارے حیوان کو ناحق کیوں مار ڈالا۔ آپ بکری کے بچے کے پاس آئے اور لات مار کے کہا کہ اٹھ، لوگوں کو بدنام مت کر۔ قدرتِ الٰہی سے وہ بکری کا بچہ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

ایک روز اپنی حالت میں تھے کہ خدمت گاروں سے کہا جو اسباب گھر میں ہے سب باہر لے آؤ اور گھر میں آگ لگا دو۔ اُن دنوں میں آپ کے فرزند شاہ احمد چھوٹے سے تھے۔ اُس نے باپ کے پاس کھڑے ہو کر کہا گھر سے ایک ایک کر کے اسباب کے نکالنے میں تکلیف ہوگی اگر ویسے آگ لگا دیں تو سب یکبارگی اچھی طرح جل جائے گا۔ شاہ کا دل اس سے بہت خوش ہوا۔

شاہ عبد اللہ کا روضہ پرانی دہلی کے قریب مشہور ہے اور زیارت گاہ خلق ہے وفات ۲۲ صفر کو ہوئی۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاریؒ

سید جلال الدین بخاری بزرگ کی اولاد سے ہیں جو سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ کے جدِ امجد ہیں۔ سید جلال کے دو بیٹے تھے، سیدی احمد بزرگ اور سید محمود۔ مخدوم جہانیاں، سید محمود کے فرزند ہیں اور شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری، سیدی احمد کی اولاد سے ہیں۔ بزرگ تھے علم و عمل و حال و محبت سے موصوف۔

ابتدائے حال میں جبکہ ملتان ہی میں مقیم تھے ایک دن اپنے پیر استاد اور خُسر سیّد صدرالدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے تھے اُنھوں نے فرمایا دُنیا میں دو نعمتیں بالفعل موجود ہیں جو سب نعمتوں سے بالا ہیں، مگر لوگ ان دو نعمتوں کی قدر نہیں جانتے اور ان کی جستجو نہیں کرتے اور ان کے حاصل کرنے سے غافل ہیں۔ ایک تو یہ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک مدینہ شریف میں بصفتِ حیات موجود ہے اور لوگ اس سعادت کو حاصل نہیں کرتے، دوسرے قرآن مجید جو پروردگار کا کلام ہے اور جس میں خداوند تعالےٰ بلاواسطہ متکلم ہے، مگر لوگ اس سے غافل ہیں۔ پیر کا یہ ارشاد سنتے ہی آپ اُٹھے اور مدینہ شریف کی زیارت کی رخصت چاہی۔ چنانچہ خشکی کے راستے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو چل پڑے اور اس سعادت کو حاصل کر کے پھر وطنِ مالوف میں آ گئے۔ بعد ازاں بعض سوانح روزگار کے سبب سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں وہاں سے دہلی آ گئے۔ سلطان سکندر کو آپ سے اعتقادِ عظیم پیدا ہو گیا اور آپ

کی خدمت میں تکریم و تعظیم کے تمام مراسم بجا لاتا تھا۔

شاہ عبداللہؒ سے آپ کی محبت و نیاز و طلب و استرشاد کا یہ عالم تھا کہ فنا فی الشیخ ہونا اسی کو کہتے ہیں۔ بطریق تشبیہ کی نسبت صحبت ان کے ساتھ ایسی تھی جیسی مولانا روم کی شمس تبریز کے ساتھ۔ قدس اللہ اسرارھم۔

آپ نے دہلی سے پھر ایک بار زیارت حرمین شریفین کا قصد کیا اور دوبارہ اس سعادت عظمیٰ سے مشرف ہوئے اور جناب حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارتوں کا اشارہ پا کر اس طرف واپس تشریف لائے۔

آپ کی وفات ۹۳۲ھ میں واقع ہوئی۔ تاریخ وفات شیخ حاجی کے اعداد سے نکلتی ہے اور مقبرہ شریف شاہ عبداللہؒ کے مقبرہ کے جوار میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہما

شیخ حاجی عبدالوہابؒ نے ایک تفسیر لکھی ہے جس میں اکثر قرآن بلکہ تمام کو نعت و ذکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرایا ہے اور اس میں بہت سے دقائق عشق و اسرار محبت درج کئے ہیں۔ غالباً یہ تفسیر غلبۂ حال اور استغراق وقت میں لکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات میں لفظ و عبارت کے ظاہری پہلو کی رعایت نہیں کی۔ اس میں سے تھوڑا سا انتخاب کیا جاتا ہے تاکہ اس عجیب و غریب کتاب کی کیفیت معلوم ہو۔

سورۂ مریم کٓھٰیٰعٓصٓ جان تو اے حبیب حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق حروف مقطعہ اللہ تعالیٰ کے اُن خزانوں میں سے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، نہیں جانتا ان کو مگر وہی، اور فرمایا علی بن طالب کرم اللہ وجہہٗ نے کہ یہ اللہ جل جلالہٗ کا اسم اعظم ہے اور یہ بھی جان تو کہ

اس میں احتمال ہے کہ کاف اشارہ ہو "کُن" کی طرف اور یا اشارہ ہو لفظ "ہیا" کی طرف جو "ہذا" کے واسطے ہے، اور عین اشارہ ہے "عبد" یعنی بندہ کی ذات کی طرف جس سے محمد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اور صاد اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "صورت" کی طرف، اور اس تاویل کے یہ معنی ہوئے کہ ہولے اللہ کے بندے وہ صورت جو آراستہ ہو اللہ کے جمال کے ساتھ تاکہ لوگ تجھ سے نفع حاصل کریں اور یہ خطاب حضرت سید المرسلین کے لیے ہے تاکہ ہو جائیں صورت رحم مادر میں بعد اس کے کہ تھی روح اور نور اللہ کے نزدیک اس کی نعمت سے جو اُن کے واسطے تھی اللہ جل جلالہٗ کے پاس وصلی اللہ علیہ وسلم ......

سورۂ طٰہٰ قولہ تعالیٰ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى، جان تو کہ تحقیق کلام میں عین العتاب ہے محبوب سے، لیکن مشقت میں لذتیں ہیں محبوب کے لیے، اور یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے فرمایا طٰہٰ مآ انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ (نہیں اتارا ہم نے تم پہ قرآن کہ تجھے تکلیف ہو) یعنی تجھ کو مشقت ہو اور مشقت میں عصو کا رہے پھر فرمایا الا تذکرۃ لمن یخشیٰ (مگر نصیحت واسطے اس شخص کے کہ ڈرتا ہے) اور حالانکہ ان کو وہ ڈر دیا ہے جو تمام عالموں میں کسی کو نہیں دیا، اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی نے اپنے محبوب کو بلایا، پھر جب وہ محبوب آ گیا تو اُس طالب نے اس کو پکڑ کر معانقہ کیا نہایت قوت کے ساتھ ایسا کہ جس سے اس کو مشقت پہنچی، اور حال یہ کہ وہ کہتا ہے اے محبوب میں نے تجھ کو اس لیے نہیں بلایا کہ تو مشقت میں پڑے، اور حالانکہ اس نے نہایت قوت کے ساتھ اس سے معانقہ کیا ہے اور محبوب نازک اندام ہے، ظاہر میں تو وہ اذیت پاتا ہے اور باطن میں خوش ہوتا ہے، پس ایسی خشیت سید المرسلین کے نزدیک بہت میٹھی ہو گی گویا کہ اُس کی مشقت ہی نہیں پہنچی ....

شاہ جلال شیرازیؒ

شیخ نور بخشؒ کے مرید ہیں جنہوں نے گلشن راز کی شرح لکھی ہے اِس ملک میں سلطان سکندر کے زمانے میں مکہ معظمہ سے تشریف لائے اور سکونت اختیار کی۔ عارف اور صاحبِ حالت و اہلِ مشرب تھے۔ مثنوی مولانا روم اور اس کے معانی کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتے تھے اور درویشوں کی خدمت میں اس کو سند کیا تھا۔

حُلیہ مبارک بہت نورانی تھا جس دن سے آئے تھے آپ کے دیگدان کی آگ نہ بجھی۔ اکثر اوقات آپ کے گھر میں مہمانوں کے لیے فرنی اور روٹی تیار رہتی تھی جس وقت کوئی مہمان آتا اس کے لیے یہ کھانا حاضر کیا جاتا، علاوہ دیگر کھانوں کے جو وقتِ معیّن پر پکتے تھے۔

نقل ہے آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے حرم شریف میں ایک درویش سے ایک بات سنی جو ظاہر شریعت کے خلاف تھی میں نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر سزا دوں، وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور میں نے اس کا تعاقب کیا اس نے لوٹ کر میری طرف دیکھا اور یہ بیت پڑھی ؎

دستِ ناپیدا گریبان می کشد

من پئے دست و گریبان می روم

اس بیت نے مجھ پر اثر کیا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا کہ اپنی کچھ خبر نہ رہی

سادات بخارا سے آپ کی قرابت ہو گئی تھی، آپ نے اپنی جگہ گوشہ کو شیخ مدثر بن شیخ حاجی عبدالوہاب کے عقد میں دیا تھا،

آپ کی وفات ۹۴۴ھ میں ہوئی۔ مزار شریف شیخ حاجی عبدالوہاب کے مقبرہ کے جوار میں ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

شاہ احمد شرعیؒ

ترک قوم سے تھے۔ عالم متبحر و درویش کامل اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ و رسمیہ و حقیقیہ کے جامع تھے، چندیری میں قیام تھا اور بہت عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ صاحب کشاف نے جو اہل سنت و جماعت کے طعن میں اشعار کہے تھے آپ نے ان کا جواب لکھا ہے۔

آپ کی وفات ۹۲۸ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ، تحقیق و تفتیش احوال کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری جماعت کے لوگ جو ترکیت کے ساتھ منسوب ہیں اصل میں آپ کے ساتھ پیوند و قرابت رکھتے ہیں۔

شیخ عبدالغنی سنیتی جو اس ملک کے قدمائے موالی میں سے ہیں اور متشرع و متعبد ہیں شاہ احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ کی بعض تصنیفات اور مسودات ان کے پاس ہیں اور اکثر اوقات آپ کے فضائل و مناقب بیان کیا کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب میں اُن کی خدمت میں پڑھتا تھا اُس وقت ان کی عمر چھیانوے سال کی تھی، وہ تیراندازی میں بے مثل تھے۔ ایک دن تیراندازی کر رہے تھے، ایک تیر نشانہ پر لگا، کہنے لگے اگر کہو تو جس تیر کو چھوڑوں اُس کو پہلے تیر کے منہ میں بند کر دوں۔ اور اسی طرح دو تین تیروں کو چھوڑا، پھر کہنے لگے کہ تیر ضائع جاتے ہیں اور اسراف ہوتا ہے نہیں تو تیروں کو ایک دوسرے میں بند کر دیتا۔

نیز نقل کرتے ہیں کہ وہ علم و عمل دعوت میں اللہ تعالیٰ کی آیاتِ عظمیٰ میں سے تھے ہر جمعہ کو اس علم کی قوتِ تصرف سے بادشاہ کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور مسلمانوں کی حاجت روائی کراتے تھے۔ اُن کے پاس ایک تسبیح تھی جس کے پہلے دانہ کے ہلانے سے بادشاہ کو جنبش ہوتی تھی اور دوسرے کے ہلانے سے قصد کرتا تھا، اور پھر سوار ہو جاتا تھا، غرض ایسے ہی ہر دانہ پر کہتے تھے کہ اب وہاں آیا اور وہاں پہنچا، یہاں تک کہ عدد معین کے پورا ہونے پر اُن کی خدمت میں آموجود ہوتا تھا۔ ایک دن وہ وضو کے لیے گئے تھے ایک غلام نے جو اُن کی خدمت میں رہتا تھا تسبیح کو صندوق سے نکالا اور اسی طرح کہ ان کو دیکھا تھا کہنے لگا کہ یہ دانہ جو پھراتے ہیں تو بادشاہ شاہ احمد کی ملازمت میں آنے کا قصد کرتا ہے، اور جب اس دوسرے دانہ کو پھراتے ہیں تو وہ سوار ہوتا ہے اور ایک دوسرا دانہ ہلانے سے فلاں کام کرتا ہے، غرض اسی طرح دانوں کی گنتی کر رہا تھا کہ ناگاہ بادشاہ خلافِ معمول اُن کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اُس وقت وہ طہارت خانہ میں تھے، حیران ہو گئے کہ کیا سبب ہے کہ بادشاہ آج روزِ معمول کے خلاف آ گیا۔ پھر معلوم ہوا کہ اُس غلام نے تسبیح کے دانوں کو اتفاقی طور پر پھرایا تھا اور بادشاہ کے آنے کا یہی سبب ہوا۔

شیخ سلیمانؒ

ابن عفان المندوی الدہلوی، طالبوں کی تربیت وارشاد اور درویشوں کے اذکار و اشغال کی تلقین میں یگانۂ عصر تھے، بہت سیر و سیاحت کی تھی اور نعمتیں پائی تھیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو نقلِ ارواح جو تصرفاتِ نفسِ ناطقۂ انسانی کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے حاصل تھا اور اس کے ذریعے آپ قرونِ ماضیہ کے اکثر احوال کی خبر دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ تجوید قرآن میں یگانہ عصر تھے اور عالمِ معاملہ میں قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تجوید کیا تھا، آپ سے شیخ عبدالقدوس نے تجوید کیا اور مدتِ دراز تک آپ کی خانقاہ میں رہے تھے۔

آپ کی وفات چودھویں محرم ۹۴۴ھ کو واقع ہوئی اور مقبرہ شریف حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مقبرہ کے عقب میں ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبدالقدوسؒ

شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ عبدالحقؒ کے مرید ہیں صاحبِ علم و عمل و ذوق و حالت وحلاوت و وجد و سماع تھے۔ اگرچہ ظاہر میں شیخ محمد سے بیعت کی تھی مگر معتقد و عاشق شیخ احمد عبدالحقؒ کے تھے اور ان کی روحانیت سے مشغوف تھے۔

آپ کی ایک کتاب ہے انوار العیون، جس کی ترتیب سات فنون پر رکھی ہے۔ فن اول میں شیخ احمد کے مناقب لکھے ہیں اور ان کے ساتھ بہت عقیدت و بندگی کا اظہار کیا ہے جیسا کہ اس بزرگوار کے ذکر میں گزر چکا۔

آپ کی وفات ۹۴۵ھ میں واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبدالقدوس کے مرید و خلفاء بہت ہیں۔ آپ کے مریدوں میں سے ایک شیخ بھورو تھے جو ابتدا میں رنگریزی کا پیشہ کرتے تھے، آخر کار ان کی ہدایت کا وقت آ پہنچا اور جذبۂ الٰہی کے اثر سے مسلمان ہو کر شیخ عبدالقدوس کے مرید ہو گئے اور بمقتضائے فطرتِ ذاتی ان میں درویشوں کے احوال پیدا ہوئے۔ ان کی وفات ۹۸۲ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ عمر دینی، شیخ عبدالقدوس کے مرید اور شاہ عبدالرزاق کے خلیفہ ہیں۔ اور شاہ عبدالرزاق سے توجہ و عقیدت رکھتے تھے۔

شیخ عبدالقدوس کے خلفاء میں سے شیخ عبدالغفور اعظم پوری تھے یہ بزرگ

تھے اور صاحب واقعات وکرامات، کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ نے ان کو یہ درود شریف تلقین کیا ۔ اللّٰھم صل علی محمد و آلہ بعدد اسمائک الحسنیٰ۔

شیخ عبد القدوسؒ کے اولاد بہت تھی اور تمام فرزند عالم زاہد اور لباسِ مشائخ سے آراستہ تھے، ان میں شیخ رکن الدین ایک متبرک بزرگ تھے اور فقر و محبت کے مشرب سے موصوف، اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔

آپ کے فرزندوں میں سے ایک شیخ عبد النبی تھے جو بعض علومِ رسمیہ کی تحصیل کر کے جوانی میں زیارتِ حرمین کی طرف متوجہ ہوئے۔ مکہ معظمہ کے بعض فقہا سے کچھ علمِ حدیث پڑھا اور پھر وطنِ اصلی میں آگئے۔ زہد و عشق کے ساتھ منسوب تھے اُن کی اپنے والد اور ان کے بھائیوں سے مسئلہ توحید و سماع میں بحث ہو گئی۔ اُن کے والد نے اباحتِ سماع میں ایک رسالہ لکھا اور انہوں نے بھی اس باب میں انکارِ سماع میں ایک رسالہ لکھا، ناچار اس سے بہت ایذا و کلفت پیدا ہوئی اور یہی اُن کی شہرت کا باعث ہوا۔

شیخ عبد القدوسؒ رسالہ قدسیہ میں گرسنگی کے معنی میں لکھتے ہیں معلوم ہو تجھ کو اللہ تعالیٰ الہام کرے کہ گرسنگی دو قسم کی ہے سفلی اور علوی، سفلی تمام حیوانات کی ہے کہ جب روح حیوانی نے اس جہان کی طبائع سے امتزاج پایا اور پیکرِ وجود میں مرتبہ مرکبات تک جو کہ کلمات اللہ سے عبارت ہے آئی سببِ قیام وجود کے مقام میں ہوا اور اُس کے باطن میں حرارت پیدا ہوئی اور غذا کی محتاج ہوئی اور اس کو تو بھوک کہتا ہے اور اس کی غذا کو پانی، طعام اور خاشاک جانتا ہے۔ یہ عالمِ سفلی سے عروج

نہیں کرتی جو تجلیاتِ دائم سے ہے اور بہائم کی مختلف صورتوں کا مقام ہے۔ اور علوی
تمام خلق خاص و عام کو ہے کہ جب بحرِ محض نفا محض غیب سے مقامِ نا جبلت سے عالم
جنبش سے بغیر جنبش کے جنبش کی ہدایتِ حق نے ظہور پایا اور میدانِ حضرت احدیت
میں تجلی کی جو اَللّٰہُ اَحَدٌ سے عبارت ہے اور بہت تجلی اور بے شمار انوار و اسرار کے ساتھ
تمام صفاتِ کمال کریمی و رحیمی و ستاری و جباری و قہاری و رزاقی و خلاقی و رحمانیت و
ربوبیت کو ہزار در ہزار یہاں سے موج بر موج نکالا۔ بحسبِ استعدادِ مظاہر کہ دون
السماء لون اناء لا نور اللہ و روح اضافی و نبی اللہ و رسول اللہ و ولی اللہ یہ سب اسی کے
اسماء ہیں اپنے مختلف مظاہر میں قد جاءکم من اللّٰہ نورٌ . . .

یہ ہیں اُس گرسنگی کے معنی جو معدۂ بشر میں فطری طور پر رکھی گئی ہے اور وہ آتشِ
دوزخ سے تیز تر اور گرم تر ہے کہ گرسنگی کثیف کو لطیف تک پہنچاتی ہے، اور مقید کو مطلق
کا نشان دیتی ہے اور انسانیت کو رحمانیت کی طرف لے جاتی ہے، کیونکہ گرسنگی
سے آدمی، خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ خاصیت کسی اور حیوان میں نہیں رکھی ہے
اگرچہ ان کو بھوک لگتی ہے کیونکہ وہ مجرد سفلیات سے ہیں، ملائکہ اور ارواح اگرچہ علویات
سے ہیں مگر چونکہ ان میں بھوک کی آگ نہیں ہے اس لیے وہ اپنے مقام سے آگے نہیں
بڑھ سکتے یہ کام آتش کا ہے اور پھر درد و محبت و عشق کا بار ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ بھوک کے تین مقام ہیں، پہلے مقام کو بھوک کی آگ کہتے
ہیں جس کی غذا پانی اور طعام ہے۔ دوسرے مقام کو درد و محبت و عشق کی آگ کہتے ہیں۔ اس کی
غذا خونِ جگر اور خاشاک وغیرہ ہے۔ اور تیسرے مقام کو محبوب و معشوق کی آگ کہتے ہیں
جس کی غذا حسن و جمال اور اوصافِ کمال ہیں۔ ان اللہ جمیل و یحب الجمال ؎

عاشقِ حُسنِ خود است آں بے نظیر   حسنِ خود را خود تماشا می کند

شیخ امجد دہلویؒ

سلطان بہلول کے زمانے میں تھے۔ حضرت خواجہ قطب الحق والدینؒ کے آستانہ مبارک میں بہت حاضر رہتے اور اُن کی روحانیت سے فیض پاتے تھے۔

ایک بار طلبِ حق میں وطن سے نکلے راستے میں ایک خوفناک پانی آیا۔ قعرِ آب میں قدم رکھا اور ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ ناگاہ پانی میں سے ایک آدمی نمودار ہوا اور آپ کو اس مہلکہ سے نجات دی، گھر میں واپس آئے اور گوشہ گیر ہو گئے۔ اس کے بعد کبھی باہر نہ نکلے اور اپنی فتح و استفادہ کو بے واسطہ حضرت خواجہؒ سے منسوب کیا۔ لوگوں کو مرید بھی کرتے تھے۔

آپ کا مقبرہ حوضِ شمسی پر ہے رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ادھن دہلویؒ

کاتبِ حروف کے نانا ہیں۔ آپ کا اصل نام زین العابدین ہے اور عرف شیخ ادھن، دانش مندِ کامل، پرہیزگار و عابد تھے اور نہایت خشوع، ادب، انکسار اور وقار سے موصوف، والد بزرگوار فرماتے تھے کہ ہم نے اُن کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا

جو ظاہر و باطن میں یکساں ہو۔ باہر لوگوں میں اور گھر کے اندر ایک ہی جیسے آداب و اوضاع مرعی رکھتے تھے، ان کی زبان پر ہمیشہ ذکر الٰہی جاری رہتا تھا حلیہ مبارک نہایت جمیل اور نورانی تھا اور ان کی پیشانی سے علم و تقویٰ کے انوار ظاہر تھے۔ اکثر اوقات روزہ سے رہتے تھے، اور لقمہ میں بہت احتیاط کرتے تھے۔

سلطان ابراہیم بن سکندر لودھی نے آپ کو اپنی چوب داری کے لئے بلایا تھا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔

مولانا سماء الدینؒ کے مرید اور میاں عبداللہ طلینیؒ کے شاگرد ہیں آپ کی وفات ۹۴۳ھ میں ہوئی مقبرہ حوض شمسی کی غربی جانب ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ

شیخ یوسف قتالؒ

آپ نے بہت مجاہدے اور ریاضتیں کی تھیں اور کمال کو پہنچے تھے، قاضی جلال الدین لاہوریؒ کے مرید ہیں جو آپ کے خسر تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ ہفت محل میں جو سلطان محمد تغلق کی عمارات میں سے ہے اور جہاں آپ کا مقبرہ ہے ریاضات کرتے تھے، اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ انہی دنوں میں ایک شخص کہ اس کا نام بھی جلال الدین تھا اور اس کے پاس ایک نعمت امانت تھی آپ کے پاس پہنچا۔ آپ تو طالب تھے ہی ارادت پر منتظر ہوئے جو کچھ اس درویش نے کہا آپ نے قبول کیا اور اس کے اشارات کے بموجب کام میں مشغول ہوئے اور اپنے مقصود کو پہنچے۔

وفات ۹۳۳ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شعیبؒ

عالم عامل اور صورت و سیرت میں فرشتہ مثال تھے، وعظ و تذکیر میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے، جب وعظ کہتے اور قرآن مجید پڑھتے تو کسی کو اس راستے سے گزر جانے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ اگرچہ اس کے سر پر بھاری بوجھ ہوتا پھر بھی وعظ سننے کو کھڑا ہو جاتا، وعظ کہنے میں آپ کی حالت وعد و وعید کے مختلف مقامات کے مطابق متغیر ہو جاتی تھی، آپ کے وعظ میں شہر کے تمام اکابر و علماء حاضر ہوتے۔ شہر کے اکثر اہالی و موالی ابتداء میں آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کے والد ماجد مولانا منہاج چھوٹی عمر میں لاہور سے دہلی میں تحصیلِ علم کے لیے آئے اور تحصیل علم کے دوران میں شدید ریاضتیں کیں، بعد ازاں سلطان بہلول لودھی کے عہدِ حکومت میں مفتی شہر ہوئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔

نقل ہے کہ بعض اوقات مولانا منہاج دوکانوں سے آٹا اور تیل مانگتے تھے اور اس سے چراغ بنا کر تمام رات مطالعہ کرتے تھے۔ جب صبح ہوتی تو انہی چراغوں سے روٹی پکاتے اور اسی پر اکتفا کرتے تھے۔ مدتوں اسی طرح گزارہ کیا یہاں تک کہ علم حاصل کیا، ہمارے قبیلہ کو مولانا سے نزدیکی قرابت ہے۔

نقل ہے کہ وہ درویش جس سے شیخ یوسف قتال کو نعمت حاصل ہوئی پہلے مولانا شعیب کے پاس آیا تھا اور کہا کہ مولانا تم کو ایک کام سکھاؤں مگر شرط یہ ہے

کر تو کام کر رہے ہو اس کو چھوڑ دو یعنی درس و تذکیر۔ مولانا نے یکبارگی تعلیم و تدریس و تذکیر کا ترک کرنا مصلحتِ وقت نہ سمجھا اور کہا میں نے بہت محنت کر کے علم حاصل کیا ہے اور اس کو نجاتِ آخرت کا راستہ سمجھا ہے۔ اس کو اپنے اختیار سے ترک کرنا مجھ سے نہیں ہو سکتا، کوئی ایسا کام فرمائیں جس میں مشغول ہو جاؤں یہاں تک کہ وہ مشغولی غالب آجائے اور ان کاموں کو بھلا کر ختم کر دوں وہ درویش مولانا شیخ یوسف قتال کے پاس گیا اور وہ جیسا کہ بیان ہے اس درویش کے حکم کے مطابق اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس کے کہنے پر عمل کیا۔

مولانا شعیب کی وفات ۹۳۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار حوضِ شمسی پر ہے اور ملک زین الدینؒ جو سلطان سکندر کے زمانے میں صلحاء اسنجیا میں سے تھے ان کی خانقاہ کے متصل بجانب شمال واقع ہے رحمۃ اللہ علیہم

ملک زین الدینؒ و وزیر الدینؒ

یہ دونوں بھائی نجبائے زمانہ اور صلحائے امت سے تھے۔ ان کے آبائے کرام بعض سلاطینِ دہلی کی خدماتِ موروثی سے منسلک تھے ان کے محاسنِ اخلاق اور مجاہدات و صفات کے بیان کے لئے دفاتر درکار ہیں۔

زین الدین، خان جہان کے وکلاء میں سے تھے جو سلطان سکندر کے بنی اعمام سے تھے۔ جب خان جہان کے ساتھ سلطان کے مزاجِ محبت و عنایت میں فرق آگیا تو اس نے بعض تو لعدِ سلطنت کی نگہداشت کے لئے اور نسبتِ اخوت کے لحاظ سے

رنجش وکدورت کے اظہار کو مناسب نہ جانا اور بظاہر اُس کے بارہ ہزار سوار کے منصب و ولایت کو بھی برقرار رکھا، لیکن خفیہ طور پر زین الدین کو حکم دیا اور اپنے خطِ خاص سے یہ دو کلمے بھی لکھ دیئے کہ خانجہان کے جو کچھ اموال و املاک ہیں اُن میں تصرف کرے اور جس طرح چاہے خرچ میں لائے۔ اس طرح کہ خانجہان کو اس کی اطلاع اور خبر نہ ہو، اور لکھ دیا کہ زین الدین سے حساب لے لیا گیا ہے کسی کو ان سے کچھ کام نہیں ہے، چونکہ اس سعادت مند کو نیک کاموں اور خیرات میں صرف کرنے کی توفیق دی گئی تھی آپ نے سب کچھ نیک کاموں اور ثواب کے مقامات میں خرچ کیا۔ صلاح و تقویٰ و خدمت گاری کے سبب اکثر مشائخ و علمائے وقت کو آپ کے ساتھ محبت و توجہ تھی۔

وزیرالدین درگاہِ سلطانی میں اپنے بھائی کی خدمت و ملازمت پر اکتفا کر کے تجرد و فراغت کے ساتھ جمعیتِ عبادات کی موجب ہے زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر اوقات دہلی کے مقامات اور زیارت گاہوں کی سیر سے محظوظ ہوتے تھے اور دہلی کے آس پاس کے گاؤں جن میں تفریح گاہیں تھیں اپنی ملکیت میں داخل کیئے۔ تمام علماء و صلحا و صوفیہ آپ کی صحبت میں خوش رہتے تھے۔

سلطان سکندر کا زمانہ صلاح و تقویٰ، دیانت، امانت، علم اور وقار کا دور تھا اس کو علماء، صلحاء، اکابر و اشراف کے ساتھ بہت محبت ہو گئی تھی۔ اسی سبب سے عرب و عجم کے تمام حصوں سے یہ لوگ بعض اُس کی استدعا و طلب پر اور بعض خود ہی اُس کے عہدِ دولت میں یہاں تشریف لائے اور توطن اختیار کیا۔ چنانچہ اکثر بزرگ جو اس طبقے میں مذکور ہیں اسی قبیل سے ہیں۔ فی الحقیقت اس سلطانِ سعادت

نشان کے زمانۂ سلطنت کی تعریف حدِ تقریر و تحریر سے باہر ہے، اور اس کی فراست بلکہ کرامت کے بارے میں بھی حکایات نقل کی جاتی ہیں ؎

گر ایں جملہ را سعدی املا کند　　　مگر دفتری دیگر انشا کند

تختِ سلطنت پر اُس کی تاریخ جلوس ۸۹۴ھ ہے اور ۹۲۳ھ میں عالمِ آخرت کو رحلت کی، مدتِ سلطنت ۲۹ سال ہے۔

نقل ہے کہ دونوں بھائی ختم قرآن شریف کراتے تھے اور ہر چہار شنبہ کو غسل کا التزام کرتے۔ کہ اس کے اثرِ عظیم کی قبولیتِ دعا میں بڑی شہرت ہے تاکہ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو شہادت نصیب کرے۔ آخر ایسا ہی ہوا جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔ شیخ زین الدین کو ۹۲۶ھ میں ایک غلام نافرجام نے اُس دودھ میں جو وہ سحری کے وقت پیا کرتے تھے زہر ملا کر دے دیا۔ شیخ وزیر الدین، سلطان ابراہیم کے ہمراہ ۹۳۲ھ میں شہید ہوئے۔ مزار شریف حوضِ شمسی سے مغرب کی جانب ہے۔ یہ ایک خانقاہ ہے۔ چبوترہ اور مزار شریف بہت کشادہ اور بے بدل مقام ہے اور حوض پر کی عمارتوں میں ممتاز و مشہور ہے، مقامِ روضہ اور حالتِ قبر سے بھی رحمتِ قبول کے آثار لائح و فائح ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

شیخ جمالیؒ

مولانا سماء الدینؒ کے مرید ہیں۔ یگانۂ روزگار اور جامع اطوار تھے، آپ کا اصل نام جلال خان ہے۔ پہلے جلالی تخلص کرتے تھے۔ بعد میں مرشد کے اشارہ سے جمالی کر لیا۔ والد بزرگوار آپ کو یتیم چھوڑ گئے تھے۔ آپ نے محض اپنی ہمت و قابلیت سے تربیت پائی اور علم و فضل حاصل کیا اور شاعر ہوئے مثنوی، قصیدہ، غزل وغیرہ ہر قسم کے شعر کہتے تھے۔ آپ کے شعروں کا حال اہلِ سخن پر ظاہر ہے۔ آپ کے قصائد غزل اور مثنوی سے بہتر ہیں۔

آپ نے سیاحت بھی بہت کی اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا جلال الدین محمد دوانیؒ سے ملاقات کی۔ آپ کی ذات میں ہیبتِ ظاہری و باطنی موجود تھی۔ محفلوں میں اور زلیخوں کی انجام وہی میں نہایت دلیر تھے۔ مجلس میں اکابر میں سے کسی کو آپ کے سامنے بولنے کی مجال نہ ہوتی۔

ابتدا میں آپ نے سلطان سکندر بن بہلول کا زمانہ پایا۔ بابر بادشاہ کے نزدیک بھی معتبر تھے اور اس کے نام پر ایک قصیدہ کہا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

شاہِ دشمن کش ظہیر الدین محمد بابر آنکہ کشور ہندوستان را زالغار کابل بشکند

ہمایوں بادشاہ کے نام پر بھی قصیدے کہے ہیں اپنے پیر سے اعتقادِ عظیم رکھتے

تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے اور بعض صالحین نے خواب میں آنحضرتؐ سے اس بیت کی قبولیت کی بشارت پائی ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات　　تو عین ذات می نگری در تبسّمی

آپ کا مقبرہ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے جوار میں ہے، نہایت پاکیزہ و لطیف مقام ہے اور اپنے حضور میں تیار کرایا تھا جس مکان میں اب آپ کی قبر ہے حالتِ حیات میں وہیں رہتے تھے۔ وفات دسویں ذیقعدہ ۹۴۲ھ میں ہوئی جب ہمایوں بادشاہ، گجرات گیا تھا آپ بھی اس کے ہمراہ تھے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ جمالی کے دو بیٹے تھے، ایک شیخ عبدالحی جو حیاتی تخلص کرتے تھے، مکارمِ اخلاق اور محامد اوصاف کے مجموعہ تھے، اپنے زمانے میں مجمع الفضلاء اور مرجع الظرفا تھے، باپ کے زیادہ محبوب اور ان کو دل سے نزدیک تھے، انشاء شعر اور ظہورِ عجیب رکھتے تھے، بغیر فیض کے کوئی حالت نہ ہوتی تھی، شعر فی البدیہہ کہتے تھے اور بہت کہتے تھے۔ الحق، اتنی قوت جو ان کو شعر کہنے میں تھی اگر اس کے ساتھ فکر و وقت بھی میسر ہوتا تو اُن سے عجیب و غریب آثار ظاہر ہونے، ریاضت و دلداری کے مقام اور یاروں کی خاطر مدارات میں رہتے تھے اور ہر طائفہ کے ساتھ ایک بھید رکھتے تھے، اس سبب سے اُن کو اور ہی قبول تھا، باوجود اس عزت و بزرگی کے جو وہ رکھتے تھے ان کی بے تعلقی اور بے تکلفی سب سے زیادہ تھی، اور تھوڑی سی وجہِ معاش جو وہ رکھتے تھے اس کے ساتھ ایسی خوشی سے گذران کرتے تھے کہ کلفت و محنت کو ان کے سراپردۂ حالی سے گذرنے کی مجال نہ تھی، ہر روز تفرّج گاہ میں اور تماشہ سیر میں اور ہر دم شوق میں رہتے تھے، اس کے باوجود فقر و غنا و درد مندی سے کہ

سعادتِ ابدی کا سرمایہ ہے وہ پورے طور پر بہرہ یاب تھے۔ افغانوں کے زمانہ میں جو کوئی طالب علم یا شاعر یا قلندر مُلک سے اس طرف آتا انہی کے گھر ٹھہرتا اور وہ ہر ایک کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور خدمت کرتے، اُن کو والد کا بہت ترکہ ملا تھا جو سب کا سب ایک مدت میں دوستوں پر صَرف کر دیا اور جوانی ہی میں اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے۔ ۹۲۳ھ میں ولادت پائی اور ۹۵۹ھ میں وفات پا گئے۔ قبر شریف اُس چبوترہ پر ہے جو اُن کے والد کے روضہ کے باہر ہے۔ سید میرک شاہ، سید عالی نسب جو میر سید شریف جرجانی کی اولاد سے ہیں اور جزئیاتِ فنون و نوادر امور میں بے نظیر ہیں اُن کی تاریخِ وفات میں لکھتے ہیں۔ قطعۂ تاریخ

نادر العصر شیخ عبد الحی | کہ بہ صفتش مرا زبان نہ بود
وقت نزعش بسر رسیدم من | گفتمش ای چون تو در زمان نبود
سالِ تاریخ خویش خود فرما | کہ جز او ورد این زبان نبود
گفت تاریخِ من بود نامم | بندہ وقتی کہ در میان نہ بود

"شیخ عبد الحی" سے لفظ "عبد" گرا دیا گیا ہے۔
۹ ۵ ۹

دوسرے شیخ گدائی جو شیخ جمالی کے بڑے بیٹے ہیں یہ بزرگی و جاہ میں اپنے والد کے ہم پہلو تھے اور اوّل و آخر میں بلند مراتب و مفاخر حاصل کرنے میں ہمت صَرف کرتے رہے۔ اطوارِ بزرگی و عزت کی رعایت میں اوضاعِ جاہ و دولت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ابتداءً میں نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہٗ کے مقربوں اور خواص میں تھے بعد ازاں جب شیر شاہ نے غلبہ کر کے تختِ سلطنت پر قدم رکھا تو انھوں نے سلسلہ ہمایونیہ سے مخصوص ہونے کی وجہ سے ترکِ اقامت کر کے سفر کا طریقہ اختیار کیا اور گجرات کی

طرف نکل گئے، پھر وہاں سے حرمین شریفین کی زیارت کا قصد کیا اور اس سعادت عظمیٰ سے مع اہل و عیال کے مشرف ہوئے، شاہنشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں اپنے وطن مالوف واپس آئے اور چونکہ جناب خانخاناں محمد بیرم خاں سے ارتباط و اتحاد رکھتے تھے اس لیے نہایت معتبر درجوں پر پہنچے، اور پھر بعض ایسے امور کے واقع ہونے کے باعث جو جذباتِ الٰہی کے لطائف اسرار سے تھے خانخاناں ترکِ دنیا کر کے حرمین شریفین کی طرف متوجہ ہوا، اور حج ہی کے راستہ میں ۹۶۸ھ میں شہید ہو گیا۔ یہ بعض حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے یہاں سے نکل کر کوہ جیسلمیر کی طرف چلے گئے، مدتوں وہاں رہے، پھر وہاں سے آ کر تھوڑی سی مدد معاش پر قناعت کی اور سلطنت کی طرف سے شہر کی سکونت ملی، تھوڑے دن گوشۂ فراغت و آسایش میں باوجود کبر سنی کے خوش نما باغات میں مرز و نازنینوں کے ساتھ بسر اوقات کی، جب مرنے کا وقت آیا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عالم بقا کو چل دیئے۔

تاریخِ وفات ۹۷۶ھ ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سیّد حسین پای میناریؒ

بڑے جہاندیدہ اور صحبت یافتہ درویش تھے، نہایت جسیم تھے سلطان سکندر کے زمانے میں مشہد مقدس کی جانب سے دہلی تشریف لائے، چونکہ سلطان سے آپ کی موافقت نہ ہوئی۔ لہذا پرانی دہلی کے قلعہ میں منار کے پائین کی مسجد میں گوشہ گیر ہو گئے سلطان سکندر کے بعض امراء کی عورتیں آپ کی معتقد ہوئیں تو ضروری وجہ معیشت کا انتظام ہو گیا، قلعہ کے اندر کی زمین کی زراعت بھی کرتے تھے اور اس کی آمدنی فقراء پر خرچ کرتے تھے۔

آپ کی وفات ۹۴۲ھ میں ہوئی۔ مقبرہ منار شمسی کے پائین ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ یوسف چڑیا کوٹیؒ

مشرب شطار کے ایک درویش تھے۔ آپ کا حلقۂ ذکر بہت عجیب و غریب ہوتا تھا اس کے دوران میں عاشقانہ اشعار بھی پڑھتے تھے اور اظہارِ شوق فرماتے تھے شانِ عالی کے مالک تھے۔ دو واسطوں سے شیخ عبداللہ شطاریؒ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت والد بزرگوار آپ کی صحبت شریف میں گئے اور تلقین ذکر حاصل کی۔

اب آپ کی اولاد واٰپ کے بعض قصبوں میں موجود ہے۔

رحمۃ اللہ علیہم

شیخ خانو گوالیری ؒ

اپنے وقت کے مشاہیر میں سے تھے، حضرت خواجہ حسین ناگوری ؒ کے مُرید ہیں اور شیخ اسمٰعیل بن شیخ حسین سرمست سے بھی جو چندیری میں رہتے تھے خرقہ لیا۔ حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی روحانیت سے بلغایت متوجہ اور ثانی تھے۔ بڑھاپے اور ضعفِ جسم کی وجہ سے لوگوں کی تعظیم کو کھڑے نہ ہوتے تھے۔

حضرت والد آپ کی صحبتِ شریف میں گئے تھے اور ترکِ تعظیم وقیام کے بارے میں جو لوگوں میں آپ کی نسبت مشہور تھا دریافت کیا۔ فرمایا کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہو گیا ہوں ہر آنے جانے والے کی تعظیم کے لیے قیام نہیں کر سکتا۔ بعض کے لیے خصوصیت سے قیام کرنا اور بعض کے لیے نہ کرنا حالِ فقراء کے لائق نہیں مجھ کو معذور رکھیں۔

شیخ نظام نارنولی آپ کے مریدوں میں سے ہیں۔ یہ بھی اتباعِ شیخ کے قصد سے ترکِ قیام کے طریقہ پر چلتے ہیں اور بہت مقبول و مشہور ہیں۔ شیخ نظام کے بھائی شیخ اسمٰعیل بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ کامل مرد تھے اور ان کے مرید بھی ہیں۔ خواجگی ایک پیر جو بیانہ کی مسجد کے گوشہ میں پڑے رہتے ہیں اور پختہ کار درویش ہیں شیخ اسمٰعیل کے مرید ہیں۔ شیخ منور جو آگرہ میں تھے وہ بھی خواجہ خانو کے مرید ہیں، جذبہ اور ایک حالت سے خالی نہ تھے۔

شیخ خانو ؒ کی وفات ۹۰۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ –

شیخ علاؤالدینؒ

بن شیخ نورالدین اجودھنی، حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں۔ فریدِ دہر اور وحیدِ عصر تھے، صاحبِ اخلاقِ حمیدہ و صفاتِ ملکیہ۔ ابتدائے فطرت سے مہذّب و مؤدب تھے۔ درویشوں کے اخلاق اور اُن کے کمالات حسبِ جبلّت آپ کی ذات میں مرکوز تھے، اور صفاتِ حلم و کرم و سخاوت و عفو و صفح کے جامع تھے۔ حظِّ نفس اور آسائشِ تن کے اسباب میں سے کسی چیز کو اپنے پاس راہ نہ دیتے تھے۔ اس زمانے میں آپ کو فریدِ ثانی کہتے تھے، آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی روحانیت سے رابطۂ خاص اور اعتقادِ کامل تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ایک درویش آپ کے پاس آیا، اُس کے پاس تریاق تھا۔ آپ نے کہا کہ ہمارے پاس بھی تریاق ہے۔ آؤ امتحان کرلیں۔ ایک چڑیا کو پکڑ کر اس کے حلق میں زہر کا ایک قطرہ ٹپکایا، اور حضرت خواجہؒ کے لنگر کی روٹی کا ایک ٹکڑا پانی میں گھول کر اس کو پلادیا، وہ فی الفور زندہ ہوگئی۔

ولادت باسعادت ۲۷۸ھ میں اور وفات ۸۴۹ھ میں ہوئی، مقبرہ پرانی دہلی کے قریب سرائے میں ہے، اب وہیں آپ کی اولاد رہتی ہے۔

رحمۃ اللہ علیہم

سیّد سلطان بہرائچیؒ

حضرت والد فرماتے تھے کہ یہ ایک اہلِ دل، خاکسار اور صاحبِ ہمت درویش تھے۔ حضرت شیخ علاؤالدین اجودھنیؒ کے مرید تھے مگر تلقین وارشاد مشربِ شطاریہ سے رکھتے تھے، لباس میں صرف سترِ عورت پر اکتفا کرتے اور اکثر اوقات ننگے سر رہتے تھے، کبھی فقراء کی جماعت کے ساتھ رہتے اور کبھی تنہا، بنیادی رسوم کے مقید نہ تھے، ذکرِ جہر بہت کرتے تھے، اور ذکر کی ضرب جو قلبِ صنوبری پر لگاتے تھے بعینہٖ ہتھوڑے کی آواز معلوم ہوتی تھی اور اکثر کثیر ہوتی تھی۔

حضرت والد فرماتے تھے ابتدائے طلب میں ایک دن میں اُن کے پاس بیٹھا تھا، وہ لکھنے میں مشغول تھے اور میں سر جھکائے ذکر میں مشغول تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد غصہ سے میری طرف دیکھا اور پھر اُسی وقت تبسم کیا اور اٹھ کر مجھے بغل میں لیا اور بہت مہربانی فرمائی، لیکن مجھے اس حقیقتِ حال کے دریافت کرنے کی مجال نہ ہوئی۔ جب میں ان کی خدمت سے اٹھا تو میں نے سنا کہ انہوں نے خود اور کسی مجلس میں اس حکایت کو بیان کیا کہ آج ایک جوان میرے پاس آیا تھا کہ اُس کا دل ذکر کرتا تھا۔ مجھ کو اس پر غیرت آئی۔ میں نے چاہا کہ اس کے دل پر ایک طمانچہ ماردوں، ناگاہ ایک پیر حاضر ہوگئے اور انہوں نے کہا رحم کا مقام ہے۔

نقل ہے کہ آپ کی ایک ہندو عورت سے محبت ہوگئی تھی اور وہ آپ کی برکتِ توجہ سے مشرف باسلام ہوئی۔ اس کے قبیلہ والوں نے محمد زمان سے جو ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ

سید علیؒ

آپ کا قوام ارباب کمال و سکر و وجد و حال سے تھا ہمیشہ ایک حالت اور سرگرمی میں رہتے اور مجذوبانہ باتیں کرتے، کسی خاص لباس کے پابند نہ تھے، کبھی مشائخ کا خرقہ پہنتے اور کبھی سپاہیانہ لباس۔

اصل آپ کی سادات سوانہ سے ہے۔ ابتدائے طلب میں جونپور چلے گئے، وہاں درویشوں کی خدمت میں رہے اور شیخ بہاؤالدین جونپوریؒ کے مرید ہوگئے۔ قبول خاص اور حالت مخصوص نصیب ہوئی اور فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ چار عورتوں سے نکاح کیا اور وظیفہ دار بہت رکھتے تھے، جو کچھ فتوحات سے آتا نصف وظیفہ داروں کو تقسیم کر دیتے اور نصف منکوحات کو دے دیتے۔ فتوحات آپ کو برابر پہنچتی تھیں اور کبھی موقوف نہ ہوتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس برس تک کسی خادم کو حکم نہ کیا اور نہ خدمت لی۔ ایک دفعہ رات کو سوتے تھے کہ پیاس لگی جو شخص کہ رات کو جاتے خواب میں پانی رکھتا تھا وہ اس رات بھول گیا اور پانی نہ رکھا۔ آپ نے ہر طرف ہاتھ مارے پانی کا برتن ہاتھ نہ آیا۔ پھر سو رہے، پیاس نے پھر غلبہ کیا، پانی کی تلاش کی لیکن نہ ملا۔ جب پیاس انتہا کو پہنچ گئی۔ اور ہلاکت کے قریب پہنچے یہ نہ چاہا کہ کسی سے مانگیں اور خدا سے جو عہد کیا ہے اس کو توڑیں۔ موت پر کمربستہ ہوگئے اور کہا اے موت! اب تیرا وقت ہے۔ پھر بحکم اضطراب پانی کی تلاش

کے اقارب میں سے تھا دا دچاہی۔ اُس نے شیخ کو کہلا بھیجا کہ عورت کو گھر سے نکال دو ورنہ میں آتا ہوں۔ شیخ تلوار لے کر باہر نکلے اور کہا وہ مسلمان ہو گئی ہے اس کو کافروں کے سپرد کرنا جائز نہیں، اگر لڑائی کا دغدغہ ہے تو فوراً آجائیں اور دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ شیخ کے کہنے سے اُس کے دل میں رعب چھا گیا اور اپنے کہنے سے پشیمان ہوا۔

شیخ علاؤالدین کے مریدوں اور خلفاء میں سے ایک شیخ ابن انبر دہہ تھے، مردِ عزیز و مُسن و متبرک و مجذوب شکل تھے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

سید علاؤالدینؒ

سیدِ عالی نسب اور بابرکت درویش تھے، صاحبِ ذوق و حالت و حلاوت، ہندوستانی فنِ موسیقی میں خوب ماہر تھے اور شعر بھی کہتے تھے، آپ کی یہ غزل دارواتِ وقت سے ہے۔

غزل

ندانم آں گُلِ خنداں چہ رنگ و بو دارد | کہ مرغِ ہر چمنے گفت و گوئے او دارد
بجستجوی نیاید کسی مرادِ دلی! | کسی مراد بیابد کہ جُست و جُو دارد
نشاطِ بادہ پرستاں بمنتہا برسید | ہنوز ساقیِ ما بادہ در سبو دارد
حدیثِ عشقِ تو تنہا نہ من ہمی گویم | کہ ہر کہ ہست ازیں گونہ گفتگو دارد
متاعِ دل بکفِ دلبری بدہ تو علا | کہ ایں متاعِ گرانمایہ رانکو دارد

میں ہاتھ پھیلایا تو پانی کا بھرا ہؤا کوزہ مل گیا۔ پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ میں ان کی خدمت میں گیا تھا اور ان کی باتیں سنی تھیں، اثرِ ذوق وعرفان وطیبِ قلب اور سرگرمیٔ محبت اُن کے کلمات سے ظاہر تھی فرماتے تھے کہ میں جب سے پیدا ہؤا ہوں کسی دُنیا دار کے گھر نہیں گیا اور نہ ان میں سے کسی کو اپنے گھر پر بُلایا اور نہ کسی کے گھر اپنا خادم بھیجا ہے۔ فرماتے تھے بعض لوگ جو کسی کے گھر نہیں جاتے اور رقعہ لکھتے ہیں اور خادم بھیجتے ہیں یہ کچھ بات نہیں ہے۔ان سے توجہ کرنا ہی منع ہے خواہ کسی طرح سے ہو۔

فرماتے تھے کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں علیؔ اپنے دروازے پر ڈھول بجاتے ہو اور خلقت کے حال سے خبردار نہیں ہوتے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ڈھول ہے تو آپؐ ہی کا ہے اور اگر دروازہ ہے تو آپؐ ہی کا ہے، علیؔ بیچارہ درمیان میں کون ہے۔ فرمایا خلقِ خدا کے لئے دُعا کرو کیونکہ تمھاری دُعا ان کے حق میں مستجاب ہے۔

فرماتے تھے میں فقراء کا خادم ہوں، سارا دن اُن کی خدمت کرتا ہوں، سوائے اس کے کہ عصر اور مغرب کے درمیان وہ مجھ کو معاف رکھیں اور میرے احوال کے مزاحم نہ ہوں اور اُس ایک ساعت میں مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

فرماتے تھے کہ مجھ کو اُس طائفہ پر تعجب ہوتا ہے جو قوالوں سے فرمائش کرتے ہیں کہ فلاں راگ یا فلاں غزل گاؤ ہمیں یہ پسند ہے، یہ پسند نہیں۔ میرا ذوق مقید نہیں ہے، میرے سامنے جو کچھ گاتے ہیں مجھ کو اچھا لگتا ہے بعد میں اسی پر ذوق کرتا ہوں۔

آپ کی قبر جونپور میں ہے۔ وفات ۹۰۵ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ادھن جونپوریؒ

حضرت شیخ بہاؤالدین جونپوریؒ کے صاحبزادے اور اپنے زمانے کے مشائخ میں سے ہیں، بزرگ کامل تھے صاحب عظمتِ ظاہر بہت مُسن و معمّر و متبرک تھے۔ عمر سو برس سے تجاوز کر گئی تھی مگر ذوق و شوق و محبت میں ویسے ہی توانگی تھی ضعف کا یہ حال تھا کہ جب تک دو آدمی پکڑ کر نہ اٹھاتے آپ کھڑے نہ ہو سکتے تھے، بخلاف حالتِ سماع کے کہ اُس وقت اس قدر عشق و جوانی کا اظہار فرماتے کہ دس آدمی بھی پکڑ نہ سکتے تھے۔

نقل ہے کہ جب شیخ بہاؤالدین، شیخ محمد عیسیٰ کی خدمت میں تھے تو ہر نماز صبح میں شیخ کو تکبیر اولیٰ میں پاتے، یہاں تک کہ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی مر جاتا تو بھی وہ اس سعادت سے محروم نہ ہوتے، ایک روز اُن کا بیٹا فوت ہو گیا اور کوئی شخص موجود نہ تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین کرتا، ضرورت کے سبب سے مقید ہوئے اور اس وجہ سے آخر تشہد میں جماعت کے ساتھ شریک ہوئے، شیخ نے نماز سے فارغ ہو کر اُن کی طرف منہ کر کے فرمایا اس کے بعد نہیں مرے گا انشاء اللہ تعالیٰ، اس کے بعد شیخ ادھن متولد ہوئے، حق تعالیٰ نے پیر کی دعا کی برکت سے آپ کی عمر اور اولاد میں برکت دی۔

وفات ۹۷۰ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بھی جون پور میں ہے۔

نور اللہ مرقدہٗ

میاں قاضی خان ظفر آبادیؒ

شیخ حسن طاہرؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اس طریق کے صادقین میں سے ہیں صاحب استقامت وکرامت و حریت و زھد و تجرید۔ اگرچہ زمانے کے اعتبار سے آپ متاخرین میں داخل ہیں لیکن صفائے معاملہ کے لحاظ سے متقدمین میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

نقل ہے آپ فرماتے تھے کہ ہم نے تیس برس جان کو کھو یا اور ریاضتیں کیں تب کہیں نفس کی فریب کاریوں کا تھوڑا سا علم ہؤا اور یہ جانا کہ نفس کیونکر رہزنی کرتا ہے اور کون کون سی کمین گاہیں رکھتا ہے۔

نقل ہے کہ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے ہر چند آپ سے قبولِ نذر کی التماس کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔

ایک دفعہ اس نے ایک سفید کاغذ مُہروں اور نشانوں کے ساتھ جو فرمان میں ہوتے ہیں آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ جس موضع اور جس مقدار کو وہ چاہیں اس میں لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا ہم کو ضرورت نہیں ہے اور ضرورت کے بغیر مسلمانوں کا حق لینا جائز نہیں ہے۔ اور ہم نے اپنے پیر کی خدمت میں عہد کیا ہے کہ ؎

انفدا خواہم وازغیر نخواہم بخدا
کہ نیم بندۂ غیر و نہ گدای دگراست

عرض کیا گیا کہ اپنے فرزندوں کو عنایت کر دیجئے شاید ان کو ضرورت ہو فرمایا ہمارا ان پر حکم نہیں ہے۔ وہ جانیں لیں یا نہ لیں جب یہ فرمان آپ کے بڑے بیٹے شیخ عبداللہ

کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے بھی قبول نہ کیا اور کہا بیٹے کو چاہیئے کہ باپ کی متابعت پر رہے، جب ہمارے والد نے قبول نہ کیا ناچار ہم کو بھی وہی کرنا چاہیئے جو انہوں نے کیا

حضرت والد فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں چند آدمیوں کے ساتھ جونپور سے دہلی آتا تھا جب ظفر آباد کے نزدیک گزر ہوا چونکہ شیخ کی ملازمت واجبات وقت سے تھی لہذا شیخ کی خانقاہ میں آئے اور اُن کے باہر آنے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

جب نماز کا وقت ہوا تو شیخ اور دوسرے صوفی خلوتوں سے باہر نکلے اور نماز کے بعد شیخ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا مخدوم کہاں سے آئے ہیں۔ اور کہاں جائیں گے اور آپ کون لوگ ہیں۔ اور کیا نام ہیں۔ اُن کی ہر ایک بات کا جواب دیا گیا۔ ما حضر درویشانہ جو اُن کے پاس تھا حاضر کیا گیا اور ہم کو رخصت کیا۔ حضرت والد فرماتے تھے کہ جس وقت ہم اُن کی خدمت سے باہر آئے ہم پر گریہ کا غلبہ ہوا کہ جس کی کیفیت کو نہیں پہنچ سکتے وہ تمام دن رونے ہی میں گزرا۔

مزار شریف ظفر آباد میں ہے۔ وفات پندرھویں صفر ۷۰۹ھ کو ہوئی۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ محمد مودود لاریؒ

ماہرینِ علم توحید اور رندانِ مشربِ تجرید و تفرید سے تھے۔ حریفِ ننگرف تھے مشربِ عالی اور ہمت بلند رکھتے تھے ۹۰۰ھ میں اس ولایت میں تشریف لائے۔ اور شیخ امانؒ سے آپ کی خوب صحبت رہتی تھی شیخ امان نے آپ کی خدمت میں علم توحید کا استفادہ اور کتاب فصوص الحکم وغیرہ کی تحقیق کی۔

کہتے ہیں کہ جب رات ہوتی اور آپ نشاءِ ذوق و حالت سے سرگرم ہو جاتے تو فرماتے ہاں دیوانے اب بات کہنے کا وقت ہے کتاب کو اٹھا کر رکھ دو اور بات سنو اس وقت جو کچھ حقائق و اسرار زبانِ حال پر آتے بیان فرماتے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو بعض عجیب و غریب علوم مثلاً کیمیا وغیرہ معلوم تھے اور بارہا شیخ امان سے فرمایا کرتے کہ میں ایک درخت پُر بار ہوں مجھ کو ہلا اور میوے چن لو وہ کہتے ہمارے لئے آپ کی توحید کی باتیں سو کیمیاؤں کے برابر ہیں یہی کافی ہیں شیخ امان کے حق میں فرماتے تھے میں نے ایک جوہرِ قابل پایا لیکن افسوس کہ ایک آنکھ رکھتا ہے اور بات چیت میں بھی ان کو کور کہتے تھے

آپ ایک مدت تک آگرہ میں رہے پھر شیخ امانؒ سے علاقہ محبت و رابطۂ خدمت کے باعث پانی پت میں جا کر سکونت فرمائی شیخ امان نے آپ کے لئے بقدر کفایت مدد معاش بھی حاصل کی آپ نے وہیں وفات پائی آپ کی اور شیخ امان کی قبریں ایک جگہ ہیں۔ قدس اللہ سرہما۔

شیخ محمد حسنؒ

شیخ حسن طاہرؒ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ عارفانِ روزگار سے تھے حالِ صحیح اور مشربِ عالی رکھتے تھے کہتے ہیں کہ جب آپ خلوت سے باہر تشریف لاتے تو ہندو یا مسلمان جو کوئی آپ کو دیکھتا فوراً تکبیر کہتا اور تعجب کرنے لگتا۔ علم و حال کے جامع تھے اور مظاہرِ صوریہ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

والدِ بزرگوار کی جانب سے آپ کی اصل نسبت سلسلۂ چشتیہ سے ہے مگر آپ کا غالب ارتباط سلسلۂ شریفہ قادریہ سے ہے برسوں حرمِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور رہے اور مشائخ قادریہ سے جو یمن میں رہتے تھے بیعت و اجازت حاصل کی۔ حضرت شیخ حاجی عبدالوہابؒ جب دوبارہ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تو آپ کو اپنے اصلی وطن میں لائے۔

ولادت باسعادت جونپور میں ہوئی تھی اور اقامت آگرہ میں رہی۔ قبر شریف دہلی میں بجے منڈل کے نیچے اپنے والد ماجد کی قبر کے برابر ہے۔ قدس اللہ سرھما

کہتے ہیں کہ آپ عصر کی نماز کے بعد رات کی آمد کے ایسے منتظر رہتے تھے جیسے کوئی محبوب کا منتظر ہوتا ہے شام ہوتے ہی خلوت میں چلے جاتے، حجرے کا دروازہ بند کر لیتے اور شمع روشن کر کے مشغول باحق ہو جاتے اگر کبھی مقتضائے وقت ہوتا تو اس طائفہ کے علم سے متعلق کچھ لکھتے اور جب تحریر پوری ہو جاتی تو اس کو

جلا دیتے یا قینچی سے کتر ڈالتے۔ آپ کے بعض مکتوبات جمع کر کے یک جا لکھے گئے ہیں۔ بعض رسائل بھی ہیں اور چونکہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے اس لئے بعض مرید آپ کو شاہ خیالی کہتے ہیں۔

آپ کے مرید بہت تھے۔ محررِ سطور کے منجھلے چچا شیخ فضل اللہ جن کا عرف شیخ منجھو ہے آپ ہی کے مرید ہیں یہ آپ کے آخری مرید تھے۔ شیخ منجھو ایک صاحبِ برکت و نعمت شخص تھے، اشغال و اوراد میں مشغول اور پیر کی محبت سے مغلوب تھے صاحبِ ذوق و حالت اور مقبولِ مشائخ و مجاذیب تھے اور ظاہری برکت و نعمت ان میں موجود تھی۔ رحلت کے وقت بہت مردانہ وار تشریف لے گئے۔ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہ ۔

شیخ محمد حسن کی وفات ستائیسویں رجب ۹۴۴ھ کو ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے مکتوبات میں سے یہ چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

تو جان لے کہ ایک عالم ایسا ہے جس کا معلوم کرنا حواس کے سوا اور کسی چیز سے ممکن نہیں قل ھو الذی انشاءکم وجعل لکما السمع والابصار والافئدۃ (تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے) اور ایک دوسرا عالم ہے جس کا ادراک عقل کے سوا اور کسی چیز سے ممکن نہیں (العقل نور یقذفہ اللہ تعالیٰ فی قلوب المومن فیفرق بہ بین الحق والباطل والصواب والخطاء (عقل ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایک مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ پس وہ اس کے ساتھ فرق کرتا ہے۔ حق و باطل اور صواب و خطاء میں) اور ایک عالم ہے جس کا ادراک بجز علم کے نہیں ہو سکتا۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پس دریافت کرو اہل ذکر سے

اگر تم نہیں جانتے (اور ایک عالم ہے جس کو عشق کے سوا اور کوئی نہیں جانتا و ھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ (وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تمہارے اوپر نگہبان)

اے عزیز طورِ حسن اور طورِ عقل اور طورِ علم کے پرے ایک اور طور ہے جس کو طورِ عشق کہتے ہیں اس طور میں وہ وہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو کسی اور طور میں معلوم نہیں ہوتیں عرف من ذاق الاطال شوق الابرار الی لقائی وانا الیھم لاشد شوقا (جانا اُس نے جس نے چکھا سو دراز ہوا ابرار کا شوق میرے ملنے کی طرف اور میں ان کے ساتھ بہت شوق رکھتا ہوں)

اے جوان مرد معنی صورت کے مشتاق ہیں اور صورت معنوں کی مشتاق ہے۔ مولیٰ بندہ کا مشتاق ہے اور بندہ مولیٰ کا مشتاق ہے ؎

بانگ می آید کہ اے طالب بیا ۔۔۔ جُود محتاج گدایان چوں گدا

جُود می جوید گدایانِ ضعاف ۔۔۔ ہمچو خوباں کائینہ جوید صاف

ذات صفت کی عاشق اور صفت ذات کی عاشق ہوگی عاشق کی حرکت سکون ہوئی اور عاشق کا سکون حرکت ہوا۔ آثار افعال سے اور افعال آثار سے جدا نہیں ہوتے کسر سے انکسار اور انکسار سے کسر جدا نہیں ہوتے افعال اور آثار افعال ذات و صفات کی جائے ظہور تجلی ہیں اور مولیٰ تبارک تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفاتِ کمال کے سوا ممتنعات و محالات سے ہیں اُس کی ذات کے سوا اور کوئی چیز وجود نہیں رکھتی اور صفات کے سوا اور کوئی مشہود نہیں وحدت ذات کی مقتضا ہوئی اور کثرت مقتضائے صفات ؎

این جملہ صفت کہ کردی اثبات ۔۔۔ می دان ہمہ بی تصرفِ ذات

اور ایہمہ صفات می خوان ۔۔۔ بیکن صفتش ہمہ یکی دان!

شاہ عبدالرزاق جھنجانہؒ

شیخ محمد حسنؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ مشائخ قادریہ سے ہیں۔ بڑے صاحب کمال اور متوالے تھے۔ آپ سے متعلق بہت خوارق و کرامات نقل کرتے ہیں۔ اوائل میں آپ نے تحصیل علم کی، پھر مشرب عشق و محبت غالب آیا۔ ریاضات شاقہ میں مشغول ہوئے اور مجاہدہ سے مشاہدہ کے مرتبہ کو پہنچے۔ کہتے ہیں کہ آپ کو حضرت علیہ قادریہ سے کمال نسبت تھی اور آنحضرتؐ سے بلا واسطہ اذن و اشارہ پاتے تھے۔ اور اس سے زیادہ کیا کمال ہوگا کہ کسی کو آنحضرتؐ سے بلا واسطہ فیض حاصل ہو۔ آپ شدائد پر صبر کرنے اور تحمل بلا میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ غالباً آپ کے اور شیخ امان پانی پتیؒ کے درمیان مسئلہ توحید و اطلاق وجود و عینیت و غیریت اور بعالم کے مسئلہ پر بحث ہوئی تھی۔ آپ اور بعض دیگر مشائخ عصر اطلاق حق کو اور رنگ سے بیان کرتے تھے۔ شیخ امان کا اس باب میں ایک رسالہ ہے جس کا نام اثبات الاحدیۃ ہے اور مخالفین ان کو وجودیۃ کہتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ ایک سیدؒ کسی سپاہی کے ہاتھ میں گرفتار تھے۔ شیخ نے ان کو قید میں دیکھا تو ان کے ضامن ہوئے اور ان سے کہا کہ تم شہر سے چلے جاؤ اور تمہارے بدلے میں قید ہو جاؤں گا۔ اس سبب سے آپ پر بڑی سختیاں ہوئیں لیکن آپ نے سب کچھ برداشت کیا اور اپنے تئیں ظاہر نہ کیا۔

شاہ عبدالرزاق کے مرید اور خلفاء بہت ہیں۔ سید علی جو لدھیانہ میں ہیں آپ ہی کے مرید ہیں یہ سن رسیدہ مشغولِ ذکر اور صاحبِ ذوق ہیں ۔

شاہ عبدالرزاق کی وفات ۹۴۹ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ایک رسالہ میں لکھتے ہیں کہ قریب تر راستہ ذکر ہے اور اس سے بھی قریب تر صورتِ پیر و مرشد کے ساتھ مشغول ہونا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ جس کسی کے توفیق رفیقِ حال کرے کہ اس کو مشغولی واسطۂ پیر حاصل ہو جائے، اس کے لئے اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر اسی ملاحظہ میں مشغول رہے ۔ اگرچہ کوئی اور ریاضت نہ کی ہو فقط یہی اُس کو خدا تک پہنچا دے گی ۔ اور مبتدی کو پیر کی صورت میں مشغول ہونے کے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ عالمِ الٰہی عالمِ معنیٰ ہے اور اس کا دیکھنا ممکن نہیں ہے مگر صاحبِ کمال کی صورت میں، کہ انسانِ کامل کی ذات ذاتِ حق ہے اور کمالاتِ حق کی مظہر ہے ؎

مظہرِ تام غیرِ انسان نیست　　　که همه کون را مسخر کرد
انبیاء اولیاء را حق بدان　　　سترِ مخفی کردہ ام با تو بیان

شیخ امان پانی پتیؒ

اسمِ گرامی عبدالملک ہے اور لقب امان اللہ لوگوں کی زبان پر اکثر لقب کا جزوِ اوّل ہی مشہور رہے۔ یہ علمائے صوفیہ موحدہ سے ہیں اور شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کی متابعت کرتے تھے۔ علم تصوّف میں مرتبۂ بلند اور پایۂ ارجمند رکھتے تھے مسئلہ توحید کی تقریر میں آپ کا بیان کافی وشافی ہوتا تھا۔ توحید کی باتوں کو فاش کہتے اور فرماتے تھے کہ اگر پایۂ انصاف درمیان میں ہو تو اس علم کو منبر پر بیان کیا جا سکتا ہے اس طرح کہ اس میں اصلا انکار کی مجال نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ ابتدائے حال میں مجھ کو توحید کے مسئلہ پر دو دلیلیں معلوم تھیں اور اب عنایت الٰہی سے سو دلیلیں مل گئی ہیں

علم تصوّف و توحید میں آپ کی بہت کتابیں اور رسائل ہیں اور آپ کے کلام سے آثارِ تحقیق ظاہر ہیں۔ ایک رسالے کا نام اثبات الاحدیۃ ہے۔ جس میں بیان اطلاقِ حق اور حقائق کو بینہ کے ساتھ اس کے احاطہ کو انواعِ کمل اور کلماتِ محققین اہلِ توحید کے مطابق بیان کیا ہے۔ لوائح مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ پر بھی ایک شرح لکھی ہے۔ نہایت بسیط وطویل اس کے شروع میں ایک بہت جامع ومفید مقدمہ ہے۔

تہذیب اخلاق اور تخریبِ عادات میں مرتبۂ کمال رکھتے تھے فرماتے تھے میرے نزدیک درویشی کا سرمایہ دو چیزیں ہیں تہذیبِ اخلاق اور محبتِ خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کمالِ محبت کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے اس کے متعلقین

تک تجاوز کر جائے پس محبتِ حق تعالیٰ کے کمال کی علامت یہ ہے کہ اُس کی محبت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور محبتِ پیغمبر کی علامت یہ ہے کہ آپؐ کے اہل بیت سے محبت کرے

نقل ہے کہ اگر آپ کے درس کے وقت سادات کے بچے کھیلتے ہوئے اس کوچہ میں آجاتے تو یہ کتاب بغل میں لے کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ بچے کھڑے رہتے آپ کو بیٹھنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔

یہ تصوف میں ملامتیہ مشرب رکھتے تھے آپ کی مجلس میں ذکرِ دُنیا، بے فائدہ گفتگو اور لوگوں کی غیبت نہ ہوتی تھی۔ آپ کے اوقات ذکرِ حق اور نشرِ علوم سے معمور تھے۔ کتبِ صوفیہ سے بہت شغف رکھتے تھے۔ اور ان کے مطالعہ وتدریس میں مشغول رہتے تھے فرماتے تھے۔ اللھم ارزقنا افعالھم واقوالھم۔

فرماتے تھے کہ اس علم کا قال، عین حال ہے فرماتے تھے کہ ہر شخص کو کسی چیز میں کشائش دی گئی ہے۔ ہماری کشائش صوفیہ کی کتابوں میں ہے اگر کوئی طالب ارادت سے آپ کے پاس آتا تو اُس سے فرماتے کہ کچھ پڑھو کیونکہ ہمارا یہی طریق ہے اس سبب سے آپ کے پاس عوام الناس کا ہجوم بہت کم ہوتا تھا اور خانقاہ دربان رکھتے تھے۔ طالبوں کو عشقِ صورت سے منع کرتے اور فرماتے تھے کہ اس کام میں مبتلا ہونا مبتدی کو اصل کام سے باز رکھتا ہے۔ اسبابِ آرائش اور کھانے پینے کی چیزیں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ کبھی زمین پر پہلو نہ رکھتے تھے اور کھانا تھوڑا سا چکھ لیتے تھے اور تمام احوال میں نقرار کے ساتھ تسلیم کے طریقے پر چلتے تھے

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک دیوانہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ امان امان اسی وقت

ہیلے آسمان سے ہزار گائیں اتری تھیں اور ابھی مغلوں نے سب چھین لیں،
میرے ساتھ چلو اور ان سے میری گائیں دلوا دو، حاضرین مجلس نے مضحکہ اڑایا،
نے ان کو منع کیا۔ درویش کی خدمت کی اور کھانا حاضر کیا اور پانی دیا۔ درویش
ھانا کھایا اور پانی پی کر سو رہا ، تب اُس کی وہ حالت جاتی رہی اور چلا گیا
۔ نے اپنے یاروں سے کہا مجذوبوں کو چیزیں دکھائی دیتی ہیں، تم کیسے انکار
ے ہو، عالم نمودی سامنے نہیں ہے کیا عجب اگر اس کو ایسے ہی دکھلا دیا گیا ہو۔
کہتے ہیں کہ آپ سے کبھی کبھی فرض نماز فوت ہو جاتی تھی باوجودیکہ آپ ہمیشہ
ضور میں رہتے تھے، اور یہ جو کچھ آپ کے علم و حال و صدق و کمال کے بارے
قول ہے اس کو احسن تاویلات کے سوا اور کسی شے پر محمول نہ کرنا چاہیئے،
کو جا گتے تھے اور ہر بار جب اٹھتے وضو تازہ کرتے اور تواجد کرتے تھے اکثر
ے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال
نقل ہے کہ آپ کو بارہا دیکھا گیا کہ نماز شروع کرتے اور ایاک نعبد و ایاک
بیعت سے آگے نہ بڑھ سکتے تھے اسی کلمہ کی تکرار کرتے تھے اور آخر بیہوش
ر پڑتے تھے، اور بارہا دیکھا گیا کہ جب نماز شروع کرتے تو چہرہ کا رنگ
ل ہو جاتا تھا اور ارکان نماز میں قیام کی طاقت نہ رہتی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔
یہ شیخ محمد حسن کے مرید اور شیخ محمد مودود لاری کے شاگرد تھے۔ اکثر سلسلوں سے
رکھتے تھے اور مشرب قلندریہ میں دو واسطوں سے شاہ نعمت اللہ ولی تک
ہیں۔ تمام سلسلوں میں سے سلسلۂ علیہ قادریہ کے ساتھ آپ کا اعتقاد و تعلق
غالب اور محکم ہے۔

نقل ہے کہ آپ بعض دوستوں کی تقریب سے دہلی تشریف لاتے تھے۔
آخری مرتبہ جب رحلت کرنے کو تھے تو رخصت کے وقت یاروں کی طرف دیکھا
اور فرمایا اس دفعہ دو سفروں میں سے ایک میسّر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ، شیخ زکریا اجودھنی
جو آپ کے اصحاب میں مخصوص اور احباب میں منتخب تھے انہوں نے التماس کی کہ
یار بھی ہمرکاب ہوں گے۔ فرمایا اگر سفر ظاہری ہے تو یاروں کے ساتھ ہے اور
اگر دوسرا سفر ہے تو ہم نے یاروں کو خدا کے سپرد کیا۔ پھر جب گھر میں پہنچے تو سب
لوگوں اور سب چیزوں کو رخصت کیا، کتاب کو کھولتے اور دیکھتے اور وداع کرتے تھے
اور کہتے تھے کہ میں تجھ سے بہت محظوظ ہوا ہوں اور بہت فائدے حاصل کیے
ہیں، اسی طرح حجرہ اور در و دیوار کو وداع کیا۔ اسی اثنا میں آپ کو بخار لاحق ہوا۔ فرمایا
کہ پانی خوب گرم کریں اور نکورے آبخورے لائیں کہ آج تمام عمر کے وسوسے زائل ہوتے
ہیں۔ گیارھویں ربیع الآخر کو حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا عرس کیا اور فرمایا
کہ صاحبوں سے تقدم نہ کرنا چاہیئے اور جو کھانا کہ پکایا تھا اس کو تقسیم کیا۔ بارھویں ماہ
مذکور کو آپ پر سکراتِ موت کے حالات نے غلبہ کیا، اور اُس حالت میں فرماتے تھے
کہ مشائخ طریقت کھڑے ہیں اور توحید کا فتویٰ مانگتے ہیں۔ آپ کی زبان پر کلماتِ توحید
جاری ہوئے، وفات بارھویں ربیع الآخر، ۹۵۸ھ کو ہوئی۔ رحمت اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ امان ؒ کے معتقدین اور شاگرد بہت ہیں۔ شیخ تاج الدین بن زکریا اجودھنی
جو حسنِ اخلاق اور معرفتِ کتبِ تصوّف و توحید میں شیخؒ کے طریقہ پر چلتے تھے۔ اور
شیخ رکن الدین جو ذوق اور توحید کی باتوں اور وجدانیات میں ممتاز تھے شروع میں
آپ کے حلقۂ استفادہ میں داخل تھے۔ اور آخر میں شیخ سلیم سیکری کی صحبت میں

چلے گئے تھے، اور شیخ حسین چشتی جو حسنِ خط اور جودتِ طبع اور شعر و ذوق سماعت میں ممتاز تھے، اُن کا یہ شعر تازگی سے خالی نہیں ہے۔ ؎

چنیں کر بر پرِ طاؤس قیس را میل ست   مگر در واڑی پائے ناقۂ لیلی ست

مولانا حسین نقشی جو خط و کتابت اور مُہر کنی کی صنعت میں بے بدل اور متبرک و سخی و بیدار دل و خوش وقت و خوش خلق و ولایت شعار تھے اور خوش طبعی اور دوستوں کی طرف داری میں بے نظیر تھے شیخ بہلول کے مرید ہیں لیکن آپ کی خدمت میں بھی محبت و اعتقاد و ملازمت رکھتے تھے، اور انہیں میں سے شیخ سیف الدین اس فقیر کے والد ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم

شیخ سیف الدینؒ

اِس فقیر کے والدِ بزرگوار ہیں۔ شیخ امان پانی پتیؒ کی خدمت میں نہایت محبّت و اعتقاد و بندگی رکھتے تھے۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ان کا ذکر شریف ہو اور آپ کو گریہ وحالت و گرمی حاصل نہ ہوئی ہو۔ حضرت شیخ کی خدمت میں اُن کے یاروں کا سلوک زیادہ تر ایسا ہوتا تھا جیسا تلامذہ کا اساتذہ کے ساتھ، بخلاف والدِ فقیر کے جو شیخ سے نہایت ارادت و محبت کے ساتھ موصوف تھے۔ فرماتے تھے کہ فقیر کو سات برس کی عمر سے درویشوں کا دردِ طلب اور شوقِ بندگی دامن گیر تھا اور اُن میں سے بہت سے درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوا مگر یہ مقصد انہی کی خدمت میں حاصل ہوا۔ کسی اور میں نہ ملا۔ اور جو ربط و تعلق کہ دل کو ان سے ہوا اور کہیں نہ ہوا اور جو تسکین و یقین ان کی صحبت کے طفیل ملا اور کسی سے حاصل نہیں ہوا۔ لہٰذا انہوں نے میرے والد بزرگوار کو عنایتِ خاص سے مخصوص کیا اور خلافت کا خرقہ پہنایا۔ اور خلافت کی سند چند روز تک اپنے خطِ خاص سے تحریر کی، اس میں بہت سے علومِ صوفیہ درج کیے اور شغلِ باطن جس کو سجودِ قلب کہتے ہیں سکھایا اور بعض کتبِ صوفیہ جو اس میں ضروری ہیں آپ کو پڑھائیں۔

حضرت والدِ بزرگوار اوائلِ حال میں ایک عالمِ ظاہر سے جو سلسلۂ سہروردیہ سے نسبت رکھتے تھے بیعت ہو گئے تھے۔ جب شیخ امانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

عرض کیا کہ بندہ آپ کی خدمت میں آنے سے پہلے کسی جگہ بیعت ہو گیا ہے اور اب آپ کا جاذبۂ محبت اور ارادت سب پر غالب ہے کیا کیا جائے۔ فرمایا کچھ غم نہیں۔ المرءُ مع من احبّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہو گی) اس راہ میں محبت ہی کا اعتبار ہے۔

فرماتے تھے کہ پہلے دن جب میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا کہ کچھ اپنے احوال مع تصورات وخیالات کے بیان کرو۔ میں نے عرض کیا مجھ کو احوال ہی نہیں پھر تصورات وخیالات کیا ہوں گے۔ فرمایا میں اس لیے پوچھتا ہوں کہ تمہاری طبیعت کا میلان معلوم ہو کہ کس مشرب کی طرف واقع ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اکثر اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا عرش سے فرش تک میرے احاطے میں ہے اور میں سب پر محیط ہوں۔ فرمایا تم میں توحید کا تخم بویا ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد تربیت کی اور تلقین فرمائی۔ ایک رات انہوں نے مجھے اپنی خلوتِ خاص میں طلب کرکے فرمایا ایک راستہ ہے جس سے دو قدم میں خدا تک پہنچتے ہیں اور ایک راستہ ہے کہ جس سے ایک ہی قدم میں پہنچ جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یا وجود ہے یا عدم والعدم لیس بشیءٍ (اور عدم نہیں ہے کسی شے کے ساتھ) وجود وہی حق تعالےٰ ہے اس طریق سے ایک قدم میں خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ایک مشغولی فرمائی جس کو سجودِ قلب کہتے ہیں اور فرمایا کہ پانی پہ چلنا اور ہوا پر اڑنا اور آگ میں پڑنا یہ سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے مگر یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ قدس اللہ سرہٗ۔

خاتمۂ کتاب میں والدِ بزرگوار کے کچھ احوال وکلمات کا تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

سلطان جلال الدین قریشیؒ

آپ کے متعلق عجیب وغریب احوال سننے میں آئے ہیں جو تحریر و تقریر سے باہر ہیں۔ یہ ایک درویش تھے صاحب حالت و مجذوب صورت۔ اکثر اوقات سرپا برہنہ رہتے اور جنگلوں میں پھرا کرتے تھے۔ لباس میں صرف ستر عورت پر اکتفا کرتے۔ علوم عقلی و نقلی و رسمی و حقیقی سب آپ کو یاد تھے اور جب کبھی ان کے بارے میں تقریر کا موقع ہوتا تو خوب بیان فرماتے۔

یہ جوان تھے اور کسی شخص اور کسی چیز سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ غلبۂ حال کے باوصف احکام شریعت کے مقید تھے۔ آپ کی نظر ہمت میں کسی دنیادار کو اعتبار حاصل نہ تھا۔ جس شہر یا گاؤں میں جاتے وہاں کے لوگ آپ کے معتقد ہو جاتے اور بہت ہجوم کرتے تھے۔ یہ کسی کو مرید نہ کرتے اور فرماتے تھے میرا ایک مرید ہے ہشام نام، جو مجذوب ہے اور صحرا میں پھرتا رہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو علم میں نسبت فیض تھی۔ عربی، فارسی اور ہندی میں کلام کرتے تھے اکثر اوقات خوب باتیں کرتے، جب گرم سخن ہوتے تو اٹھ کر صحرا کی طرف نکل جاتے۔

ملا نور محمد نارنولی کہتے تھے کہ ایک دفعہ مسجد میں کچھ محتسب بیٹھے ہوئے تھے اور صبح کی نماز کا وقت تھا۔ یہ آئے اور صف کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور نماز کی نیت باندھ لی۔ لوگوں کو ان کی یہ حرکت ناگوار معلوم ہوئی، پھر چونکہ نماز کا وقت

تنگ تھا اور انہوں نے لمبی قرآت پڑھی اور نماز بھی ننگے سر ادا کی، لہذا اس کو وجہ الزام بنا کر لوگ ان سے بحث کرنے لگے۔ انہوں نے فقہ کی اتنی روایتیں پڑھیں کہ سب لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ آخر میں اس حدیث کا ذکر کیا۔ من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ (جو مجھے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کو یاد کرتا ہوں) اور بے اندازہ کلام کیا۔ جب گرم کلام ہوئے تو اٹھ کر جنگل کی راہ لی۔

کہتے ہیں کہ کسی عقیدت مند نے آپ کے ملفوظات کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کر کے آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر کنوئیں میں پھینک دی۔ نہایت تعلق محبت رکھتے تھے اور بار ہا یہ بیت پڑھتے تھے

سہ حاصل عشقت سہ سخن بیش نیست　　سوختم و سوختم و سوختم

اور کبھی کہتے تھے بیت

خام بدم پختہ شدم سوختم

قلندر یہ مشرب رکھتے تھے، عبادات میں سے فرائض و سنت پر اکتفا کرتے نصوص الحکم اور تصوف کی تمام کتابیں یاد تھیں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے پانچ برس تک کتاب کے واسطے کے بغیر علم حقیقت پڑھا تھا اور اس پانچ برس میں کسی آدمی کا منہ نہ دیکھا اور درخت کے پتوں کے سوا کچھ نہ کھایا اور رجال غیب آپ کے استاد تھے آپ کے جذب کا قصہ یہ ہے کہ کسی شخص پہ عاشق تھے اور شورش عشق ہی میں جذبہ حاصل ہو گیا۔ آخر کار اجمیر کی جانب چلے گئے۔ اجمیر کے صحرا میں ایک روحانی

صفت انسان کو دیکھا جو نہایت حسین و جمیل تھا۔ آپ اس کے پیچھے ہو لیے، کسی شخص نے پوچھا کیا وہ خواجہ خضرؑ تھے۔ فرمایا نہیں، خضر علیہ السلام کے دیکھنے کی علامت یہ ہے کہ اُن کے ظاہر ہونے سے پہلے تھوڑا مینہ برستا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ شخص مردانِ غیب سے تھا اور سات سو پچیس علوم جانتا تھا۔

فرماتے تھے کہ میرے مرشد ایسا حسن رکھتے تھے کہ شاید یوسفؑ کا ویسا ہو اور ایسے خوش الحان تھے کہ شاید داؤدؑ ویسے ہوں۔ فرمایا کہ جب میں مرید ہوا تو حکم ہوا کہ جاؤ کہیں نوکر ہو جاؤ۔ میں باہر نکلا تو ایک شخص نے سامنے آکر کہا کیا نوکری کرو گے، میں اس کے پاس نوکر ہو گیا اور بہت مال جمع کیا۔ پھر حکم ہوا کہ یہ سب کچھ لٹا دو۔ چنانچہ تین مرتبہ اُن کے فرمانے سے ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں ایک جنگل میں کہ جس کا نشان کوئی نہیں جانتا ایک حجرہ تھا۔ اس حجرے کے اندر ایک چشمہ تھا۔ حضرت شیخؒ حجرے کے اندر رہتے اور میں باہر پڑا رہتا۔ پانچ سال اسی حال میں گزر گئے۔ سوائے وقتِ نماز کے اور کسی وقت ملاقات نہ ہوتی تھی۔ یہ آنکھیں پھوٹ جائیں اگر اس پانچ سال کی مدت میں کسی آدمی کی شکل دیکھی ہو۔ انہوں نے تین سو سے زیادہ علوم مجھ کو سکھائے اور باقی کے متعلق کہا کہ جاؤ اتنا حوصلہ نہیں رکھتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ مردِ روحانی آپ کے سامنے سے گزرے، یہ اُن کے پیچھے بھاگے مگر انتہائی کوشش کے باوجود اُن تک نہ پہنچ سکے۔ بارہا گریہ کرتے اور نعرے مارتے تھے اور اپنے مرشد کی یاد میں یہ بیت پڑھتے تھے۔ ؎

دریغا مونسِ تنہائی ما! دریغا سرمۂ بینائی ما

دریغا دولتے رفت از سرِ ما ہمائے بر پرید از کشورِ ما

نیز یہ بیت پڑھتے تھے ؎

من مستِ مے عشقم ہشیار نخواہم شد — از رندی و قلاشی بیزار نخواہم شد

نقل ہے کہ ایک روز آپ کے سامنے کیمیا کا ذکر ہوا۔ آپ نے تھوک دیا اور فرمایا تف ہے عمل کیمیا پہ۔ وہ تمام تھوک تانبے کے ایک طباق پہ پڑا جو اسی وقت سونے کا ہو گیا۔

آپ کے بارے میں اور خوارق بھی سننے میں آئے ہیں۔ کئی بار دہلی میں آئے اور بیانہ و آگرہ اور اس کے نواح میں بھی اقامت کی۔ عمر شریف پچیس برس کی ہوئی اور ۹۴۰ھ میں وفات پائی۔ مزار شریف علاقہ مندلکر کے کسی گاؤں میں ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

میر سیّد ابراہیمؒ

بن معین عبد القادر الحسنی القادری الایرجی، مبارک بزرگ اور کامل دانش مند تھے۔ تمام علوم عقلی و نقلی و رسمی و حقیقی پہ عبور حاصل تھا۔ آپ نے ہر علم کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ و تصحیح فرمائی اور ان کی مشکلات کو ایسے حل کیا تھا کہ ایک ادنیٰ مناسبت رکھنے والے شخص کو آپ کی کتابوں پہ ایک سرسری نظر کافی ہے اور استاد کی ضرورت نہیں۔ فی الحقیقت اس زمانے میں دہلی میں آپ جیسا کوئی دانش مند نہ تھا۔ آپ کے کتب خانہ سے اتنی کتابیں اور اکثر آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نکلیں کہ حد شمار و حساب سے باہر ہیں۔ اور انصاف یہ ہے کہ آپ کے معاصرین میں سے جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا اور قائل

نہ ہوا اُس نے آپ کی علمیت کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

آپ اہلِ زمانہ کی جہالت، بے انصافی اور حق ناشناسی کے سبب ہمیشہ اپنے گوشۂ عزلت میں مطالعہ و تصحیح کتب میں مشغول رہتے اور درس کم دیتے اور لوگوں کو افادہ سے محروم رکھتے، اپنی کتابیں بھی لوگوں کو کم دیتے تھے مگر جس کسی کو مخلص پاتے اس کو دے دیتے۔ خدا جانے آپ کو اس میں کیا منظور تھا۔

شیخ عبدالعزیز حسن اور دیگر صوفی آپ کے پاس علوم صوفیہ پڑھتے تھے اور بڑے بڑے مشائخ و علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے جیسے علم و فضل کی تحصیل کی تھی اسی طرح درویشوں کی برکتِ صحبت اور مشائخ کے سلسلوں اور اُن کے خانوادوں کے ارتباط سے اوراد و اشغال و افکار و دعوات اور تربیت و ارشاد کے طریقے بھی جمع کیے تھے۔ سلسلۂ علیۂ قادریہ سے آپ کی نسبت سب پر غالب ہے۔ شیخ بہاؤالدین قادری شطاری رح کے مرید ہیں۔ شیخ بہاؤالدین رح نے طریقۂ شطاریہ میں جو رسالہ تصنیف کیا ہے کہتے ہیں کہ وہ آپ ہی کے لیے لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے بلاواسطہ حضرت شیخ نظام الدین رح سے عالمِ معاملہ میں خرقہ پایا تھا۔ یہ مجلس سماع میں شریک نہ ہوتے تھے۔

دہلی میں آپ سلطان سکندر کے عہد کے اواخر میں ۹۲۰ھ کے قریب تشریف لائے اور اسلام شاہ کے عہدِ حکومت میں ۹۵۲ھ میں وفات پائی۔ قبر شریف حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مقبرہ میں حضرت امیر خسروؒ کے روضہ کے پائین ایک خانقاہ میں ہے۔ علیہ الرحمتہ والغفران۔

سیّد رفیع الدّین صفویؒ

فضائلِ حسبیہ و نسبیہ کے جامع تھے۔ آپ کے آبائے کرام سب عالم و صالح متقی تھے۔ تفسیرِ معینی کے مصنف میر معین الدین آپ کے اجداد سے ہیں جو برسوں مدینہ شریف کے مجاور رہے اور اب تک بھی ان کی اولاد مکہ معظمہ میں رہتی ہے۔ یہ تفسیرِ معینی ایک نہایت مختصر، پاکیزہ و مفید تفسیر ہے۔ آپ کے اور رسائل بھی ہیں جو مقاصدِ جزئیہ میں غریب تحقیقات پر مشتمل ہیں۔ شیخ صفی الدین عبدالرحمٰن بھی کہ آپ ہی کی نسبت سے ان کے سلسلہ کو سادات صفویہ کہتے ہیں آپ کے اجدادِ عظام سے ہیں اور مشائخِ حدیث سے ایک قدوۃ المحققین مولانا جلال الدین محمد دوانی ہیں، اور ان کو سادات سلامیہ بھی کہتے ہیں۔ غالباً ان کے اجداد میں سے کسی نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ میں سے سلام کے جواب کی آواز سنی تھی۔

میر سید رفیع الدین بڑے عالم اور محدّث تھے۔ جُود و سخاوت و خلق و لطف سے بغایت موصوف تھے۔ معقولات میں مولانا جلال الدین دوانی کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولانا آپ کے آباؤ اجداد کی بزرگی اور سابقہ حقوق کی رعایت سے شیراز میں آپ ہی کے گھر آکر درس دیا کرتے تھے۔ حدیث میں آپ شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الحافظ المصری کے شاگرد ہیں جن کا شمار محققین اربابِ حدیث اور ان کے قدوۂ متاخرین میں ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ سخاوی نے میر رفیع الدین کے حاضر ہونے

سے پہلے ہی پچاس سے زیادہ کتابوں کی سندِ اجازت لکھ کر آپ کے پاس بھیج دی تھی بعدازاں یہ ان کے پاس پہنچے اور ان سے مشافہۃً حدیث شریف کو سنا اور مدت مدید تک شاگردی کی۔

سید کا اصل وطن شیراز ہے اور آپ کی ولادت بھی وہیں ہوئی تھی۔ بعدازاں آپ کے بعض آبائے کرام حرمین شریفین میں جاکر متوطن ہوگئے، آپ سلطان سکندر کے زمانے میں گجرات سے دہلی تشریف لائے۔ سلطان سکندر کو آپ سے اعتقادِ عظیم پیدا ہوگیا۔ اگرچہ آپ امورِ دنیا میں کسی مسائل و وسائط سے تعلق رکھتے تھے مگر سب میں اشارے سے کام لیتے اور خرچ کردیتے تھے۔ سلطان سکندر ہی کے اذن سے آپ نے آگرہ میں اقامت فرمائی۔ اور اب آپ کے اخلاف سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو آپ سے ادنیٰ نسبت فرزندی رکھتا ہو۔ آپ کا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا ہے اور اب کوئی شخص باقی نہیں رہا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ط

آپ کی وفات ۹۵۴ھ میں ہوئی۔ قبر وہیں ہے جہاں آپ کی قیام گاہ تھی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بہاؤالدین مفتیؒ آگرہ

نہایت بزرگ مرد تھے۔ عالم و عامل و معمر و متبرک و متدین تھے اور سخاوت اور مسلمانوں کی اعانت و امداد میں یگانۂ عصر تھے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں۔ وفات ۹۷۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہما۔

آپ کے صاحبزادے شیخ جنیدؒ بھی صالحین میں سے تھے۔

شیخ حاجی حمیدؒ

شاہ قاذنؒ کے مرید ہیں جو حضرت شیخ عبداللہ شطاریؒ کے مرید تھے، آپ نے بہت مسافرت کی تھی۔ کوزہ آپ کا گھڑے کے برابر ہوتا تھا۔ ہاتھ میں عصا او کندھے پر مصلا رکھ کر پھرتے۔ بہت ہی ضعیف الجسم تھے۔

شیخ محمد ملقب بہ غوث اور ان کے آٹھ بھائی آپ ہی کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ پہلے روز جب شیخ محمد ارادت کو گئے تو حاجی حمید اٹھ کر ان سے بغل گیر ہو گئے اور فرمایا آؤ شیخ محمد غوث، حاضرین نے پوچھا کہ بے سابقہ، کار ان کو غوث کیوں کہا۔ فرمایا کچھ خوف نہیں، باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھ دیتا ہے۔ شیخ ابوالفتح شاہ قاذن کے بیٹے تھے، جب حاجی حمید کے پاس ہجوم خلائق بہت ہوا تو آپ شیخ ابوالفتح کے پاس گئے اور ان سے خلافت لی تاکہ یہ رجوع خلائق پیرزادہ کی کوفت خاطر کا سبب نہ ہو، لیکن اصل میں آپ شاہ قاذن کے خلیفہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ محمدؒ اپنے شجرہ میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے اور اس سبب سے شیخ ابوالفتح ان سے رنجیدہ ہو گئے تھے۔

شیخ محمد غوث نے برسوں قلعہ کلینجر میں ریاضت کی اور اسمائے الٰہی کی دعوت کی تھی، آخر کار ان کو کامل عزت وشہرت ومال وجاہ وعظمت نصیب ہوئی اور نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ ان کا معتقد ہوا۔ ان کی وفات ۹۷۰ھ میں ہوئی اور مقبرہ گوالیار میں ہے۔ علمائے گجرات کا ان سے انکار کا قصہ مشہور ہے جو اُن کے بعض رسائل، جن کو معراج نامہ کہتے ہیں، کے سبب سے پیدا ہوا تھا۔ واللہ اعلم

شیخ بہلول، شیخ محمد کے بھائی تھے۔ وہ بھی شاہ مذکور کے اعتقاد کے باعث جاہ وعظمت کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ گئے تھے، اور آخر کو مرزا ہندال کے ہاتھ

سے شہید ہوئے۔ ان کی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ پر ہے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

میر سیّد عبد الوہاب رح

ابن سید عبد المجید ساڈھوری، متبرک و سن رسیدہ بزرگ تھے۔

نقل ہے کہ ایک بار بچپن میں اپنے والدِ بزرگوار کے ہمراہ غسل کرنے کو ایک حوض پر آئے ہوئے تھے۔ دفعتاً پانی میں سے ایک شخص نمودار ہوا اور آپ کو کھینچ کر حوض کے اندر لے گیا اور غائب کر دیا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد نسبتِ فیض اور فتح بابِ علم کے ساتھ پانی میں سے باہر نکلے۔

نیز نقل کرتے ہیں کہ ایک روز آپ کے والد ہدایہ فقہ کا درس دے رہے تھے اور آپ لڑکوں کے ساتھ وہیں کھیل رہے تھے، اثنائے درس میں کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوا، آپ نے دور ہی سے والد کو کچھ کہا کہ وہ مشکل حل ہو گئی، جوان ہونے کے بعد مطالعہ و تدریسِ علم میں مشغول ہوئے، ایک دن کتب خانہ میں جہاں ہر طرف کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور اجزا بکھرے پڑے تھے، بیٹھ کر مطالعہ کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص جس کے چہرے سے مردانِ غیب کی علامت ظاہر تھی آپ کی خلوت میں آئے اور کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ کیا ہیں اور ان میں مشغول رہنے سے کیا حاصل ہے، اُن کے اس کہنے سے آپ کے باطن میں ایک حالت پیدا ہوئی جس سے بے اختیار ہو کر طاعت و عبادت میں مشغول ہو گئے اور بحث و مطالعہ سے دست بردار ہوئے۔

آپ کی وفات ۹۶۵ھ میں ہوئی۔ قبر شریف ساڈھورہ میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

میر سیّد عبد الاوّلؒ

بن علاء الحسنی، حضرت میر سیّد محمد گیسو درازؒ کی اولاد سے کسی کے مرید ہیں جو دکن میں ہیں۔ دانش منداور کل علوم عقلی و نقلی و رسمی و حقیقی کے جامع تھے اکثر علوم میں آپ کی تصنیفات ہیں۔ صحیح بخاری پر ایک شرح لکھی ہے جس کا نام فیض الباری ہے۔ رسالہ فرائض سراجی کو نظم کرکے اس پر بھی شرح کا اضافہ کیا ہے۔ ایک اور فارسی رسالہ تحقیق و معرفتِ نفس اور اس کے متعلقات کے بیان میں نہایت محققانہ انداز میں لکھا ہے۔ ایک مختصر کتاب علمِ سیر میں لکھی ہے جو کتاب سفر السعادۃ کا انتخاب ہے، اکثر کتابوں پر حواشی، شروح اور تعلیقات لکھی ہیں۔

یہ بہت مسن و معمر ہو گئے تھے، آخر عمر میں آپ کے حال پر انکسار و غربت و مشرب کا غلبہ ہو گیا۔ اور تمام علوم رسمیہ کو بھول گئے تھے۔ آپ کے پاس ہر علم کی کتابیں موجود تھیں۔

سیّد کے آبائے کرام زید پور کے رہنے والے تھے جو جونپور کے مضافات میں ایک قصبہ ہے۔ پھر وہاں سے دکن چلے گئے اور وہیں آپ کی ولادت ہوئی اور تحصیلِ علم کرکے معزز و مکرم ہوئے۔ آخر میں گجرات تشریف لے گئے اور وہاں سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر احمد آباد میں واپس آ گئے۔ ۹۶۸ھ

آخرکار خانخاناں محمد بیرم خان شہید کی استدعا پر جو خلق خدا پر شفقت اور درویشوں کی محبت اور علماء و فضلاء کی تربیت میں باوجود اپنے علو شان و رفعت مکان کے دنیا میں بے نظیر تھا دہلی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ خان شہید سے ملاقات ہونے سے پہلے کم و بیش دو سال تک دہلی میں بقید حیات رہے۔ آخر ۹۶۸ھ میں رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔ قبر شریف قلعہ دہلی کے اندر ہے کہ شک زرد کے نزدیک گورغریباں میں خوابیدہ ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

نقل از رسالۂ معرفت نفس

فصل جان لو کہ نفس ایک مشترک لفظ ہے، کبھی نفس سے ذات اور حقیقت شے مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس آیت شریف میں ہے۔ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔ اور کبھی نفس سے روح علوی مراد لیتے ہیں اور اس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں، اور کبھی بخار لطیف مراد لیتے ہیں جو جوف دل سے حرارت غریزی کے سبب سے اٹھتا ہے اور رگوں کے راستے تمام اجزاء اعضا بدن میں جاری اور سر سے پاؤں تک تمام بدن میں ساری ہوتا ہے جیسے دو شخص قد و قامت اور لاغری و فربہی میں ایک دوسرے کے مثل ہوتے ہیں، ایک ظاہر جو بدن ہے اور دوسرا باطن جو نفس ہے، اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے جسم پر کرتا اور نفس کی مثال ایسی ہے جیسے بخار عمودی، جو کرتے کے تمام حصوں میں پہنچ کر کرتے ہی کی شکل میں نکلتا ہے، گویا ایک آدمی بخاری ہر آدمی کے بدن میں قائم ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ یہ بخاری انسان ایک جان دار ہے کہ جس کے سبب سے بدن کا حس و حرکت و حیات ہے۔ اور فی الحقیقت وہی متحرک و حساس ہے، اور بھوک اور سیری

اور حرص و ہوا اور تمام نفسانی صفات اُسی کے ساتھ قائم ہیں، اور تصوّف کے عرف میں لفظ نفس سے وہی مراد ہے۔

فصل ہر بدن میں روح انسانی وحیوانی وقلب ایک جزو حقیقی ہے جو کسی دوسرے بدن سے مغائر ہوتا ہے۔ مگر اس میں پوشیدہ وظاہر حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر روح، ایک ایسی روح اور ملک کی حیثیت رکھتی ہے جو وحدت وجزئیت کی صفت کے ساتھ تمام ابدان، نفوس وارواح انسانی سے متعلق ہے اور سب میں متصرّف، اور روح واحد کا بہت سے بدنوں سے متعلق ہونے کا بیان آسان ہے۔ مثلاً نفس انسانی، بدن اور اس کے تمام اعضاء واجزاء میں متصرّف ہے۔ فرض کیا کہ ایک نفس بہت قوی ہے اور جیسے کہ وہ بدن میں تصرف کرتا ہے ایسے ہی اس کا تصرّف تمام گھر اور اس کے درو دیوار تک ہوتا ہے اس طرح کہ وہ شرقی دیوار کو غربی بنا دیتا ہے اور غربی کو شرقی۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح ایک اور نفس اس سے زیادہ قوی ہوتا ہے جو تمام شہر میں تصرّف کرتا ہے پس تمام شہر بمنزلہ اس کے اعضاء کے ہے، بالکل اسی طرح ایک نفس تمام اقلیم میں اور ایک نفس تمام روئے زمین میں اور ایک نفس تمام عناصر میں اور ایک نفس تمام افلاک وعناصر میں تصرّف کرتا ہے، مثلاً جبرئیل علیہ السلام کی روح کہ ان کا بدن افلاک وعناصر کا مجموعہ ہے اور ساتوں آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ لہٰذا اُن کا مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے جو سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ادرک عبدی (پکڑ میرے بندے کو) یوسف علیہ السلام ہنوز کنوئیں

کی تہ تک نہ پہنچے تھے کہ جبرئیل ؑ نے اُن کو ہاتھ میں لے لیا۔ اور آسانی کے ساتھ نیچے اتار دیا۔ پس جبرئیل ؑم کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ انہوں نے سات ہزار برس کی مسافت کو ایک لحظہ میں کیونکہ طے کر لیا اور کنوئیں میں پہنچ گئے بلکہ ساتوں آسمان اور عناصر اُن کے اعضا ہیں اور اس عالم میں اُن کا تصرف بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی آدمی کا تصرّف اپنے اعضا میں، گویا کہ جبرئیل علیہ السلام کے گلے کے ہار میں سے ایک موتی گرا اور ابھی وہ سینے تک بھی نہ پہنچا تھا کہ اُنھوں نے ہاتھ میں لے لیا۔ ایسے ہی عزرائیل علیہ السلام کی روح ہے کہ تمام ارواح اُس کے اعضا ہیں، پس روحوں کے قبض کرنے میں ان کا تصرّف ایسا ہے جیسے کسی آدمی کا تصرّف اپنے اعضا میں۔

ان معنوں کا تصور معجزات انبیاء علیہم السلام اور کرامات اولیا ؒ کے اثبات کی بنیاد ہے۔ کیونکہ ولی اور نبی کے نفس میں ایسی قوّت پیدا ہو جاتی ہے جو خارج بدن میں اسی طرح تصرّف کرتی ہے جیسے کہ بدن کے اندر۔ پس چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس تمام عالم کی جان ہے اس کو تمام اجزائے عالم میں متصرّف ہونا چاہیئے اور یہیں سے ثابت ہے کہ آپ ؐ نے اشارہ کر کے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے گویا اپنے ناخن سے فضلۂ ناخن کو جُدا کر دیا۔

فصل چونکہ سلسلۂ ارواح و لطائف حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتا ہے اور وہ روحِ مقدّس تمام روحوں کی جان ہے، ایک مرتبہ اور اوپر ہے اور وہ یہ ہے کہ ذات متعالی حق سبحانہٗ وللہ المثل الاعلیٰ بمنزلہ جانِ روحِ آنحضرت ہے

ع حق جانِ جہان ست و جہان جملہ بدن
اقلاک و لطائف چہ قوای این تن
افلاک و عناصر و موالید اعضا
توحید ہمین است دگر حیلہ و فن

فصل جاننا چاہیئے کہ حضرت سبحانہٗ کی نسبت تصرف وہستی تمام ذرات عالم کے ساتھ برابر ہے اور ہر ذرہ آنحضرت ؐ کے جمالِ باکمال کا آئینہ ومظہر ہے۔ باوجود اس کے ندا اور خطاب کے وقت دل صنوبری کی طرف توجہ کرنا اس بنا پر ہے کہ دل روحِ حیوانی کا معدن ہے اور باقی لطائف روحِ حیوانی سے متعلق ہیں پس دل کی طرف توجہ کرنا تمام لطائف کی طرف توجہ کرنا ہے اور بالجملہ دل کی طرف توجہ کرنا فتحِ باب کا موجب اور کشفِ لطائف کا پیش خیمہ ہے پھر اسی ترتیب سے نہایت الامر تک ذات وصفات حضرت حق سبحانہٗ کے انوارِ قدسیہ کا مکاشفہ اسی طریق سے ہوتا ہے، اور اسی لیے کہتے ہیں کہ قلب صنوبری میں ایک روزن ہے جس میں سے علومِ غیب کا کشف اور مراتب جبروت و لاہوت کا مشاہدہ ہوتا ہے ؎

لشکرِ حشمت نہ گنجد در زمین و آسمان
من درین فکرم کہ اندر سینہ چون جا کردہٗ

شیخ علی بن حسام الدینؒ

ابن عبدالملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی المدینی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ
کاملہ واسعۃ تامۃ۔ آپ کے آبائے کرام جونپور سے تشریف لائے تھے۔ ولادت
باسعادت برہان پور میں ہوئی بچپن ہی میں سات یا آٹھ سال کی عمر میں آپ کے
پدر بزرگوار آپ کو شاہ باجن چشتیؒ کی خدمت میں جو برہان پور میں تھے لے گئے اور ان
کا مرید کیا۔ اور انہی ایام کے قریب سفر آخرت اختیار کیا۔ والد کی وفات کے بعد
مقتضائے طبیعت بشری بہت مدت تک لذات حسیہ میں مشغول رہے۔ جوانی
ہی کے ایّام میں کسی بادشاہ کی خدمت میں ملازم ہو کر منڈو میں آئے اور کچھ مال و
اسباب بھی جمع کیا۔ اسی اثنا میں جاذبۂ عنایت و ہدایت دامن گیر ہوا اور متاع دنیا
کی حقارت اور اہل دنیا کی بے ثباتی آنکھوں میں پھر گئی۔ اور شیخ عبدالحکیم بن شاہ
باجن کی خدمت میں جا کر مشائخ چشتیہ کی خلافت کا خرقہ پہنا۔ چونکہ آپ کی فطرت
آفرینش میں تقویٰ اور ورع غالب تھا اس سبب سے ملتان کی جانب سفر کیا اور
شیخ حسام الدین متقیؒ کی خدمت میں پہنچ کر اُن کی صحبت بابرکت میں طریقت و ورع و
تقویٰ کا راستہ طے کرنا شروع کیا۔ دو برس کی مدت میں اُن کی خدمت میں تفسیر بیضاوی
اور کتاب عین العلم کا مطالعہ کر کے زاد تقویٰ اور راحلۂ توفیق کے ہمراہ حرمین
شریفین کی زیارت کا قصد کیا۔ وہاں شیخ ابوالحسن بکریؒ کی جو بالاجماع اپنے

زمانے کے اولیاء میں سے تھے صحبت میں رہے اور اُن کے شاگرد ہوگئے اور دیگر
علماء و مشائخ عصر جو اُس دیار شریف میں رہتے تھے اُن سے مل کر استفادہ کیا۔
وہیں ایک بزرگ تھے جن کو شیخ محمد بن محمد ابن محمد السخاوی کہتے تھے۔ اُن
سے سلسلہ علیۂ قادریہ و شاذلیہ کا خرقہ جو قطب الوقت شیخ نور الدین ابو الحسن علی
الحسن الشاذلی پر منتہی ہوتا ہے اور مدینیہ کا خرقہ جو حضرت شیخ ابو مدین شعیب
المغربی قدس اللہ اسرارہم تک پہنچتا ہے پہنا اور مکہ معظمہ میں مقیم ہو کر عالم کو انوار طاعت
و مجاہدات اور آثار افاضت علوم دینی و معارف یقینی سے مستنیر و مستفید کیا،
اور علم حدیث و تصوف میں کتب و رسائل کی تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے
تالیف وغیرہ میں آپ کے آثار خیر کے مشاہدہ کے بعد عقل حیران ہوتی ہے اور
یقین سے کہتی ہے کہ یہ کام توفیق کامل اور برکت شامل کے بغیر جو مرتبۂ استقامت
کے کمال اور درجۂ ولایت کے رسوخ سے پیدا ہوتی ہے وجود میں نہیں آ سکتے۔
جامع صغیر اور جمع الجوامع شیخ جلال الدین سیوطی جس میں احادیث کو ترتیب
حروف تہجی جمع کر کے تمام احادیث نبوی کا اقوال و افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
احاطہ کیا گیا ہے ان کی تبویب کر کے ابواب فقہیہ کی ترتیب سے لکھا ہے۔ الحق
ان کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے کام کیئے ہیں اور کیا تصرفات کیئے
ہیں، پھر دوبارہ اس میں سے انتخاب کر کے بہت سی مکرر حدیثوں کو الگ کیا ہے
اور وہ بھی ایک مہذب و منقح کتاب ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ ابو الحسن بکری فرماتے
تھے کہ سیوطی نے تمام عالم پر احسان کیا ہے اور متقی نے اس پر احسان کیا ہے
ان کے علاوہ اور بہت سے رسائل اور کتابیں تصنیف کی ہیں جو سالکان طریقت

اور طالبانِ آخرت کے لیئے سرمایۂ وقت اور مددگارِ حال ہیں۔ آپ کی چھوٹی بڑی عربی و فارسی تمام تصانیف و تالیف ستو سے متجاوز ہیں۔ آپ کی پہلی تصنیف رسالہ تبیین الطرق ہے جس کی تصنیف میں آپ کو غیب سے الہام ہوا تھا۔ دوسرا مجموعہ حکم کبیر ایک مفید کتاب ہے جس میں تمام کتبِ تصوف کا خلاصہ شامل ہے۔ اپنے دوستوں سے فرماتے تھے کہ تمہارے اس کتاب کے سمجھنے کی یہ علامت ہے کہ اس راہ میں جہاں مشکل پڑے اس کی مدد سے حل کرو، اور اس علم کا جو مسئلہ پوچھیں اس سے جواب دو۔

سُنن و احادیثِ نبویؐ کے تتبع میں آخری وقتِ حیات تک مشغول رہے باوجودیکہ اس وقت بمقتضائے عادتِ بشری ہلنا جلنا ممکن نہیں ہوتا مگر آپ دن رات کتبِ احادیث کی تالیف و تصحیح و مقابلہ میں مصروف رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کو دقائق کے سمجھنے اور معانی و نکات کے استنباط میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ اُس دیارِ شریف کے بڑے بڑے علماء کو حیرت و تحسین کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

شیخ ابن حجر جو اپنے زمانے میں مکہ معظمہ کے زبردست فقیہ و عالم تھے اور ابتدائے حال میں آپ کے استاد رہ چکے تھے جب کبھی ان کو کسی حدیث کے معنوں میں توقف و تردد ہوتا تو شیخ علی کو لکھ بھیجتے کہ آپ نے یہ حدیث جمع الجوامع کی تبویب میں کس باب میں رکھی ہے، پھر قرینہ و قیاس سے اس کے معنی سمجھ جاتے تھے وہ بارہا خود کو شیخ کا تلمیذِ حقیقی کہتے تھے۔ آخرکار مرید ہو گئے اور خرقۂ خلافت پہنا اور علیٰ ہذا القیاس اُس زمانے کے تمام مشائخ و اکابر آپ کے کمالِ فضل و ولایت کے معترف تھے اور آپ کی تعظیم و تکریم کی رعایت میں متفق تھے۔ اب تک بھی اس ملک کے خواص و عام آپ کو اسی طرح یاد کرتے ہیں جیسے کہ مشائخ سلف کو تصنیفِ کتب اور

نشرِ علوم سے قطع نظر کر کے جو علمائے ظاہر کو بھی حصولِ توفیق و برکت کے بعد میسّر ہوجاتا ہے ریاضات، مجاہدات، کرامات، محاسنِ اخلاق، محامد اوصاف، رزانتِ افعال، متانتِ احوال، رعایتِ آدابِ ظاہر و باطن، تقویٰ اور ورع کے بارے میں جو کچھ آپ سے نقل کرتے ہیں آپ کے کمالاتِ باطنی اور احوالِ حقیقی پر کافی دلیل ہے۔

رحلت کے روز آپ نے مشائخ کے ساتھ اپنی صحبت کا تھوڑا سا حال لکھا۔ نیز سنا گیا ہے کہ آپ نے رحلت کے وقت کاغذ کے ایک رقعہ میں کچھ لکھ کر اپنے کسی مخلص کے سپرد کیا تھا۔ رحلت کے بعد جب اُس کو کھولا تو یہ مضمون تھا "اے میرے بھائیو! اللہ تم پر رحم کرے، تم جان لو کہ ہمارے پاس ایک امانت تھی اسی شان سے، پس ہم نے اللہ کے حکم سے اس کے اہل کو دے دی، سمجھا جو سمجھا۔ والسلام"

آپ کے آثارِ خیر کی ایک بہت بڑی نشانی اور آپ کے کمالات کی ایک بہت بڑی دلیل آپ کے خلیفہ راستین اور یارِ حقیقی ہیں جو دائرہ استقامت کے مرکز اور فلکِ ولایت کے قطب ہیں اور آج یمن سے شام تک اُس ملک کے مشائخ و فقراء کے اتفاق سے ولایتِ کبریٰ کے مقام میں متمکن ہیں اور اُس ملک کے تمام فقراء و مشائخ اُن سے تبرّک حاصل کرتے ہیں اور اشارت کرتے ہیں، یعنی شیخ کامل عارف باللہ عبدالوہاب بن ولی اللہ المحب الحنفی المتقی القادری سلمہ اللہ وابقاہ ووصل الینا من فتوحاتہ ونفعنا ببرکاتہ وبرکات علومہٖ۔ شیخ کے ذکر کے بعد ان کے کچھ مناقب و اوصاف کے ذکر سے صفحۂ بیان کو آراستہ و مزین

کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ، اور شیخ کے جو کچھ احوال یہاں بیان کئے جاتے ہیں وہ اُنہیں سے سُنے گئے ہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔

فرماتے تھے کہ طالبوں کی تربیت و تسلیک میں مشائخ کے دو طریقے ہیں بعض طالب کو پہلی وضع سے جس میں کہ وہ ہے نکال کر کچھ اور کام فرماتے ہیں اور یہ طریقہ بہت مشکل اور سخت ہے خاص کر ابتدائے حال میں، اور بعض مرید کو اسی حال میں جس میں کہ وہ ہے چھوڑ دیتے ہیں اور خود اُس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں اور اُس کی صفات کو تبدیل کر دیتے ہیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اُس کے کام میں نور اور صفائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور یہ طریقہ بہت آسان اور نرم ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک وزیر نے آپ کو ضیافت کی تکلیف دی۔ اور عرض کیا کہ ایک بار بندہ کے گھر میں تشریف لائیں تاکہ اس میں برکت ہو۔ فرمایا مجھ کو معذور رکھو میں یہیں سے دعا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ تمہیں برکت دے۔ جب اُس نے بہت تنگ کیا تو فرمایا اچھا میں آؤں گا۔ لیکن تین شرطوں سے۔ ایک یہ کہ جہاں میں چاہوں گا وہیں بیٹھوں گا۔ یہ تکلیف نہ دیں کہ اونچا بیٹھوں اور صدر پہ بیٹھوں۔ اُس نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ جو جگہ حضرت کو پسند ہو وہیں تشریف رکھیں۔ دوسرے یہ تکلف نہ کرنا کہ یہ کھایئے یا وہ کھایئے جو مجھ کو اچھا معلوم ہوگا وہی کھاؤں گا۔ تیسرے یہ کہ جب میں چاہوں گا اٹھ کر چلا آؤں گا۔ یہ تکلف نہ ہو کہ ایک ساعت اور ٹھہریئے۔ اُس نے یہ سب شرطیں قبول کیں، اور آپ نے وعدہ فرمایا کہ کل آؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اگلے روز آپ نے روٹی کا ٹکڑا اُس خریطہ میں جو ہمیشہ اپنی گردن میں لٹکائے رکھتے تھے ڈال لیا۔ اور تنہا اُس کے مکان میں تشریف سے گئے۔ اور دروازے کے نزدیک ہی بیٹھ گئے۔ اُس شخص نے تکلف سے فرش بچھا کر اُس جگہ کو بادشاہوں کے لائق بنایا ہوا تھا۔ عرض کیا یہاں اونچے ہو کر تشریف رکھیئے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ شرط نہیں ہے کہ جہاں میں چاہوں گا بیٹھوں گا۔ وہ شخص قصوروار ٹھہرا اور کچھ نہ کہا۔ پھر فرمایا کہ جلدی کرو وقت تنگ ہے۔ انہوں نے کھانا لگایا آپ نے وہی روٹی کا ٹکڑا جو اپنے ساتھ لائے تھے خریطہ میں سے نکال کر کھانا شروع کیا۔ اُس شخص نے التماس کی کہ ان کھانوں میں سے کچھ نوش فرمائیں۔ فرمایا شرط یہ تھی کہ جو مجھ کو اچھا معلوم ہو گا وہی کھاؤں گا۔ پھر اٹھ کر کھڑے ہوئے اور وداع کر کے فرمایا کہ شرط یہی تھی کہ جب میں چاہوں گا چلا آؤں گا۔ والسلام

نقل ہے کہ بارہا سلطان محمود گجراتی آپ کی خدمت میں آتا اور چونکہ وہ بعض غیر مسنون لباس پہنے ہوتا تھا آپ اس کی طرف نگاہ نہ کرتے تھے۔ اور اس کی طرف متوجّہ نہ ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ صالحانہ لباس پہن کر آیا، تب اس کو خوشنودی کی نگاہ سے دیکھا۔ بادشاہ نے التماس کیا کہ آج حضرت شیخ فقیر کے گھر میں تشریف لے چلیں۔ آپ کے چوڈول کو اٹھا کر اپنے گھر میں لے آیا۔ کہتے ہیں کہ سلطان کو پانی کا بہت وہم تھا اور یہ بُری عادت کسی حیلے سے زائل نہ ہوتی تھی۔ شیخ نے ایک طشت اور آفتابہ منگایا اور اپنی ٹوپی کو تین بار دھویا اور پانی کو زمین پر بہا دیا۔ چوتھی مرتبہ پانی کو طشت میں جمع کیا اور فرمایا۔ بابا محمود یہ ایسا پانی ہے کہ شریعت مطہرہ میں پاک و لطیف ہے اور اس میں شک کرنا وسواس ہے اور وسوسہ شیطان کا کام ہے۔ اس پانی کو پی لو اور اپنے اندر

کوئی شبہ پیدا نہ کرو۔ سلطان محمود نے شیخ کے حکم سے وہ پانی پی لیا اور وہ
سب وسوسے اس کی لوحِ دل سے دُور ہو گئے اور پھر کبھی وسواس پیدا
نہ ہوا۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی سلمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کچھ حالات ایک
رسالہ میں لکھے ہیں جس کا نام اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المتقی ہے۔ یہ اسی
کی عبارت ہے۔

حضرت شیخ علی متقی کی وفات دوسری جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ کو واقع ہوئی۔
ایامِ رحلت کے قریب حضرت شیخ میں ایسے حالات وجذبات پیدا ہوتے تھے
جن سے اُن کی تمام حرکات وسکنات میں تغیر ہو جاتا تھا۔ ماہ صفر ۹۷۵ھ کی ایک رات
کہ ابھی رحلت میں تقریباً تین چار ماہ باقی تھے انہوں نے فقیر سے فرمایا کہ فلاں بیت
پڑھو، اس فقیر نے فراست سے معلوم کر لیا کہ آپ کی مراد کس بیت سے ہے۔
چنانچہ میں نے یہ بیت پڑھی۔ ؎

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رُویت خوب‌تر شمسے ندانم یا قمر حُورے ندانم یا پری

اس کے سنتے ہی اُن میں ایک عجیب حالت پیدا ہو گئی اور بآوازِ بلند فرمایا
پڑھو پڑھو۔ فقیر نے کئی بار اس بیت کو پڑھا اور اُن سے محبت آمیز کلام اور شورہ
انگیز نالے ظاہر ہونے لگے۔ اس اثنا میں خادم نے آکر عرض کیا کہ کھانا تیار ہے۔
طریقہ یہ تھا کہ اُن کے لئے کھانے کو باریک کوٹ کر ملیدہ کر دیتے تھے۔ یہاں تک
کہ سب دانے ایک ہو جائیں اور ان میں فرق کرنا ممکن نہ ہو۔ اس طرح سب دانے متحد
ہو کر یک ذات ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب خادم نے کھانے کی اطلاع دی تو فرمایا
اس کو کوٹ لو۔ پھر فرمایا، سنو کس طرح کوٹو گے۔ اس طرح کوٹنا کہ سب ایک ہو جائیں
اور دُوئی نہ رہے جیسا کہ اس دوہرے میں کہا گیا ہے۔ دوہرہ

سُن سہیلی پریم کی باتا یوں مل رہیئے جیوں دُودھ نباتا

اس وقت اُن پر عجیب حالت طاری ہوگئی۔ تمام رات اسی کیفیت میں گذری اور محبت انگیز کلمات فرماتے رہے۔ فقیر بھی تمام شب ملازمت میں رہا۔ ان ایام میں سب لوگ رات بھر خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ یہ عبارت رسالۂ مذکورہ سے نقل ہے اور قضا کی انہوں نے اللہ رحمت کرے اُن پر حالتِ ذکر میں اللہ کی محبت کے ساتھ' اور یہ واقعہ صبح کے وقت دوسری جمادی الاول ۹۷۵ھ میں ہوا۔ تاریخِ وفات قضی نحبہ ہے۔ ولادت ۸۸۵ھ میں ہوئی تھی۔ اُن کی تاریخِ وفات شیخ مکہ اور متابعت نبی سے بھی نکلتی ہے۔

اب آپ کے کلام سے کچھ نقل کیا جاتا ہے۔ آپ کی ایک شرح ہے رسالہ اصول الطریقہ پر جو سیدی شیخ احمد زروق کی تصنیف ہے جو مغرب کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اس کے متن کی عبارت نقل کی جاتی ہے اگرچہ فی الحقیقت آپکا کلام نہیں مگر چونکہ اس میں فوائد بہت ہیں لہذا اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں فرمایا شیخ احمد الشہیر بزروق رضی اللہ عنہ نے جواب میں سائل کے اصول طریقہ سے۔ کہ ہمارے طریقہ کے اصول پانچ ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ظاہر و پوشیدہ میں اور سنت کا اتباع اقوال و افعال میں اور خلقت سے اعراض کرنا سامنے اور غضب میں اور خدا سے راضی رہنا تھوڑے اور بہت کے ساتھ اور اللہ کی طرف رجوع کرنا فراخی اور تنگی میں پس تقویٰ کا متحقق ہونا ورع اور استقامت سے ہے اور سنت کا متحقق ہونا تحفظ اور حسن خلق سے ہے اور خلقت سے اعراض کا متحقق ہونا صبر اور توکل کے ساتھ ہے اور رضا کا متحقق ہونا قناعت اور تفویض سے ہے اور رجوع کا متحقق ہونا حمد اور شکر کے ساتھ ہے فراخی میں اور اللہ کی طرف رجوع ہونا تنگی میں، اور ان سب کے پانچ اصول ہیں علو ہمت، حفظِ حرمت، حسن خدمت، نفوذ عزم اور تعظیم نعمت۔ پس جس کی ہمت بلند ہوگی اُس کا مرتبہ بھی بلند ہوگا، اور جو خدا کی حرمت کی حفاظت کرے گا خدا اُس کی حرمت کی حفاظت کرے گا، اور جو خدمت اچھی کرے گا اس کی بزرگی واجب ہوگی، اور جس کا عزم نافذ ہوگا اُس کی

ہدایت ہمیشہ رہے گی، اور جس نے نعمت کی تعظیم کی اُس نے اس کا شکر ادا کیا اور جس نے شکر کیا اس پر حسب وعدہ صادق مزید نعمت واجب ہو گئی۔

اور وہ اصول جن سے نفس کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے پانچ ہیں، معدہ کا طعام سے ہلکا کرنا، جو بات پیش آئے اس میں خدا کی طرف رجوع کرنا، فتنوں کی جگہ سے بھاگنا اور تہمت کی جگہ سے ڈرنا، خلوت و مجلس میں استغفار و درود شریف کا ہمیشہ پڑھنا، اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ یا امر اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کریں، اور یہ لوگ معدوم ہیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ کو میرے دوست کی وصیت ہے کہ اپنے قدموں کو مت اٹھانا مگر جہاں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید ہو، اور کہیں مت بیٹھنا مگر جہاں غالباً خدا کی نافرمانی سے امن ہو، اور کسی کی صحبت میں مت رہنا مگر جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مدد ملے اور مت اختیار کر اپنے نفس کے واسطے مگر جس کے ساتھ تو یقین میں زیادہ ہو۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس نے تجھے دنیا کی ترکیب بتائی اس نے تجھے دھوکا دیا، اور جس نے تجھے نیک عمل بتایا اس نے تجھے بچایا اور جس نے تجھے خدا کی بات بتائی اس نے تجھے نصیحت کی۔

سید ابو مدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طریقت کی بنا پانچ چیزوں پر ہے تقویٰ میں تحقیق کرنا بے فائدہ چیزوں سے بچنے سے اور اس پر کسی کو خبر نہ ہو سوائے اللہ کے، اتباع سنت میں تحقیق کرنا اس طرح کہ صحیح پر عمل کرے اور خلائق سے تہمت کو دور کرے اس طرح کہ کسی کام میں کسی کی طرف متوجہ نہ ہو مگر بدلہ دینے کے لیے پس ایسے وقت میں نہ الزام کریگا کسی مانع کو اور نہ تعریف کریگا کسی اچھی چیز کی اُس کی حیثیت سے بلکہ اس حیثیت سے کہ اُس میں خدا کا حکم ہے اور خلقت کے لیے تسلیم اس حیثیت سے کہ وہ اس میں ہیں ان کے شر سے بچنے اور ان سے سلامتی و عافیت کے حاصل ہونے کے سبب سے اور اسلام مقتضیہ ہے کل احوال میں صبر و رضا و شکر و عمل کے ساتھ، بقول شیخ ابی الحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کے کہ تقویٰ کو اپنا وطن بنا، نہیں ضرر کریگا تجھ کو مرج نفس کا جب تک کہ تو عیب کے ساتھ راضی نہ ہوگا یا گناہ کے ساتھ اصرار نہ کرے گا یا جب تک کہ تجھ سے غیب کا ڈر ساقط نہ ہوجائیگا

اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ڈر خدا سے جہاں ہو تو اور بُرائی کے بعد نیکی کر تاکہ وہ
برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ نیک خُلق اور ایثار کے ساتھ پیش آ، آنحضرت صلّی اللہ علیہ
وسلم کا فرمان ہے جب دیکھے تو حرام کو مرغوب اور خواہش کو متبع اور ہر رائے والا اپنی رائے
کو اچھا سمجھتا ہو پس ایسے وقت میں تو خاص اپنے نفس کے ساتھ تمسک کر اور دیکھے
گا تو اولی الامر کی طاعت کو اور ان پر اعتراض نہ ہونے کو کہ ظاہر
میں وہ کیسے ہوں گے، اور اللہ ہی اُن کو کافی ہے۔ اور پڑھ تو نماز چاشت کی۔ اور
افطاری کر۔ اور قصر کر سفر میں، اور نہ کھو نمازیں ہفتہ کی اور راتوں کی اور ایام
فاضلہ کی، اور پڑھ صلوٰۃ التسبیح اور اختیار کر اُس کو جو خدا تجھ پہ کشادگی کر دے
مجرّد یا اسباب کے ساتھ رہنے سے، بغیر اس کے کہ ایک کو اختیار کیا جائے دوسرے
کے ہوتے ہوئے، اور سے تو ہر مباح کو جس سے محبت میں کچھ نقصان نہ پہنچے تاکہ دونوں
جہان میں کچھ ضرر نہ ہو، اور ذکر کر جمع کے ساتھ اور جمع ہو ذکر کے لئے، اس لئے
نہیں کہ وہ افضل ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں نفس کی راحت اور طریق کی صورت
ہے، اور زیارت کر زندوں اور مُردوں کی جب تک کوئی واجب یا سنّت مؤکدہ
ضائع نہ ہو۔ اور دیکھ تو ہر مومن کے لئے برکت بجز اس کے کہ جو سنّت کا مخالف
ہے۔ اور مت اقتدا کر مگر اُس کی کہ جس کا علم اور پرہیزگاری صحیح ہو۔ اور ہر خیر
کی اصل رضا ہے خدا کی قسمت کے ساتھ، اور رجوع کرنا ہے خدا کی طرف ہر
بات میں، اور یہ کل حاجتوں کی کنجی ہے فقیر کے پاس، اور اس کے ساتھ بھاگ
خلقت کے شر سے، اور یہ سب سے بڑا قلعہ ہے۔ تمام ہوئی وہ بنیاد جس پر
طریقت کی عمارت قائم ہے اور اس کے معانی سے انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت کی فتح
ظاہر ہوگی وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وسائر الانبیاء وسلم

شیخ عبدالوہابؒ متقیؒ

القادری الشاذلی، ولادت منڈو میں ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد شیخ ولی اللہ، منڈو کے اکابر و اعیان میں سے تھے اور حوادثِ روزگار کے باعث وہاں سے برہان پور میں آکر متوطّن ہو گئے۔ یہاں بھی ویسے ہی معزّز و مکرم ہوئے اور تھوڑی مدت میں دارِ آخرت کی طرف رحلت کی۔ انہی ایام میں آپ کی والدہ ماجدہ بھی وفات پاگئیں جبکہ آپ کمسن ہی تھے۔

زمانۂ بچپن سے توفیقِ الٰہی آپ کے رفیقِ حال ہوئی اور طلبِ حق میں فقر و تجرید و مسافرت و سیرِ عالم کے راستے پر قدم رکھا۔ آپ نے زیادہ تر نواح گجرات اور ولایت دکن، لنکا و سراندیپ کے اطراف میں سیر و سیاحت کی۔ اکثر یہ دستور تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہ فرماتے تھے۔ مگر بعض شہروں میں تحصیلِ علم اور صحبتِ مشائخ و صلحار کی خاطر بقدرِ استفادہ و ضرورت قیام فرماتے تھے۔ عنفوانِ شباب میں کہ ابھی بیس سال کی عمر نہ ہوئی تھی اور مسیں بھی نہ بھیگی تھیں مکہ معظمہ میں پہنچے۔ حضرت شیخ علی متقیؒ چونکہ پہلے ہی سے آپ کے والدِ ماجد سے آشنا تھے آپ کی آمد کی خبر سن کر ملاقات کو تشریف لائے اور بکمال مہربانی اپنے ساتھ رہنے کی استدعا کی۔ جب انہوں نے آپ کے حسنِ خط و کتابت کا مشاہدہ کیا تو فرمایا کہ ضرور آئیے اور اگر ہو سکے تو میرے لئے کتابت بھی فرمایئے۔ آپ نے اُس ذاتی استغنا اور بے نیازی

سے کام لیتے ہوئے جو مسافروں اور مجردوں کے حسب حال ہوتی ہے پہلی مجلس میں حضرت شیخؒ کی دعوت قبول نہ فرمائی اور کہا انشاءاللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں نصیب میں کیا ہے' آخر حضرت شیخؒ کے فضل و کمال و استقامتِ احوال کا مشاہدہ کر کے ان کی صحبت میں رہنا شروع کیا۔ حضرت کے والدِ بزرگوار نے بھی پہلے وصیت کی ہوئی تھی کہ اگر تجھ کو راہِ حق کے سلوک کی توفیق ہو تو شیخ علی متقیؒ اور انہی جیسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور فلاں شیخ اور اُن جیسے دوسروں سے پرہیز کرنا' اور ان میں سے ایک شیخ کا نام بھی لیا۔ جو دعوتِ اسمار اور تسخیر ملوک میں مشہور تھا۔

آپ خطِ نستعلیق بہت عمدہ لکھتے تھے۔ حضرت شیخؒ نے اس سبب سے کہ خطِ نسخِ قرآن صالحین کا شعار ہے نستعلیق کو چھوڑ کر خط نسخ کی مشق کرنے کا اشارہ کیا چونکہ آپ بہت اعلیٰ قوتِ دست کے مالک تھے اس لئے تھوڑی مدت میں خطِ نسخ بھی بہت عمدہ لکھنے لگے ، اور شیخؒ کی تالیفات کی کتابت اور اُن کی تصحیح و مقابلہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت شیخؒ کے لئے اس قدر کتابت فرماتے تھے کہ اس کا تصوّر حیطۂ حصر سے باہر ہے، ایک کتاب بارہ ہزار بیت کی تھی اس کی کتابت میں بہت عجلت کی - یہاں تک کہ بارہ راتوں میں تمام کر دی۔ ہر رات ہزار بیت لکھتے تھے۔ دوسری کتابوں کے علاوہ جن کو دن میں لکھتے تھے۔ شیخؒ کی تالیفات کی اکثر ترتیب و اصلاح آپ ہی کے ہاتھ سے ہوئی تھی۔ غرضکہ حضرت شیخؒ کے اتباع اور ان کی خدمت و رضاجوئی میں اتنی کوشش کی کہ گویا فنا فی الشیخ جو کہتے ہیں وہی تھے۔ آخر کار عنایت ظاہر و باطن سے مخصوص ہوئے اور انوار و اسرار و کمالات کے ساتھ متصف ہو کر انہی کا نسخۂ کمالات بلکہ عین ذات ہو گئے یہاں تک کہ شیخؒ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے راستے میں ایک

دوست اور بھائی جو ہم کو ملا وہ عبدالوہاب تھا۔

فرماتے تھے کہ جب شیخؒ نے مجھ کو مرید کیا تو پہلے مجھ سے فقر کی غنا پر فضیلت کا اقرار کرا لیا اور فرمایا کہ اسی پر اعتقاد رہے۔ چنانچہ میں اسی عقیدہ پر ہوں پھر مجھ کو بیعت کے لئے ہاتھ دیا۔ شیخؒ کے ساتھ آپ کی صحبت کی ابتدا جمادی الاولیٰ ۹۶۳ھ میں ہوئی۔ اور اس کی انتہا اُن کی وفات تک تھی۔ جو دوسری جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ میں ہوئی۔ پس کل مدتِ مصاحبت بارہ سال ہوئی۔ اور اب تک آپ کا سنّ شریف واللہ اعلم چونسٹھ سال کا ہوگا۔ اور آپ نے چوالیس مرتبہ حج کیا یعنی جتنی مدت کہ مکہ معظمہ میں اقامت کی۔ حضرت شیخؒ کی رحلت کے ایک سال بعد صلۂ ذوی الارحام کے سبب سے گجرات میں آئے تھے اور پھر اسی سال مکہ شریف واپس چلے گئے اور اس سال کا حج فوت نہ ہوا۔ کشتی کا وہاں سے یہاں آنا پندرہ سولہ روز میں ہوا۔ اور یہاں سے وہاں جانا چالیس روز میں، اور یہ ہر دو واقعات نہایت نادر ہونے کی وجہ سے خارق عادت کا حکم رکھتے ہیں۔

اب آپ علم و عمل و حال و اتباع و استقامت، مریدوں کی تربیت و تسلیک، طالب علموں کے افادہ و اعانت، فقراء و غربا پر شفقت و مہربانی، خلق اللہ کو نصیحت اور برکت و عظمت و ضیا و نورانیت اور تمام ابوابِ خیر میں حضرت شیخؒ کے وارثِ حقیقی و خلیفۂ راستین و صاحبِ سر ہیں، اور اہل حرمین و مشائخِ یمن حاضر و غائب اور مشائخ مصر و شام میں سے جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے آپ کی ولایت و علوِ شان کے معتقد ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شیخ ابی العباس المرسی کے قدم بقدم ہیں جو قطب وقت امام ابوالحسن شاذلی کے شاگرد تھے، اور بعض مشائخ یمن نے آپ کی تعریف میں اہل حرمین کو لکھا تھا۔ اے

اہل حرمین تم اللہ کی طرف سے اس شمع روشن کو لازم پکڑو اور اس سے روشنی حاصل کرو
آپ اکثر مدت عمر مجرد رہے ہیں اور شیخ رہ کے زمانے میں بھی تجرید ہی کی وضع سے گذران کی اور شادی نہیں کی۔ اُن کے بعد جب سن شریف چالیس اور پچاس کے درمیان تھا شادی کی، شادی سے پہلے جو کچھ فتوح یا کتابت کی اُجرت آتی تھی سب فقراء اور درویشوں پر صرف کر دیتے تھے۔ یہ عہد کیا ہوا تھا کہ کسی چیز کو نگاہ نہ رکھیں گے مگر جو ضروری ہوگی۔ یعنی کپڑے، غذا اور کتابیں، لیکن اب اہل وعیال کے حق کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور ان کو ترجیح دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود غرباء کی دلجوئی اور فقراء کی غم خواری میں تقصیر نہیں کرتے، مکہ میں غربائے ہند کی پشت پناہ رہی ہیں۔ کھانے کپڑے اور نقد سے مدد کرتے ہیں، خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جانے والوں کی اسباب سفر کے مہیا کرنے میں ہر طرح امداد واعانت فرماتے ہیں، اور کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں علوم شرعیہ کے جاننے میں آپ کے برابر بہت کم ہوں گے، مبالغہ سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ لغت قاموس گویا سب یاد تھی اور فقہ وحدیث میں بھی یہی حال ہے، اور مبادی علوم عربیت بھی کفایت سے زیادہ ہیں برسوں حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا ہے اور اب کہ ضعف بصارت کا عارضہ ہو گیا ہے اپنے گھر ہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر کسی وقت درس سے فارغ ہو جاتے تھے تو کسی ایسی کتاب کی تصحیح و مقابلہ میں مشغول ہو جاتے تھے جو عام لوگوں کے فائدے کی ہو۔

ایک دن ایک درویش نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ نماز پڑھنا بہتر ہے یا ذکر کرنا۔ فرمایا نماز پڑھنا بھی بڑا کام ہے لیکن ذکر کی کثرت سے ایک اتصال اور اتحاد حاصل ہو جاتا ہے جو آخر فنائے وحدت میں کھینچ لیتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ فنائے

وحدت کیا چیز ہے۔ فرمایا وہ ایسی لذت ہے جو چکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس راہ کے تمام طالبوں کا مطلوب حقیقی اُسی لذت کا حاصل کرنا ہے۔ اور جس شخص نے تمام عمر میں ایک دفعہ اُس لذت کو چکھا وہ جب تک زندہ ہے اُس لذت کا ذوق باقی رہتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ دعوت کا طریق جو بعض درویش کرتے ہیں کیا حکم رکھتا ہے، وصول کے طریق سے ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ شاید ہو لیکن اہلِ دعوت کے اخلاق کم مہذب ہوتے ہیں۔ وہ اکثر کج خلق ہوتے ہیں خلقت کی ایذا نہیں اٹھا سکتے، جو کوئی اُن کے ساتھ بدی کرتا ہے جھٹ اس کا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتے ہیں، اس راستہ میں عمدہ طریقہ تہذیبِ اخلاق اور خلقت کی ایذا و بلا کو برداشت کرنا ہے۔

حضرت کا طریقہ احوال کے چھپانے اور اسرار کے پوشیدہ کرنے اور کلام میں پرہیزگاری کرنے میں اس حد تک ہے کہ کبھی کسی نامحرم سے حقائق یا اپنے احوال کی خصوصیت کی کوئی بات نہیں کہتے، اگر اشد ضرورت ہو تو اتنا ہی فرماتے ہیں جو ضروری ہو اور اصل مقصد کو کافی ہو اور چونکہ اس فقیر کو آپ کے انوارِ استقامت کے مشاہدہ اور فضائل کے سننے سے آپ کی خدمت میں نسبتِ بندگی حاصل ہو گئی تھی۔ اس سبب سے بار بار الحاح کی جاتی تھی کہ کبھی کبھی اپنے بعض احوال و اخبار سے مشرف و مستفید فرمائیں، پس کبھی کبھی کسی تقریب و مناسبت سے جو اثنائے کلام میں پیدا ہو جاتی تھی ان میں سے کچھ بیان فرماتے تھے۔

ایک وقت درویشوں کی ریاضت اور ترکِ سوال اور کھانے کی خواہشوں کی طرف عدمِ التفات کے بارے میں فرمایا کہ کئی مرتبہ ہمارا کھانا یہ ہوتا تھا کہ کوئی یار چلا جاتا تھا اور قصائیوں کی دکانوں کے آگے سے ناکارہ ہڈیاں اٹھا کر لے آتا تھا اور

کھیتوں میں سے کچھ بھوسا لے آتا تھا اور ان ہڈیوں کو کوٹ کر اور بھوسے کو دھو کر صاف کر کے دیگ میں ڈال کر پانی میں پکا لیتے تھے اور اس میں سے ایک ایک پیالہ صاف کر کے پی لیتے تھے چند روز کے بعد شہر کے لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی اور کھانے لاتے تھے۔ پھر ہم اس جگہ کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جاتے تھے اور تین روز سے زیادہ نہ ٹھہرتے تھے۔

اس باب میں ایک اور حکایت ہے جو فقیر نے آپ کے ایک یار سے سنی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایام قحط میں ایک مسجد میں ایک اور یار کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے۔ مسجد کے ایک گوشہ میں حضرت مشغول تھے اور دوسرے گوشہ میں وہ یار۔ اور یہ اقرار کر لیا تھا کہ ایک دوسرے سے کلام نہ کریں گے اور نہ کسی سے کھانا مانگیں گے۔ اسی حالت میں بیس روز گزر گئے کہ کچھ کھانا نہ کھایا تھا۔ ایک حلوا فروش ان دونوں کے درمیان کھانا رکھ کر چلا گیا، ان میں سے کسی نے اس کو نہ کھایا۔ جب دوبارہ ایسا ہوا تو وہ حلوائی لقمہ بنا کر ان کے منہ میں رکھتا تھا اور وہ کھا لیتے تھے۔

یہ حالات آپ کے زمانۂ سیاحت کے تھے کہ ابھی مکہ معظمہ میں نہ پہنچے تھے اور اس وقت آپ کی عمر واللہ اعلم پندرہ سولہ سال کی ہوگی۔ انیس یا بیس سال ہوئے ہیں کہ مکہ میں تشریف لا کر شیخ علی متقی کی صحبت میں ہیں۔ لہٰذا ایک دن اس فقیر نے پوچھا کہ ان ریاضات و حالات و مکاشفات و تصرفات کے باوجود جو تمام و کمال سامنے ہیں اور شیخ کی صحبت سے پہلے وقوع میں آئے تو پھر جو کچھ ان کی ملازمت پر موقوف تھا اور ان کی صحبت میں حاصل ہوا کیا تھا۔ فرمایا ہم جو کچھ رکھتے ہیں سب انہیں کی برکت اور انہیں کا فیض ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ ہمارا دین اور ہماری شریعت اُن

کے ساتھ مقرر و مستقیم رہے. سابق زمانے میں مختلف اطوار اور متنوع احوال پیش آئے خدا جانے کہ آخر کہاں جا پڑتے تھے اور کس وادی سے نکلتے تھے، اُنہیں کی صحبت میں طریقۂ دین و ایمان و اتباعِ شریعت کو استقامت ہوئی، اصلِ کار اور آخرِ مقامات یہی ہے۔

(شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی وفات سنہ ۱۰۰۱ھ میں ہوئی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ عزیز اللہ متوکلؒ

شیخ باجنؒ کے پیر ہیں جو شیخ علی متقیؒ کے پیر ہیں. رحمۃ اللہ علیہم. نہایت فقر و توکل رکھتے تھے جب رات ہوتی جو کچھ گھر میں حاجت سے زیادہ ہوتا ہمسایوں میں تقسیم کر دیتے، یہاں تک کہ وضو کا پانی بھی اتنا ہی رکھتے تھے جو تہجد کے وقت طہارت کے لئے ضروری ہو. امرار کو اپنی مجلس میں آنے نہ دیتے تھے۔

ایک روز اُس وقت کے کسی رئیس نے آپ کی اولاد میں سے کسی سے زیارت کی التماس کی، آپ نے فرمایا اگر آکر صفِ نعال میں دوسرے فقرار کے ساتھ بیٹھ جائے تو کچھ حرج نہیں ہے، شام کا وقت تھا کہ وہ رئیس حضرت کے مکان میں آیا، دیکھا تو مکان میں اندھیرا پڑا ہوا ہے اور کچھ موجود نہ تھا کہ تیل خرید کر چراغ روشن کرتے، اُس نے شیخ کے صاحبزادے سے کہا کہ میں تیل کے ٹکے بھیجتا ہوں ان کو خرچ کرنا اور

اگر ختم ہو جائیں تو اطلاع دینا تاکہ اور بھیج دیئے جائیں، دوسرے دن جو شیخ نے دیکھا تو گھر کے گرداگرد بہت سے چراغ روشن ہیں، فرمایا یہ سب چراغ کہاں سے آئے ہیں۔ حقیقتِ حال عرض کی گئی تو خوش نہ ہوئے اور اُس رئیس کو منع کر دیا کہ آئندہ تیل نہ بھیجے اور جو موجود تھا سب فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔

مسکن بُرہان پور میں تھا اور آپ کی بعض اولاد احمد نگر میں بھی متوطن تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم

مخدوم جیو قادریؒ

ولایتِ دکن کے شہر بیدر میں رہتے تھے۔ نہایت سن رسیدہ و ضعیف و عابد و متبرک و عالی ہمت و عظیم الشان بزرگ تھے، اغنیا سے بہت بے التفات رہتے اور خلقت سے مستغنی تھے۔

حضرت شیخ عبدالوہابؒ فرماتے تھے کہ وہ انتہائے ضعف سے کھڑے نہ ہو سکتے تھے لیکن کمر خوب کس کر باندھتے اور اکثر شب نوافل کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ وہ استقامتِ دین اور رعایتِ تقویٰ میں ہمارے شیخ کے عالم میں سے تھے، ایک مدت تک ہم اُن کی صحبت میں رہے اور قریب تھا کہ اُن کے مرید ہو جائیں لیکن ہمارا نصیبہ شیخ کے پاس رکھا ہوا تھا۔

آپ کی وفات ۱۰۰۰ھ کے وسط میں ہوئی۔ واللہ اعلم رحمۃ اللہ علیہ

میاں غیاثؒ

گجرات کے مشہور شہر بھڑوچ میں رہتے تھے خدا کے خاص بندوں میں سے تھے اور آپ کی شان میں خَیرُ النّاسِ مَن یَنفعُ النّاس (لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے) صادق آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کی ضرورت کی ہر چیز اور ہر جنس اپنے پاس محفوظ رکھتے اور خیرات میں دیتے تھے، سونا، کپڑا، کھانے کی چیزیں، ادویہ، کتابیں اور اسباب و آلات غرضکہ سب کچھ آپ کے گھر میں موجود ہوتا اور آپ کے اعمال میں یہ سب سے افضل عمل تھا۔ اس کے باوصف عالم و عامل و متقی و متبع تھے۔

حضرت سیّدی شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس زمانے میں سب سے افضل کون ہے۔ فرمایا، سب سے افضل میاں غیاث ہیں، پھر تمہارے شیخ، پھر محمد طاہر،

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

میاں محمدؒ طاہرؒ

پٹن (گجرات) میں رہتے تھے۔ وہاں کی بوہرہ قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے آپ کو دولتِ علم و فضل عطا کی تھی۔ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے علمِ حدیث کی تحصیل و تکمیل کی حضرت شیخ علی متقیؒ کی صحبت میں رہے اور ان کے مرید ہو گئے اور برکت و کرامت حاصل کرکے وطنِ مالوف میں واپس آئے۔ اور بعض بدعتیں جو اس قوم میں پھیلی ہوئی تھیں اُن کو مٹایا اور اہلِ سنت اور اس قوم کی بدعت میں تمیز و تعریف کی۔ علمِ حدیث میں آپ نے بہت مفید کتابیں تالیف کیں۔ ایک کتاب کا نام مجمع البحار ہے جو صحاح کی شرح ہے۔ مغنی نام ایک اور مختصر رسالہ اسمائے رجال کی تصحیح میں ہے جس میں بلا تعرض نہایت مختصر و مفید احوال بیان کئے ہیں، ان کتابوں کے خطبوں میں شیخ علی متقیؒ کی بہت مدح کی ہے آپ شیخؒ کی وصیت کے مطابق طلبہ کے لئے سیاہی بنایا کرتے تھے اور درس کے وقت بھی اُس کے حل کرنے میں مشغول رہتے تھے تاکہ ہاتھ بھی کام میں لگا رہے۔

آپ نے اُس ولایت کی بدعتوں اور اہلِ بدع کے ازالہ میں کوئی کسر نہ رکھی اور آخر اسی جماعت کے ہاتھوں ۹۸۰ھ کے قریب شہید ہوئے۔ شکر اللہ سعیہ وجزاہ اللہ عن المسلمین خیراً۔

شیخ عبداللہؒ و شیخ رحمت اللہؒ

سندھی مدنی، یہ دونوں عزیز فقہائے صوفیہ سے تھے، مدینہ منورہ سے اِس ملک میں تشریف لاکر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا افادہ کیا۔ اس ملک کے طلبہ آپ کو شیخین کہتے تھے۔ خواجہ عبدالشہید عبید اللّٰہی فرماتے تھے کہ یہ شیخین اُن شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی یاد دلاتے ہیں۔ ہر دو علم و عمل و تقویٰ و ورع کی ایک آیت تھے، اُن مقاماتِ شریفہ سے آپ کے مثل کوئی بزرگ اس ملک میں نہیں آئے۔

آپ شیخ علی متقیؒ کے یارانِ خاص اور خلفاء میں سے تھے۔ سلطان روم کی جانب سے بعض حکام جو مکہ معظمہ میں آتے تھے شیخؒ سے بہت اعتقاد و بندگی رکھتے تھے شیخؒ اُن سے اپنے اکثر اصحاب، خدام اور فقراء کے لئے وظیفہ لیا کرتے، مگر ان کے لئے اور شیخ عبدالوہاب کے لئے وظیفہ نہ لیتے تھے کیونکہ وہ مال شبہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

شیخ رحمت اللہؒ کے والدِ بزرگوار قاضی عبداللہ سندھ سے بعض حوادثِ روزگار کے باعث سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور اُن مقامات بابرکات میں توطن اختیار کرنے کے لئے بہت سے فرزندوں اور اہل و عیال کے ساتھ نکل پڑے۔ کچھ مدت احمد آباد میں رہے اور شیخ علی متقیؒ کی صحبت سے مستفید ہوئے مقاماتِ شریفہ میں پہنچنے کے بعد مدینہ منورہ میں متوطن ہو گئے اور تھوڑی مدت بعد انتقال

فرما گئے۔

شیخ عبداللہ، قاضی عبداللہ کے دوست اور مصاحب تھے۔آپ نے مدینہ منورہ میں نشو ونما پائی تھی۔برسوں ان مقامات شریفہ میں درس و عبادت میں معروف رہے پھر بعض حوادث و اسباب کی بنا پر ۹۷۰ھ کے قریب اس ملک میں تشریف لائے اور کچھ مدت احمد آباد میں جو آپ کے وطن اصلی کا حکم رکھتا تھا اقامت اختیار کی۔

آخر میں یہ دونوں بزرگ چند سال کے تفاوت سے عین حالتِ مرض میں کہ حس و حرکت کی قوت مفقود تھی احمد آباد کو خیرباد کہہ کر ان مقاماتِ شریفہ کی جانب چل دیئے اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر دار بقا کو رحلت فرما گئے۔

رحمۃ اللہ علیہم وعلی جمیع عباد اللہ الصالحین

شیخ حسینؒ

حضرت شیخ عبدالوہابؒ کے دوستوں میں سے تھے اس راہ کے سلوک میں رفتار خاص رکھتے تھے اور بے قیدی و بے تکلفی و ہمت عزائی میں مخصوص طریق کے مالک تھے،

حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے اقربا میں سے تھے. عجیب حالت اور عالی ہمت رکھتے تھے. معمولی چیزیں مثلاً غلہ و ترکاری وغیرہ خریدنے میں جو کچھ اُن کے ہاتھ میں ہوتا دے دیتے اور یہ نہ دیکھتے کہ روپیہ ہے یا مظفری، اور کبھی حساب نہ کرتے، اور نہ بھاؤ پوچھتے۔

نیز فرماتے تھے کہ ایک دفعہ دریائے نربدا سے ہمارا گزر ہوا، ہمارے ساتھ بہت لوگ تھے. دریا کے اُس پار شیر کا جنگل تھا جس کے خوف سے لوگ دریا عبور نہ کرتے تھے. شیخ حسینؒ نے ایک ہاتھ میں چھڑی لی اور دوسرے ہاتھ پر چادر لپیٹ کر اُس جنگل میں داخل ہوئے اور شیر کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے چلے آئے، لوگوں کے لئے راستہ کشادہ ہوگیا. فرماتے تھے ایک دفعہ ایک شخص بلندی پر کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا. اور نیتِ نماز میں وسواس کرتا تھا. وہ نیت کے الفاظ کو بار بار دوہرا کر حاضرین کو پریشان کرتا تھا. شیخ حسین نے اُس کے سینہ پر زور سے ایک ہاتھ مارا کہ پیچھے کی جانب پانی میں گر پڑا، اس کے باطن سے وسواس کا اثر بالکل زائل ہوگیا. ایک دفعہ ایک طالب علم اُن کے سامنے احیاء العلوم پڑھ رہا تھا. اُس کی زبان میں بہت لکنت تھی اور کتاب کے پڑھنے

سے بہت عاجز تھا اور اضطراب کا اظہار کرتا تھا۔ بارہا خیال آیا کہ اس پڑھنے والے سے کچھ خلق کی جائے جیسے کہ شیخ حسین نے اُس نمازی کے ساتھ کی تھی اور اُس کا وسوسہ دُور ہو گیا تھا۔ مگر ہم سے نہ ہو سکا۔ ان کی حالت اس کی متقاضی تھی شاید کہ بہت صرف کرنے پر بتدریج کوئی اثر ظاہر ہو۔

حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہم میاں غیاثؒ کی ملاقات کو گئے۔ شیخ حسین ہمراہ تھے، میاں غیاثؒ پانی کی پاکیزگی اور ظروف کی نگہداشت میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اور ان کو غصہ بھی فوراً آتا تھا۔ شیخ حسین نے مٹکے میں سے پانی پی کر آبخورہ زمین پر رکھ دیا۔ میاں غیاث غضب آلود ہو گئے اور آواز دی کہ ہائے ہائے یہ برتن ناپاک کر دیا۔ اُن کے یہ کہتے ہی شیخ حسین نے آبخورے کو زمین پر دے مارا۔ اور کہا اگر ناپاک ہو گیا ہے تو اس کا توڑ دینا بہتر ہے۔ میاں غیاث ہنس پڑے اور ان کو گلے سے لگا لیا اور کچھ نہ کہا۔ اس پر شاید حاضرین میں سے کسی نے خیال کیا کہ شیخ کا کوزہ توڑنا تضییع مال و اسراف میں داخل تھا اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اُس کا خلجان دُور کرنے کو فرمایا کہ امام مالکؒ کے مذہب میں جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اُس کا پاک کرنا ممکن نہیں اور اس کا استعمال جائز نہیں۔ پس اس برتن کو توڑ دینے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہرؒ

میاں قاضی خان کے خلیفہ اور مشائخ چشتیہ کے متاخرین مشاہیر میں سے ہیں۔ بہت بزرگ اور علومِ شریعت و طریقت و حقیقت کے عالم تھے۔ بچپن ہی سے عبادت و ریاضت میں مشغول رہے یہاں تک کہ مرتبۂ مشیخت کو پہنچے۔ ابتدائے حال سے جو اوراد و اوقات اپنے لئے لازم کر لئے تھے اُن کو آخر عمر تک فوت نہ ہونے دیا۔ مشائخ کے اتباع اور حفظ قواعد و آداب میں یگانۂ عصر اور تواضع، حلم، صبر، رضا، تسلیم، شفقت بر خلق و اعانت فقراء میں بے نظیر تھے۔ غرضکہ اپنے زمانے میں مشائخ چشت کی یادگار تھے۔ دہلی میں آپ کی وجہ سے سلسلۂ ارشاد و مشیخت قائم رہا۔

آپ اہلِ سماع سے تھے، کہتے ہیں کہ رحلت کے وقت بھی ذوق و حالت کے ساتھ گئے اور اس آیت پر خاتمہ ہوا۔ فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شیٔ و الیہ ترجعون ۔ حضرت والد فرماتے تھے کہ عالمِ جوانی میں جب ہماری نظر شیخ کے جمال پر پڑتی تھی تو بے اختیار گریہ طاری ہوتا تھا بسبب اُس شوق و عزیمت کے جو اُن کی صورت میں مشاہدہ ہوتا تھا۔

ولادت باسعادت جونپور میں ۸۹۸ھ میں ہوئی۔ ڈیڑھ برس کے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور ۱۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ کو وفات پائی۔ مرقد آپ کی خانقاہ کے صحن ہی میں ہے، فقیر نے آپ کی تاریخِ وفات کہی ہے؛ قطعہ

شیخ کامل عارفِ دورانِ خود عبد العزیز — آنکہ می داد اہلِ دل را مجلسش یاد از بہشت
ہرچہ از اصحابِ اہل اللہ در عالم بود — حق تعالیٰ از اولِ فطرت بذاتِ او سرشت
یادگارِ اہلِ چشت او بود در دورانِ خود — گشت از ان تاریخِ فوتش یادگارِ اہلِ چشت

آپ کی اولاد میں سب سے بڑے شیخ قطب عالم ہیں عالم و فاضل و صاحب اخلاقِ حمیدہ و صفاتِ پسندیدہ، والد کے سجادہ پر صدق و استقامت کا قدم رکھ کر اوقات کو طاعت و عبادت میں مصروف رکھتے ہیں، اور آپ کے بڑے خلیفہ شیخ جائیلدہ ہیں جو حضرت کے تمام خلفاء اور مریدوں میں اتحاد و اختصاص و محرمیت و عزت سے ممتاز ہیں اور اب انہی کو شیخ کا جانشین جانتے ہیں۔ دوسرے شیخ عبد الغنی بداؤنی ہیں جو صفتِ علم و عمل و حال و ریاضت و فقر و عزلت اور کل آدابِ سلوک سے موصوف ہیں۔ شہر دہلی کے باہر ایک مسجد عمارتِ فیروزی سے ہے اس میں مولیٰ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ اُن کے اوضاع و احوال میں قوت و استقامت کے آثار ظاہر و باہر ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

شیخ جنید حصاریؒ

حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج قدس سرہ کی اولاد سے ہیں۔ بزرگ تھے اور نہایت سن رسیدہ، عظمتِ ظاہری رکھتے تھے۔ سرعتِ کتابت اس حد تک تھی کہ اس کو سوائے خرق عادت کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے، تین روز میں تمام کلام مجید بااعراب لکھ لیتے تھے اس کے علاوہ آپ سے دیگر خوارق نقل کرتے ہیں۔

آپ نے اپنے بعض رسائل میں وہ وہ عجیب و غریب باتیں جو عالم خداوندی سے آپ پر ظاہر ہوتی تھیں لکھی ہیں کہ عقل و فہم کی حد سے خارج ہیں، خدا جانے کہ ان کی کیا تاویل کی ہے اور ان کے لکھنے کا کیا باعث ہوا۔ کہتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے کسی نے یہ خیال کرکے کہ خلقت اُن کے سمجھنے سے قاصر ہے ان کو مٹا کر دھو دیا۔ واللہ اعلم

مزار شریف حصار میں ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

میاں نجم الدّین رح

منڈوی، حضرت شاہ جیوڑ کے مُرید ہیں۔ ایک سو تیس برس کی عمر پائی۔ آپ کے والد بزرگوار سلطان غیاث الدین منڈوی کے وزیر تھے، عارف، صاحبِ حال، علائق سے مجرّد اور لباس میں محض ستر ڈھانکنے پر اکتفا کرتے تھے۔ سات سال کے تھے کہ آپ کے پیر نے آپ کی طرف نظر کی اور آپ کو اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔

کہتے ہیں کہ احمد آباد میں آپ نے ایک مُردے کو زندہ کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد وہاں سے غائب ہو گئے اور ایسے غائب ہوئے کہ اس دیار کے کسی شخص کو آپ کا نشان تک نہ ملا۔ ایک عرصہ کے بعد دہلی آئے اور اکثر اوقات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ کے مزارِ پُر انوار پر حاضر رہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہؒ کی روحانیت سے اجازت سے کر اجمیر شریف چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وفات پائی۔

کہتے ہیں کہ خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو عالمِ رویا میں اشارہ کیا تھا کہ شاہ نجم الدین کی وفات کے ایام قریب ہیں اور اُن کو میرے حجرے کے سامنے دفن کرنا۔ چنانچہ اب وہیں آپ کا مزار ہے۔

نوّر اللہ مرقدہٗ

شیخ برہان کالپیؒ

نہایت مشغول اور صاحبِ ریاضت بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ تصرفِ عالی اور کشفِ جلی رکھتے تھے۔ آپ کے ہندی دوہرے لوگوں میں مشہور ہیں۔ یہ دوہرے درد و حالت سے معمور ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ مہدویہ عقیدہ رکھتے تھے۔ واللہ اعلم

آپ کی وفات سنہ ۱۰۰۰ھ کے اواخر میں ہوئی۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ سلیم رح

بن بہاؤ الدین، حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رح کی اولاد سے ہیں۔ ولادت ۸۹۷ھ میں ہوئی۔ عالم جوانی ہی میں سپاہیوں اور ملازموں کے لباس میں ریاضات و مجاہدات کرتے تھے اور انہی ایام میں شادی کرنے سے پہلے آپ کے دل میں سفر کا خیال پیدا ہوا اور ۹۳۱ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عرب و عجم کی خوب سیر کی اور بزرگوں کی صحبت میں رہ کر بڑے مجاہدے کئے۔ پھر ایک مدت کے بعد سیکری میں جہاں آپ کے والد اور بھائی اپنے وطنِ قدیم دہلی سے جا کر بعض امرا کی ملازمت کے باعث مقیم تھے تشریف لے گئے۔ اور سیکری میں پہاڑ کے غار میں گوشہ نشین ہوئے اور مشغولِ عبادت ہو گئے۔ مدت العمر کبرسنی تک طے کے روزے رکھتے تھے اور سرد ضعیف کرنے والی چیزوں مثلاً پرانا سرکہ اور ٹھنڈی ترکاریوں سے افطار فرماتے۔ ہر روز ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے اور سخت جاڑے کے دنوں میں باریک کرتہ کے سوا اور کچھ نہ پہنتے تھے۔

اس جگہ اقامت اختیار کر لینے کے بعد آپ نے شادی کر لی اور صاحبِ اہل و عیال ہو گئے۔ مرورِ ایام کے ساتھ آپ کے ظاہری حالات میں بھی جمعیت پیدا ہوئی۔ عمارتیں، باغ اور کنوئیں تعمیر کرائے اور سجادۂ مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ نماز اہل حرمین کے مطابق اوّل وقت میں پڑھتے تھے اور بعض مخالف شریعت عادات جو عوام میں متعارف ہوتی ہیں ان میں تغیر پیدا کیا اور طالبوں کو ریاضت و مجاہدہ کا حکم فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس بظاہر اُمرا و حکام

کی محفلوں کے مشابہ ہوتی۔ کسی کو نصیحت فرماتے اور کسی کو جھڑکتے تھے۔ جن لوگوں کو آپ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور آپ سے محبت واعتقاد پیدا ہو گیا وہ آپ کے کشف و کرامت اور تصرفِ ظاہر و باطن کے بارے میں عجیب و غریب قصے بیان کرتے ہیں۔

شیخ سلیمؒ پھر ۹۶۲ھ میں بسبب اُن پریشانیوں کے جو ہیمون ملعون سے آپ کو پہنچیں حرمین شریفین چلے گئے۔ اور سفر و سیاحت کرنے کے بعد ۹۷۶ھ میں واپس تشریف لائے سلطانِ وقت جلال الدین محمد اکبر کو آپ سے نہایت قوی اور پختہ رابطۂ اعتقاد و اتحاد پیدا ہوا۔ چونکہ اُس کے کوئی فرزند نہ تھا اُس نے شیخؒ سے رجوع کیا۔ حق تعالیٰ نے اُس کو بیٹے دیئے جن کو حضرت شیخؒ ہی کے گھر میں تربیت دی گئی۔ بادشاہ کو ظاہر و باطن میں حضرت شیخ کے خانوادہ سے اس قدر محبت و محرمیت پیدا ہو گئی کہ درمیان میں کوئی حجاب نہ رہا۔ آپ کے متعلقین و لواحقین میں سے ہر زن و مرد عنایتِ شاہانہ سے مخصوص ہوا

آپ نے انتیسویں ماہِ مبارک رمضان ۹۷۹ھ کو بحالتِ اعتکاف اس عالم سے رحلت فرمائی اور اُس روضے میں مدفون ہوئے جس کی بنیاد آپ نے خود رکھی ہوئی تھی اور جو بعد میں حاکمِ وقت کے حکم سے تمام ہوا۔ فی الواقع مسجد اور اس روضہ کی عمارت ایسی ہے کہ رُوئے زمین پر شاید کہیں ہو۔ اس کی تاریخِ تاسیس ثانی المسجد الحرام اور تاریخِ اتمام خانقاہِ اکبر ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ نظام الدین امیٹھویؒ

شیخ معروف جونپوری رح کے مرید ہیں جو مولینا اَلہ داد شارح کافیہ وہدایہ کے مرید تھے سالک مجذوب ہیں۔ حال صحیح رکھتے تھے اور سُکر و تلوین کا غلبہ تھا۔ سلوک کے زمانے میں شدید ریاضتیں کی تھیں۔ اشراقِ باطن اور کشفِ خواطر کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا کچھ نہ کچھ اس باب میں ضرور مشاہدہ کرتا تھا: آپ سماع سے پرہیز کرتے تھے اور مریدوں کو بھی اس سے اور مظاہرِ صوری کے ساتھ تعلق رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر باز کی آنکھیں نہ باندھیں اور ریاضت نہ کرائیں تو وہ جنگلی چڑیوں کا شکار کرتا ہے اور اگر ریاضت کرائیں گے تو کُلنگ کا شکار کرے گا۔

سماع کے بارے میں فرماتے تھے کہ اختلاف میں کیوں پڑیں، اور اگر تقلید کریں۔ تو متقدمین کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اس کے باوجود جب کبھی آپ کو حالت ہوتی تھی تو آپ کے بدن میں آگ لگ جاتی تھی اور جب کبھی اجتناب کرتے تھے تو خون جاری ہو جاتا تھا اور زحمت اٹھاتے تھے۔

آپ کا اکثر کلام آدابِ طریقت و فضائلِ اعمال میں ہوتا تھا، مگر اپنے صاحبِ سِر کے ساتھ توحید و حقائق پر بھی گفتگو کرتے تھے۔

نقل ہے کہ آپ صبح صادق ہوتے ہی حجرہ سے نکل کر نماز پڑھتے تھے ایک دن مسجد کے اندر معمول کے مطابق مصلا بچھائے ہوئے تھے آپ خلوت سے باہر آئے تو باہر

ہی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یہیں نماز پڑھیں گے۔ شاید وہاں کوئی موذی چیز ہو آخر
لوگوں نے جو تلاش کیا تو ایک سانپ مصلّے کے کونہ میں لپٹا ہوا ملا۔
وفات آپ کی ۹۸۱ھ میں ہوئی۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ جلال قنوجی قریشیؒ

المشہور بہ للّا صاحب ذوق وحالت و وجد تھے۔ اسمائے الٰہی کی دعوت میں
بھی کشود رکھتے تھے۔ راتوں کو اکثر رویا کرتے، فریاد کرتے اور نعرے مارتے تھے۔ بارہا
جذبہ وحالت کے غلبہ میں آپ کی ظاہری وضع متغیر ہو جاتی اور گدھے پر سوار ہو کر
شہر کے کوچوں میں پھرتے تھے۔
بہت سن رسیدہ اور معمّر تھے ۹۸۰ھ میں وفات پائی۔
رحمتہ اللہ علیہ

شیخ جلال الدین تھانیسریؒ

کابلی، حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اپنے وقت کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ عالم، واصل، صاحبِ استقامت اور شیخِ کامل تھے۔ اوّل عمر سے آخر تک طاعت و عبادت و درس و وعظ و ذکر و سماع و ذوق و حالت میں گذاری، بہت دراز عمر پائی اور حفظِ آداب و نوافل اور رعایتِ اوراد و اوقات میں آخرِ حیات تک قائم رہے

نقل ہے کہ آپ کا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا جب اُس کے درد و مصیبت میں ہوتے تو سماع نہ کرتے کہ کہیں وہ دردِ محبتِ الٰہی کے درد سے مخلوط ہو کر شریک نہ بن جائے

شیخ عبدالقدوسؒ نے اکثر مکتوبات آپ کے نام لکھے ہیں اور آپ نے بھی اپنے پیر کی طرز پر مکتوب لکھے ہیں۔

وفات چودھویں ذی الحجہ ۹۸۹ھ کو ہوئی جبکہ عمر شریف ۹۵ برس کی تھی

رحمۃ اللہ علیہ

شیخ اسحٰق رح

پیر خانی تھے. ملتان سے دہلی میں آئے. آپ نے بہت سیاحت کی اور ریاضاتِ شاقہ کرتے رہے. اکثر اوقات چپ رہتے اور بہت کم بات کرتے تھے. یہ فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ کی التفات وعنایت کو دیکھا تھا. فقیر سے بہت باتیں کرتے تھے. کہتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے میں ایک فرزند کا منتظر ہوں سو حق تعالیٰ نے آپ کو اس کبر سنی میں ایک فرزند عطا کیا اور اس کی ولادت کے بعد انتقال فرما گئے.

جمعہ کا دن تھا، خادمہ سے فرمایا کہ گھر میں کچھ ہے تو لاؤ تاکہ میں باہر نکال دوں خادمہ نے کہا آپ کے گھر میں رکھا ہی کیا تھا جو آج ہوگا. فرمایا جو کچھ ہے تھوڑا یا بہت لے آؤ. دو تین سیر غلہ اور ایک دو پرانے کپڑے تھے، آپ نے وہ فقیروں کو دے دیئے. پھر فرمایا سماع سننے کو جی چاہتا ہے کسی مطرب کو بلاؤ. کہا آپ کے پاس کیا رکھا ہے جو مطرب کو دیں گے. آپ نے فرمایا اپنی دستار اور چادر جو پہنے ہوئے ہوں دے دوں گا. اس اثنا میں ایک دوست کے گھر گئے جس کے پڑوس میں کچھ گا رہے تھے اُس کو سن کر بہت روئے اور حالت طاری ہو گئی، جب حالتِ بے اختیاری غالب ہو گئی تو آپ کو گھر میں لے آئے. تھوڑی دیر قیلولہ کر کے اٹھے اور فرمایا کہ آج جمعہ ہے میں نے غسل نہیں کیا ہے، حجام کو بلایا اور دوستوں سے رخصت طلب کی. پھر فرمایا.

کہ آج قرآن سے اپنا وظیفہ نہیں پڑھا ہے۔ قرآن شریف منگوایا اور وظیفہ پڑھ کر سو گئے اور جاں بحق تسلیم کی۔ یہ واقعہ ۹۸۹ھ میں ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ عبدالغفور مانو رح

علم دعوت و عملیات میں کامل اور صاحب نفس تھے۔ سیاحت بہت کی تھی اور ہندوستان و خراسان دیکھا تھا۔ اپنے نانا شیخ شمس الدین رح کے مُرید و تلقین یافتہ ہیں۔ ایک دفعہ آپ کو جن اٹھا کر اپنے ملک میں لے گئے تھے اور یہ مدتوں ان میں رہے۔ گھر کے لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کہیں سفر کو گئے ہیں۔ یہ جنوں کے شہروں اور وہاں کی زمین کی تعریف اور اور اُن کے اوضاع و اطوار تفصیل سے بیان کرتے تھے۔ اور ان کی زبان بھی جانتے تھے اُن کے ملک کی آب و ہوا کی تاثیر سے آپ کی صورت و ہئیت میں ایسا تغیر پیدا ہو گیا تھا کہ گویا اِس دُنیا سے تعلق نہیں رکھتے۔

بہت معمر تھے ۹۸۹ھ میں وفات پائی۔ رحمتہ اللہ علیہ

آپ کو شیخ عبدالغفور مانو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ مانو آپ کی محبوبہ کا نام تھا واللہ اعلم انسان یا جن کی جنس سے تھی، اس سے اس قدر نسبت رکھتے تھے کہ اگر کوئی اس کا نام ٹھیکری پر لکھ کر آگ میں ڈال دیتا تو یہ بھی اُس کا پیچھا کرتے اور آگ میں گر پڑتے تھے، بارہا دیکھا ہے کہ مانو کا نام ٹھیکری پر لکھ کر کنوئیں میں ڈالا تو یہ بھی اس کے ساتھ ہی گر پڑتے اور اُس ٹھیکری کو کنوئیں کی تہ سے نکال لاتے۔

یہ شیخ ہمارے قبیلہ سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شخص اِس فقیر کے والد ماجد کو آپ کی خدمت میں لے گیا تھا اور دُعا طلب کی تھی۔ یہ شیخ ہمارے قرابتیوں میں سے ہیں، قبیلہ کی اکثر عورتیں کہتی ہیں کہ بار ہا دیکھا کہ کوئی شخص دروازہ کے باہر سے ان کے گھروں میں داخل ہوا اور غلّہ کو پیس کر اور جو خدمت کہ لونڈیاں گھر میں کرتی ہیں وہ کر کے غائب ہو گیا، اور کبھی کبھی شیخ شمس الدین کی خدمت میں ایک جماعت بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی تھی اور کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولینا درویش محمدؐ واعظ رح

درویشِ مُرتاض و سالک و عارف تھے اور درویشوں کی صورت و سیرت سے موصوف تھے۔ تمام زندگی ریاضت و سلوک میں گذری۔ بہت ذوق اور خوشگوار صحبت رکھتے تھے۔ بانسری کی آواز پر کبھی اس قدر درد و شورش و گریہ کرتے کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ اصل میں ماوراء النہر کے رہنے والے تھے، برسوں حرمین شریفین میں فقر و ریاضت و مجاہدہ و عبادت میں مشغول رہے، افغانوں کے عہدِ حکومت میں ۹۵۵ھ کے قریب ہندوستان آئے اور یہاں کے اکثر مشائخ کی صحبت میں رہے اب دہلی میں درویشوں کے حسبِ حال زندگی بسر کرتے تھے۔ ۹۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر شیخ برہان الدین بلخی کے چبوترہ کے نزدیک ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولینا بحتی رح

اسم گرامی محمد اور بحتی تخلص تھا۔ اوائل حال میں بہت بے قید و بے ملاحظہ تھے۔ آخر میں توفیقِ الٰہی رفیقِ حال ہوئی اور آپ کو فقر و ریاضت کے راستے پر ڈال دیا۔ بیس سال صائم الدہر رہے اور ریاضت کشی کی۔

میرزا محمد عزیز نے جو اپنے زمانے کا ایک بہت بڑا امیر تھا آپ کے لئے دہلی میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے روضہ کے قریب ایک خانقاہ بنوادی تھی آپ اسی میں مشغولِ عبادت رہے اور وہیں مدفون ہوئے۔ دہلی کے گوشوں اور ویرانوں میں بہت پھرتے تھے۔ کشفِ قبور کی کچھ باتیں بھی آپ سے نقل کرتے ہیں۔ رحلت کے وقت بھی بیدار دل اور باخبر گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

مولانا حسن کشمیری جو ایک عالم و فاضل و مؤدب و مہذب و بہر دلعزیز اور درویشوں کے معتقد جان تھے آپ کی تاریخ وفات میں کہتے ہیں۔

فات فی السبت شیخنا بحتی — کہ بنود ش نظیر بشک و ریب

سالِ تاریخ آن ملک سیرت — فات بحتی ندا رسیدہ زغیب

۹۰۱

ذکرِ بعض مجاذیب

بلا لحاظِ تقدّم و تاخّر

شاہ ابوالغیبؒ بخاریؒ

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاریؒ کے فرزند تھے۔ سُکرِ طافح اور حالتِ غالب رکھتے تھے۔ تحصیلِ علم کے زمانے میں طالب علموں سے سبقتِ درس کی التماس کرتے اور یہ عذر پیش کرتے کہ تم لوگ تو ہمیشہ پڑھتے رہو گے، اور مجھے فرصتِ وقت پر اعتماد نہیں ہے خدا جانے کیا حالت پیش آئے۔ چنانچہ آپ نے بڑی سرعت کے ساتھ تمام متداول کتابوں پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد جذبۂ حق پیش ہوا اور سب کاموں سے باز آئے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ کے مکان میں دن بھر روٹیاں پکیں اور توے گرم پڑے ہوئے تھے۔ آپ آئے اور دونوں پاؤں کو توے پر رکھ کر کھڑے ہو گئے کچھ دیر کھڑے رہے لیکن پاؤں میں کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔

نقل ہے کہ ایک روز اپنے پیروں کی زیارت کے لئے گئے اور کہا کہ اگر نصیب میں ہے تو کل پھر آپ کی ملازمت کو آؤں گا۔ وہاں سے گھر آکر والدہ کے پاس گئے، اور پوچھا ماما کچھ جانتی ہو کہ میں سیّد ہوں۔ انہوں نے کہا بابا تو سیّد اور تیرے باپ سیّد، آپ نے فرمایا باپ دادا سے کون پوچھتا ہے؟ میں سیّد ہوں یا نہیں۔ اس کے بعد خدمتگار کو اپنے پاس بلایا اور کہا تو اپنے آقا کے لئے کیونکر روئے گا۔ ذرا رو کر دکھاؤ اُسی دن یا اس کے دوسرے دن واللہ اعلم رحلت فرما گئے۔ قدس اللہ سرہٗ۔

میاں معروفؒ

مجذوب تھے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ پر اُس قدیم گنبد میں رہتے تھے جو شیخ برہان الدین بلخیؒ کی قبر کے نزدیک ہے۔ حالتِ سُکر و جذبہ کے باوجود علمِ تکسیر (تعویذ نویسی) میں آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت تھے شیر شاہ نے جب دہلی کے قلعہ کو ویران کیا تو آپ اس خبر کو سنتے ہی ایسے غائب ہوئے کہ پھر نشان تک نہ ملا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ علاؤ الدّین مجذوبؒ

آپ کو شیخ علاؤل بلاؤل بھی کہتے ہیں. کشفِ حال اور دل کی باتیں ظاہر کرنے میں آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت تھے. جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس باب میں ضرور کوئی چیز دیکھتا. ابتدائے حال میں تحصیلِ علم کی. ایک مدّت سامانہ میں رہے، پھر دہلی میں بھی طلبِ علم میں مصروف رہے. جب حالتِ جذبہ شروع ہوئی تو آگرہ چلے گئے اور مدّتوں مجرد رہے. بعدازاں کرامات و امارات کے ظاہر ہونے کے سبب سے لوگوں کا آپ کی خدمت میں رجوع ہو گیا. اور خادم آپ کے لئے لونڈیاں خرید کر خدمت میں چھوڑ جاتے تھے، بوجہ اقتضائے طبیعتِ بشری آپ کا ان کی طرف میلان ہوا اور بعض سے فرزند بھی پیدا ہوئے.

اس فقیر کے چچا شیخ رزق اللہ قدس سرّہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں کسی فرزند کی خبر نہ ملنے کی وجہ سے متردّد تھا اور چاہتا تھا کہ اس کی خیریت کے لئے صدقہ دوں یا قرآن شریف پڑھوں یا اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم کا ورد کروں، اسی تردد میں میں شیخ علاؤ الدین کے پاس گیا تا کہ وہ جو کچھ اشارہ کریں اس پر عمل کروں جب میں گیا تو مجرد دیکھتے ہی فرمایا. قرآن عظیم سب سے افضل ہے.

نیز فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا ہم کو کوئی مشغولی فرمائیے کہ جس کو عمل میں لائیں. فرمایا تجھ کو تختۂ عشق کافی ہے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں

میرے والد بزرگوار قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں ایک دوست کی صحبت سے جُدا ہوگیا تھا اور اُس سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا، وہ دہلی میں رہتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور وہ دوست شیخ علاؤل بلاول کی خدمت میں بیٹھے ہیں اور میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر شیخ کے سامنے لاتا ہوں کہ اس جوان کے ہاتھ پر بوسہ دیں۔ شیخ کہتے ہیں کہ تم بوسہ دو کیونکہ عاشق ہو۔ حق تعالیٰ اُس کو قبولیت بخشے گا۔ صبح ہوتے ہی میں مُنہ اندھیرے شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ دیکھا کہ دروازہ ہی پر کھڑے ہیں۔ مجھ کو دُور سے دیکھ کر چلّا کر کہنے لگے کہ جاؤ جلدی جاؤ کہ تمہارے مشتاق ہیں۔ اور یہ دو کلمے فرمائے کہ "خیردین، خیردین"۔ اسی وقت میں نے دہلی کا مصمّم ارادہ کیا اور متوجہ ہوگیا کوئی خدمت گار ساتھ نہ تھا اور اس کی تلاش میں کچھ توقف کرنا ضروری تھا۔ جب اشتیاق کا بہت غلبہ ہوا تو اس کا بھی مقید نہ ہوا اور سرائے فرخ میں فروکش ہوا۔ ایک شخص میرے سامنے آیا۔ میں نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اور کہاں جاتے ہو۔ اس نے کہا میرا نام خیردین ہے دہلی جاتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں رہوں۔ جب ہم اگلی منزل پر پہنچے تو ایک اور شخص سامنے آیا جو دہلی جارہا تھا اور اس کا نام بھی خیردین تھا۔ اُس لفظ "خیردین" کا بھید جو شیخ نے مکرّر فرمایا تھا اب ظاہر ہوا۔ یہ دونوں خیردین میرے ہمراہ ہوتے۔ جب ہم دہلی پہنچے تو اس دوست نے بہت اشتیاق کا اظہار کیا اور خوش ہوا۔

شیخ کی تاریخ وفات "علاؤ الدین مجذوب" ہے۔ قدس اللہ سرہٗ
۹۴۷

قدس اللہ سرہٗ

مسعود نخاسیؒ

بدایوں میں ایک دیوانہ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خواجہ زین الدین ساکن مدرسہ معزی نے اُن سے کہا ہمیں کوئی فائدہ فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا شراب لاؤ۔ خواجہ زین الدین نے غلام کو بھیج کر شراب منگائی اور دیوانے کے سامنے رکھی۔ دیوانے نے کہا دریا کے کنارے جا کر پیتے ہیں۔ وہاں گئے اور پانی کے کنارہ پر بیٹھ کر دیوانے نے خواجہ زین الدین سے کہا کہ اٹھو ساقی بنو۔ خواجہ زین الدین نے پیالہ بھر کر پیش کیا۔ دیوانے نے پینا شروع کیا۔ اتنا کہ مست ہوگیا پھر کہا کہ کپڑے اتار کر پانی میں جاتا ہوں۔ جب پانی سے باہر نکلا تو خواجہ زین الدین سے کہا کہ تم کو پانچ خصلتیں لازم پکڑنی چاہیئں :-

اوّل گھر کا دروازہ ہر کسی کے لئے کھُلا رکھنا۔

دوم خندہ پیشانی رہنا اور کشادہ روئی و بشاشت کا اظہار کرنا۔

سوم جو کچھ میسّر ہو اس سے دریغ نہ کرنا خواہ تھوڑا ہو یا بہت حاضر کر دینا۔

چہارم اپنا بار کسی پر نہ رکھنا۔

پنجم لوگوں کے بار خوشی سے اٹھانا۔

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ حسن مجذوبؒ

قصبہ ریری کے رہنے والے تھے۔ دہلی کی سیر کیا کرتے تھے اور سلطان سکندر لودھی پر عاشق تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان مذکور نے کئی بار آپ کو قید خانے میں بند کیا مگر آپ دوسرے روز نکل کر بازاروں میں پھرتے دکھائی دیتے تھے۔

ایک دفعہ سلطان سکندر محل خاص میں بیٹھا تھا کہ یکایک آپ اس طرف آنکلے۔ سلطان نے کہا ہماری اجازت کے بغیر یہاں کیوں آگئے۔ آپ نے کہا میں تمہارا عاشق ہوں اور تمہیں دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ سلطان کے سامنے آگ کی انگیٹھی رکھی تھی اُس نے دیوانے کو گردن سے پکڑ کر انگیٹھی میں ٹھونس دیا اور کافی دیر تک اسی حال میں رہنے دیا۔ جب نکالا تو آپ پر آگ کا مطلق اثر نہ تھا۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ حسن بودلہ دہلویؒ

شہر کے ایک رئیس کے فرزند اور پیدائشی مجذوب تھے اس دُنیا کے اوضاع و اطوار سے غافل و فارغ، اور عجیب و غریب حالت کے مالک تھے. اکثر اوقات برہنہ رہتے تھے اور شہوانی قوّت بالکل نہ رکھتے تھے. زر و جامہ سے جو کچھ ہوتا سب قوّالوں کو یا جو کوئی حاضر ہوتا بخش دیتے تھے. باوجود اس حالت کے مظاہر صور یہ جو محفلوں میں موجود ہوتے اُن کو دیکھ کر خوب ذوق کیا کرتے تھے۔

علمائے وقت میں سے بعض نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ سرور کائنات علیہ اکمل التحیات کی خدمت میں حاضر ہیں اور آنحضرتؐ کو وضو کرا رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بعض حاجی مکّہ شریف سے آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو حرم مکّہ میں دیکھا ہے آپ کی وفات سنہ ۹۶۴ھ کے قریب ہوئی واللہ اعلم' قبر بازار دہلی میں خواص خان کے روضہ کے پاس ہے یہ خواص خان شیر شاہ کے آزاد کئے ہوئے غلاموں میں سے تھا، سخاوت و صلاحیت میں یگانۂ روزگار تھا اور اس کے اوصاف و احوال زائد الوصف ہیں. بہت مشہور ہونے کی وجہ سے اسی قدر ذکر پر اکتفا کی گئی' اس کو سلیم شاہ نے ۹۵۵ھ میں شہید کر دیا۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ عبداللہ ابدال دہلویؒ

ایک مشہور مجذوب اور صاحبِ حالت بزرگ تھے۔ بازاروں میں رقص کرتے اور اپنے موافقِ حال سادہ ہندی دوہرے کہتے پھرتے، آپ کے ہمراہ لوگ بھی دف اور رباب بجاتے پھرتے تھے۔

نقل ہے ایک دن یہ ایسے بیمار تھے کہ گھر کے چند آدمیوں نے آپ کی بغل میں ہاتھ دے کر اٹھایا اور گھر کی دہلیز میں بٹھا کر اندر چلے آئے مگر اسی لمحہ جو دیکھتے ہیں تو آپ غائب ہو گئے اور کوئی نشان نہ ملا۔

بندہ کے چچا شیخ رزق اللہؒ فرماتے تھے کہ میں گجرات میں گیا تو لوگوں سے اُن کا اور اُن کے دوہروں کا ذکر بہت سنا۔ میں نے پوچھا وہ اِدھر کب آئے تھے، وہ تو دہلی میں تھے انہوں نے کہا وہ تو اکثر یہیں رہتے تھے، وہ دہلی کب گئے۔

شیخ عبداللہ ہمارے قرابتیوں میں سے تھے۔ فقیر کے دادا سے خواہرزادگی کی نسبت رکھتے تھے، جس وقت میرے دادا آپ کو اُس حالتِ سُکر و جذبہ میں دیکھتے، تو آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہتے کہ تم میرے خویشِ حقیقی ہو، مگر جب دوسرے بھائیوں کو دیکھتے جو مشربِ معرفت و محبت سے بیگانہ تھے تو اُن کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتے

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

میاں مونگرہؒ

لاہور میں رہتے تھے، اپنے زمانے کے مجاذیب سے تھے۔ نفس گیرا اور جذبۂ قوی رکھتے تھے۔

حضرت حاجی محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں لاہور گیا اور شیخ حسن بودلہ جو مجھ سے محبت رکھتے تھے میرے ہمراہ تھے، ایک دن وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ شیخ مونگرہؒ آنکلے اور شیخ حسنؒ کو دیکھتے ہی پوچھا۔ تم کہاں آئے ہو، تم کو یہاں سے کیا تعلق ہے، اُن کے یہ کہتے ہی شیخ حسن وہاں سے ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور دہلی میں آکر دم لیا۔ قدس اللہ سرہٗ

باباکپور مجذوبؒ

اصل میں کالپی کے رہنے والے تھے ابتدائے حال میں طریق سلوک بہت طے کر چکے تھے اور سقائی کرتے رہے۔ راتوں کو ضعیفوں کے گھروں میں پانی بھرا کرتے تھے آخر کار ایک بزرگ سے حالتِ جذب نصیب ہوئی۔ گوالیار میں مقیم ہوئے اور ابوابِ فتوح کشادہ ہوگئے اور اہلِ عالم کے دل آپ کی طرف رجوع ہوئے۔

نقل ہے کہ اکثر اوقات استغراق میں رہتے تھے مگر بعض طبعی حاجتوں کے وقت آپ کو قدرے افاقہ ہوجاتا تھا۔ چند روز کے بعد تھوڑا اناج کھاتے تھے۔ لباس میں فقط سترِ عورت پر اکتفا کرتے تھے اور اکثر اوقات وہ بھی نہ ہوتا تھا، لوگ عمدہ عمدہ کپڑے آپ کے پاس لاتے لیکن آپ دوسرے لوگوں کو بخش دیتے تھے، امیروں کو اپنے پاس کم آنے دیتے تھے، اور اہلِ عالم کے دل سے راہ رکھتے تھے۔

آپ سے خوارق بہت نقل کرتے ہیں۔ سلوک میں شاہ مدار کے سلسلے سے نسبت رکھتے تھے۔ بہت سن رسیدہ تھے اور اسرار خوب بیان کرتے تھے، بعض فضلائے عصر نے آپ کی تاریخِ وفات کپور مجذوب کہی ہے۔ ۹۷۹ قدس اللہ سرہٗ

باین مجذوبؒ

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے در اقدس پر پڑے رہتے تھے۔ مالوہ کے رہنے والے تھے اور اجمیر شریف میں آپ کو جذبۂ الٰہی حاصل ہوا۔

شیخ حمزہ دھرسوت سے نقل ہے کہ کہتے تھے جب میں توبہ کے اوّل حال میں خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین قدس سرہٗ کی زیارت کو گیا تو یہ باین مجذوب اُن لوگوں سے جو اُن کے گرد تھے کہنے لگے میاں آتے ہیں۔ لوگ ہر طرف دیکھنے لگے کہ کون ہے۔ ناگاہ ایک کونہ میں سے مَیں ظاہر ہوا۔ کہنے لگے۔ یہ میاں آئے۔ جب میں قریب پہنچا تو کہا میاں ذرا قریب آؤ۔ میں قریب گیا تو کٹار جو میری کمر سے بندھی ہوئی تھی اُس کو پکڑ کر کہا یہ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ ہتھیار ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے، پھر کٹار کو چھوڑ دیا اور میرے پاس جو تھوڑا سا خرچ تھا اس کو گرہ سے کھول کر پوچھا یہ کیا ہے' میں نے کہا توشۂ راہ ہے۔ یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ میرے پاس دو کنگھیاں تھیں۔ ان دونوں کو نکال کر سر کی کنگھی کو دُور پھینک دیا۔ اور ڈاڑھی کی کنگھی میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے اس اشارہ سے اسی وقت سر منڈا دیا۔ اسی اثنا میں شیخ احمد مجدد کو خبر ہوئی کہ قاضی کریم الدین کے لڑکے تارک ہو گئے ہیں انہوں نے مجھ کو اپنے گھر میں مہمان کیا، اُس مجلس میں میاں باین بھی موجود تھے، وہ ہر ایک اہلِ مجلس کو نوالہ دیتے تھے اور لوگ ان کے ہاتھ سے تبرک لیتے تھے۔ اُن میں سے کسی نے کہا کہ ایک یہ مہمان ہے اس کو

کیوں محروم رکھتے ہو۔ انہوں نے وہ طبق جو اُن کے سامنے رکھا تھا سب اٹھا کر مجھ کو دے دیا اور فرمایا ہر شخص کو تو ایک لقمہ اور میاں کو تمام طبق۔ جس وقت کہ میں وہاں سے اٹھا لوگ مجھ کو میاں حمزہ کہنے لگے۔ اور اُسی دن سے مجھ پر کشا ئش کا دروازہ کھل گیا۔

نقل ہے کہ جب بادشاہ گجرات کا بیٹا سلطان بہادر شہزادگی کے زمانے میں باپ سے رنجیدہ ہو کر اجمیر شریف میں آیا تو پہلے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی زیارت کو گیا اجمیر اس زمانے میں کافروں کے پاس تھا اور حضرت خواجہؒ کے مزار کو انہوں نے معبد بنا رکھا تھا اور وہاں بُت رکھے ہوئے تھے۔ سلطان بہادر نے اپنے دل میں نیت کی کہ اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھ کو بادشاہت دی تو ان کافروں سے جو حد انتقام ہے وہ لوں گا۔ بابن بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی دایہ کو جس کا نام شادان تھا آواز دی کہ شادان! شادان!! بلند تخت رکھ کہ ایک مرغ دریائی آیا ہے۔ بہادر نے اس سے نیک فال لی اور چلا گیا۔ بعد ازاں جب اس ولایت کا بادشاہ ہوا تو اپنے عہد کو پورا کیا اور اس دیار کے کفار سے انتقام لیا ؎

آلہ دین مجذوبؒ

نارنول میں تھے۔ صاحبِ نفس، اکثر اوقات وہاں کے بازار میں پھرا کرتے۔ قبر بھی نارنول میں ہے۔ جس جگہ بیٹھ جاتے پھر کئی روز تک نہ اٹھتے اور خود بخود باتیں کیا کرتے تھے۔ کبھی روتے، کبھی ہنستے اور کبھی اپنے آپ سے لڑتے، کبھی کبھی دوتارہ بجانے لگتے اور افغانی گیت گاتے، بدن پر میلے کچیلے چیتھڑے اور ہاتھ پاؤں میں لوہا پہنتے تھے۔ گفتگو اور خطاب میں یہ تکیہ کلام تھا "خدایا آؤ، خدایا جاؤ، خدایا بیٹھ جاؤ" جس کسی سے بات کرتے اسی طرح کہتے تھے۔

مُلّا محمد نارنولی کہتے ہیں کہ میری ماں کہتی تھیں کہ جب تو شیر خوار بچّہ تھا تو ایک دفعہ ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کی اُمید جاتی رہی۔ آلہ دین دیوانہ ہمارے محلہ کے نزدیک سے گزرے اور ایک شخص کو آبخورہ کی مٹی دے کر کہا کہ یہ مٹی فلاں مکان میں لے جاؤ۔ اُس شخص نے وہ مٹی لا کر مجھ کو دی اور میں نے تعویز بنا کر تیرے بازو میں باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو صحت دی۔ تیرے والد گئے اور آلہ دین کو گھر میں لائے تاکہ کچھ کھلائیں۔ آلہ دین کہنے لگے، خدایا کچھ گرم، کچھ سرد، کچھ کھٹا، کچھ میٹھا۔ تمہارے والد نے اسی وقت چاول پکائے اور شکر اور دہی حاضر کیا۔ وہ کھا کر واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ سر بازار گندگی کا ڈھیر پڑا ہوا تھا آپ جس کسی کا پاؤں گندگی میں پڑا دیکھتے اس کو نکال کر اپنا پاؤں اس میں ڈال دیتے۔

نیز ملا محمد کہتے تھے کہ ایک دن میں نے چند پیسے ان کی نذر کے واسطے لئے اور ان کے ڈھونڈنے کو نکلا۔ اکثر جگہ تلاش کیا کہیں نہ ملے۔ ناگاہ شہر کے ایک کونہ میں ایک مزبلہ میں دیکھا کہ ایک شخص گدڑی اوڑھے پڑا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ شاید مُردہ پڑا ہے جب نزدیک پہنچا تو وہ گدڑی ہلی۔ تب میں نے جانا کہ زندہ ہے۔ انہوں نے گدڑی میں سے سر باہر نکال کر کہا، خدایا! لا کیا لایا ہے۔ میں نے وہ پیسے جو اُن کی نیت سے لے گیا تھا حاضر کئے۔ انہوں نے خرقہ میں سے ہاتھ باہر نکال کر لے لئے اور کہا خدایا واپس چلے جاؤ یہ مزبلہ ہے۔

آپ کی رحلت ۹۶۴ھ میں پندرھویں شعبان کو شب برات میں صبح صادق کے قریب ہوئی۔ تاریخ وفات مجذوب صادق ہے۔
۹ ۶ ۴

قدس اللہ سرہٗ

شاہ منصورؒ

منڈو میں ایک مجذوب تھے، صاحب کشف جلی و تصرف غالب۔

نقل ہے کہ جب محمد ہمایوں بادشاہ، گجرات کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے اس بارے میں فال لینے کے لئے کسی شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس شخص کے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر اس کے پر توڑ ڈالے اور پھر ترکش میں رکھ دیا۔ اُس شخص نے لشکرِ سلطانی میں واپس آکر کیفیتِ حال عرض کی۔ بادشاہ نے فرمایا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم کو فتح نصیب نہ ہو گی اور ہمارا لشکر پریشان ہو جائے گا۔ مگر اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ ہمارا لشکر پریشان و ابتر ہو جائے گا لیکن ہماری ذات محفوظ رہے گی اور بسلامت واپس چلے جائیں گے۔

حضرت شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ان شاہ منصور مجذوب نے شاہ بھنکھاری جو برہان پور کے صاحبِ ولایت تھے اُن کے وضو کا پانی پیا تھا جس کے سبب سے یہ حالت ہو گئی تھی۔ اور فرماتے تھے کہ ابتدائے حال میں جب ہم نے اس راستہ میں قدم رکھنے کا ارادہ کیا اور ہمت کو فقر و تجرید کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہم شاہ منصور کی خدمت میں گئے تاکہ ان سے فال لیں۔ جس وقت کہ ہم اُن کے سامنے بیٹھے، پوچھا۔ تم بھاکری پکا سکتے ہو۔ بھاکری اُس ولایت کی زبان میں باجرے کی روٹی کو کہتے ہیں جو فقرا کا خاصہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے پکا کر کھاتے ہیں۔ پھر خود ہی کہا بھاکری پکانا مشکل

ہے۔ بہت محنت سے باجرہ لائے پھر اس کو پیسا اور خمیر کیا۔ اور لکڑیاں چن کر لائے اور آگ جلائی، آگ نہ لگی، پھر یکایک ایسی بھڑکی کہ سر، ڈاڑھی اور منہ سب جل گیا۔ بھاکری پکانا مشکل ہے۔ یہی بات اپنی شکستہ ہندی میں مجذوبانہ بار بار کہے جاتے تھے، ہر بار جب وہ یہ بات کہتے تھے ہم اپنے دل میں کہتے تھے انشاء اللہ تعالیٰ ضرور پکائیں گے۔ پھر سر اُٹھا کر کہنے لگے۔ اگر پکائے تو پکا سکتا ہے، اسی لفظ کی پچاس ساٹھ بار تکرار کی۔ ہر بار کہ وہ کہتے تھے ہماری ہمت فقر و تجرید کے اختیار کرنے پر اور تازہ ہوتی تھی۔ پھر ہم اُن کے پاس سے اٹھے اور اپنا کام شروع کیا

رحمۃ اللہ علیہا

شیخ یوسفؒ

لاہور میں ایک مجذوب تھے محفوظ الاوقات، بلند قامت، جسیم اور باہیبت وعظمت بزرگ تھے، سر پہ بڑی دستار باندھتے اور سر منڈائے رکھتے تھے۔ صاحب کشف جلی و اشراق باطن تھے۔

حضرت شیخ قطب العالم'' فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے ان کو لاہور میں مویشیوں کی منڈی میں دیکھا کہ کھڑے ہوئے سخنان بلند و اسرار ارجمند کا اظہار کر رہے ہیں انہوں نے میرے پوشیدہ احوال کی بھی کچھ باتیں مجھ سے بیان فرمائیں۔ جو علام الغیوب کے سوا اور کوئی نہ جانتا تھا۔ دوسرے دن میں اُن کی خدمت میں گیا تاکہ سفر کے بارے میں فال لوں۔ اُن کو جس جگہ تلاش کیا وہاں نہ ملے۔ آخر اپنی منزل پر واپس آگیا کچھ سرگزشت

احوال اپنے یاروں سے کہہ رہا تھا کہ ناگاہ وہیں آموجود ہوئے اور میری طرف مُنہ کر کے کہنے لگے. خبردار ہرگز سفر نہ کرنا کیونکہ مبارک نہیں. اس جگہ کے لوگ کہتے تھے کہ شیخ آج بارہ برس کے بعد اس جگہ آئے ہیں. اس مدت میں کبھی اُن کا گذر اس طرف نہیں ہوا تھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

سوہن مجذوبؒ

یہ ایک دیوانے تھے اہلِ حال و صاحبِ تصرفؒ اصل میں ایک چھوٹے سے کم آباد گاؤں کے رہنے والے تھے، مسلمان ہو کر مجذوب ہو گئے. اور شیخ علاؤ الدینؒ اجودھنی کی خدمت اختیار کی۔ ایک مدّت ان کی خدمت میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے آستانے میں رہے۔

کئی کئی دن ایسے گزرتے کہ نہ کچھ کھاتے نہ پیتے. مگر بعض اوقات سیروں کھانا کھا جاتے اور پانی کی پوری مشک پی جاتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ چُونے کے ڈھیر پر پڑے ہوئے چُونا کھا رہے ہیں. لوگوں نے پوچھا یہ کیا کھاتے ہو یہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔ کہنے لگے کیا کروں اِس بدبخت کو بڑی حرص ہے اور سوائے خاک کے کسی چیز سے سیر نہیں ہوتا۔ قدس اللہ سرہٗ۔

ذکرِ بعضے از نسائے صالحات

بی بی سارہؒ

شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اولیائے متقدمین میں بڑی بزرگ ہوئی ہیں۔

نقل ہے کہ ایک بار بہت خشک سالی ہوئی، سب لوگ دعا کرتے تھے مگر بارش نہ ہوئی۔ شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ نے اپنی والدہ کے دامن کا ایک دھاگا ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ خداوندا یہ اس ضعیفہ کے دامن کا دھاگا ہے جس پر کبھی نامحرم کی نظر نہیں پڑی۔ اس کی حرمت سے مینہ برسا۔ شیخؒ کا یہ کہنا تھا کہ مینہ برسنا شروع ہو گیا

مزار شریف پرانی عیدگاہ کے پہلو میں ہے جس کے پس پشت خواجہ قطب الدینؒ قدس سرہ کی قبر ہے۔ رحمتہ اللہ علیہا۔

بی بی فاطمہ سامؒ

اپنے زمانے کی صالحات وقانتات وعابدات سے تھیں۔ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور اُن کے خلفاء کے ملفوظات میں آپ کا ذکر بہت آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان المشائخؒ، فاطمہ سامؒ کے روضے میں اکثر یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ فرماتے تھے کہ فاطمہ سامؒ ایک مرد ہے جسے عورتوں کی صورت میں بھیجا گیا ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب جنگل سے شیر نکل کر آتا ہے تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ۔ فرزندانِ آدم کو طاعت و تقویٰ چاہیئے خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ پھر بی بی فاطمہ سامؒ کے مناقب میں غلو فرمایا کہ یہ انتہائے صلاحیت دکبر سنّ کو پہنچ گئی تھیں، میں نے ان کو دیکھا ہے بہت عزیز عورت تھیں۔ اُن کے اور حضرت شیخ فریدالدینؒ و شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے درمیان بہن بھائیوں کے سے تعلقات تھے۔ ہر چیز کے حسب حال شعر کہتی تھیں، اُن کے یہ دو مصرعے مجھ کو یاد ہیں ؎

ہم عشق طلب کنی وہم جان خواہی ہر دو طلبی وںلے میسّر نشود

حضرت یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے بی بی فاطمہ سامؒ کو یہ کہتے سنا ہے کہ روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا کوزہ کسی کو دینے سے اس قدر دینی و دُنیاوی نعمتیں اس پر نثار کرتے ہیں جو صد ہزار روزہ و نماز سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ بی بی فاطمہ، قصبہ اندرپت کے نواح میں آسودہ ہیں اور آپ کا روضہ لوگوں کا قبلۂ حاجات بنا ہوا ہے۔ محرر سطور عرض کرتا ہے کہ اس وقت آپ کی قبر دہلی کے نخاس دروازہ کے قریب ایک خرابہ میں واقع ہے اور اس کو کوئی نہیں جانتا ہے الا ماشاء اللہ۔ رحمتہ اللہ علیہا

والدۂ شیخ فریدالدین شکر گنج رح

بڑی مستجاب الدعوات بزرگ تھیں۔

نقل ہے کہ جب حضرت بابا فریدالدین شکر گنج قدس سرہٗ نے اجودھن میں سکونت اختیار کی، انہوں نے شیخ نجیب الدین متوکل رح کو بھیجا کہ والدہ کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ واپسی پر راستے میں وہ ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے، اس اثناء میں پانی کی حاجت ہوئی اور شیخ نجیب الدین رح پانی لینے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو والدہ شریفہ کو وہاں نہ پاکر سخت متحیّر ہوئے حضرت شیخ فریدالدین رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا۔ انہوں نے کھانا پکانے اور آئے ہوئے صدقہ کے تقسیم کرنے کا حکم دیا پھر تھوڑی مدت کے بعد شیخ نجیب الدین رح کا اس طرف دوبارہ گزر ہوا۔ جب اُس درخت کے نیچے پہنچے تو خیال آیا اس موضع میں جا کر دیکھنا چاہیئے شاید والدہ کا کچھ نشان ملے۔ اسی غرض سے تلاش میں نکلے تو ایک جگہ کچھ ہڈیاں ملیں جو انسان کی ہڈیوں سے ملتی جلتی تھیں۔ ان کو دیکھ کر سمجھے کہ شاید والدہ ماجدہ کو کسی شیر یا درندے نے ہلاک کر دیا ہے اور یہ انہیں کی ہڈیاں ہیں۔ چنانچہ ان سب کو جمع کرکے ایک تھیلی میں ڈال لیا اور حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کی خدمت میں آکر ماجرا بیان کیا۔ حضرت شیخ رح نے فرمایا وہ تھیلی میرے پاس لاؤ۔ شیخ نجیب الدین رح نے اس تھیلی کو لا کر جھاڑا تو ایک ہڈی بھی نہ نکلی۔ قدس سرہٗ العزیز۔

بی بی زلیخاؒ

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

حضرت فرماتے تھے۔ کہ میری والدہ کو خدا تعالیٰ کی ذات پاک سے آشنائی تھی۔ اُن کو جو کام پیش آتا تھا پہلے وہ اس کو خواب میں دیکھ لیتی تھیں اور اُن کو اختیار مل جاتا تھا۔ مجھ کو بھی جو کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے اُسے اپنی والدہ کی قبر کے پاس جا کر عرض کرتا ہوں۔ غالباً ایک ہی ہفتہ میں پوری ہو جاتی ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کے پورے ہونے میں ایک ماہ لگ جائے۔ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کو جب کوئی حاجت درپیش ہوتی تو وہ پانسو بار صلوٰۃ پڑھا کرتیں اور دامنِ مبارک پھیلا کر دُعا کرتی تھیں۔ پھر ویسا ہی ہوتا تھا جیسا کہ وہ چاہتی تھیں۔

فرماتے تھے جس دن ہمارے گھر میں غلّہ نہ ہوتا تھا اس روز والدہ شریفہ مجھے کہتیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں' ان کی اس بات سے مجھ میں ذوق پیدا ہوتا تھا۔ قضارا ایک دفعہ کوئی شخص ایک ٹنکہ کا غلّہ ہمارے گھر میں لایا۔ جس سے کئی روز برابر روٹی پکتی رہی اور میں تنگ آ گیا کہ وہ کون سا دن آئے گا۔ جب والدہ مجھ سے فرمائیں گی کہ ہم آج خدا کے مہمان ہیں۔ آخر وہ غلہ پورا ہو گیا اور والدہ نے فرمایا۔ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ ان کے اس فرمان سے

مجھ میں وہ ذوق اور راحت پیدا ہوتی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

نقل ہے کہ اُن ایام میں جب سلطان قطب الدین بن سلطان علاء الدین خلجی نے چاہا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ساتھ منازعت کرے تو منازعت کا باعث یہ ہوا کہ سلطان قطب الدین نے قلعہ سیری میں ایک جامع مسجد بنوائی تھی اور جمعہ اوّل میں مشائخ و علماء کو طلب کیا کہ اس جمعہ کی نماز اس مسجد میں پڑھیں۔ شیخ نظام الدین نے جواب میں کہلا بھیجا، کہ ہمارے نزدیک مسجد ہے اور اس کا حق زیادہ ہے۔ ہم یہیں نماز پڑھیں گے، اور وہ مسجد سیری میں نہ گئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو حکم تھا کہ تمام ائمہ و مشائخ و صدور و اکابر ماہ نو کی تہنیت کے لیئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور شیخ نظام الدین نہیں جاتے تھے۔ لیکن ان کے خادم خاص اقبال جاتے تھے۔ حاسدوں نے اس پر بادشاہ کو برانگیختہ کرکے عداوت کی بنا قائم کی، سلطان قطب الدین نے غرورِ بادشاہی میں آکر کہا اگر آئندہ ماہ کے غرّہ میں نہ آئے تو ان کو زبردستی لائیں گے۔ یہ خبر شیخ کو پہنچی۔ انھوں نے کچھ نہ فرمایا۔ اور اپنی والدہ کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ اور عرض کیا کہ یہ بادشاہ میرے ایذا دینے کے درپے ہے، اگر لگلے غرّہ تک جب وہ مجھے ایذا دینا چاہتا ہے اس کا کام تمام نہ ہوا تو میں آپ کی زیارت کو نہ آؤں گا۔ والدہ کی خدمت میں از راہ ناز و نیاز یہ عرض کرکے گھر میں واپس چلے آئے۔ قضائے آلہٰی سے آئندہ

ماہ کے غرہ میں اُس بداندیش کی جان پر آفت آئی اور خسرو خان نے جو سلطان قطب الدین کے مقربوں میں سے تھا اُس کو ہلاک کر دیا اور محل سے نیچے پھینک دیا جیسا کہ مشہور ہے۔

نقل ہے کہ شیخ نظام الدین قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میری والدہ کا انتقال ماہ جمادی الاخریٰ کی پہلی تاریخ کو ہوا۔ اُس مہینہ کی رات کو جب نیا چاند دیکھا تو میں نے ان کے قدموں میں سر رکھا اور معمول کے مطابق ماہِ نو کی تہنیت ادا کی۔ اُس وقت اُن کی زبانِ مبارک سے نکلا کہ ماہِ آئندہ کے غرہ میں کس کے قدموں میں سر رکھو گے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ اُن کا انتقال قریب ہے۔ میرا حال متغیر ہو گیا اور میں رونے لگا۔ عرض کیا اے مخدومہ مجھ غریب بیچارہ کو کس کے سپرد کرتے ہو۔ فرمایا کہ اس کا جواب صبح کو دوں گی، اور فرمایا کہ رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر میں رہو۔

اُن کے فرمان کے مطابق میں وہیں رہا۔ آخر شب صبح کے قریب لونڈی آئی کہ مخدومہ آپ کو بلاتی ہیں۔ جب میں پہنچا تو فرمایا رات کو تم نے ایک بات پوچھی تھی اور میں نے اُس کے جواب کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں کہتی ہوں۔ پھر فرمایا داہنا ہاتھ کون سا ہے۔ اُس کو پکڑ کر فرمایا، خداوندا اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر جان بحق تسلیم کی۔

روضۂ مبارک شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے روضہ کے قریب

ہے۔ اور گھر بھی وہیں تھا، بی بی نور جن کی زیارت کو عورتیں جاتی ہیں اگر
ان کا وجود ہے، آپ کے مقبرہ کے عقب میں خوابیدہ ہیں۔

رحمتہ اللہ علیہما

بی بی اولیاؒ

اپنے وقت کی صالحات میں سے تھیں۔ کہتے ہیں کہ آپ خلوت اربعین
ں اپنے پاس چالیس لونگ رکھتیں اور حجرے کا دروازہ بند کر لیتی تھیں،
الیس دن کے بعد جب خلوت سے باہر تشریف لاتیں تو معلوم ہوتا کہ
رف چند لونگ استعمال کئے ہیں اور باقی اسی طرح پڑے ہیں۔ روایت ہے
ہ سلطان محمد تغلق کو آپ سے اعتقادِ عظیم تھا۔ واللہ اعلم

مزارِ پُر انوار قلعہ علائی کے باہر ہے، آپ کی اولاد بہت ہے۔ جی
ر آپ ہی کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ کی اولاد سے ایک بندگی شیخ احمد تھے
ختہ کار و صاحبِ کمال، اور بہت سے مشائخ کے صحبت یافتہ تھے۔

رَحمتہ اللہ تعالیٰ علیٰ جمیع عِبادِہِ الصّالحین

تَکمِلَہ

کاتبِ حروف کے بعض اسلاف اور والد ماجد کے مختصر احوال

رَحمَۃ اللہ تعالیٰ علیہم

ہمارے جدِ بزرگ آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاؤالدین خلجی کے زمانِ عظمت نشان میں بخارا سے دہلی تشریف لائے۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے ترکوں کی ایک بڑی جماعت بھی اُن سے پیوندِ قرابت اور رابطۂ تبعیت و خدمت رکھتی تھی۔ اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر ان کی ملازمت میں یہاں آ گئی اور اس سلطانِ عالی مرتبت کی نظرِ عنایت و تربیت سے شوکت و عظمت کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔

سلطان علاؤالدین کا دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد قطب الدین اور تغلق شاہ کے ایام سلطنت میں یہ بزرگوار اپنے فرزندوں کے ساتھ کہ ہر ایک ان میں سے فضائلِ ذاتی و کسبی اور دولت و نعمت میں سرآمدِ روزگار تھا بحکم آیہ المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدُنیا، دادِ عیش و کامرانی دیتے تھے۔

خدائے بخشندہ نے ان کی اولاد میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ ایک سو ایک تن اُن کی اولادِ صلبی سے ہوتے، سوائے دیگر احفاد و اولاد کے، پھر تھوڑی ہی مدت میں وہ سب قادرِ مختار کے حکم سے دارالقرار کو تشریف لے گئے سوائے ایک ملک معزالدین کے، جو اُن کے بڑے بیٹے تھے اور حکمتِ بالغۂ آلٰہی سے باقی رہ گئے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ملک معزالدین کو ایسا کیا کہ گویا ان سو آدمیوں کا تمام فیض و استعداد اور نعمتیں انہیں

اکیلے کو عنایت فرمادیں۔ پھر ایک مدّت کے بعد اُن کے والد ماجد اِس عالم کی جھنٹوں سے بالکل فارغ ہوکر دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ واقعہ سترھویں ربیع الآخر ۷۴۹ھ میں ہوا، ان کا مقبرہ عیدگاہ شمسی کے عقب میں ہے۔

بعد ازاں اُن کے ایک فرزند ہوئے نجابت وسعادت سے موصوف اور فضائل وکمالات سے منعوت، ملک موسیٰ نام تھوڑے عرصہ کے بعد اُن کے والد بھی جائگاہِ عزّت و دولت ان کے سپرد کرکے ریاضِ رضواں کو تشریف لے گئے۔ ملک موسیٰ کے کئی فرزند پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک ہمارے جدامجد شیخ فیروز تھے جو فضائل صوری ومعنوی و وہبی وکسبی کے جامع تھے اور علمِ سپاہ گری و وقائع حرب میں نادرِ زمان اور اکثر صنائع حربیہ میں قوتِ طبع اور جودتِ سلیقہ میں بینظیرِ وقت، اور علم وشعر وشجاعت وسخاوت وظرافت وعشق و محبت اور تمام صفاتِ حمیدہ میں بے عدیل عصر اور دولت وحشمت و جاہ و مکنت و عزت وعظمت میں مشہورِ روزگار تھے۔ ہمارے گھرانے میں شیرینیٔ شعر وظرافت انہیں کی ذات سے پیدا ہوئی۔ وہ بعض غزوات میں بہرائچ کی طرف متوجہ ہوئے اور شہید ہوکر وہیں مدفون ہوئے۔ یہ واقعہ ۸۶۰ھ کا ہے، جس وقت یہ جہاد کو جانے لگے اُن کی حرم نے عرض کیا کہ مجھ کو چند روز سے ایک فرزند کی امیدواری ہے۔ انہوں نے فرمایا، میں نے خدا سے چاہا ہے کہ وہ فرزند نرینہ ہوگا اور اُس سے بہت اولاد ہوگی۔ اُس کو اور تم کو خدا کے سپرد کیا۔ نہیں معلوم کہ اس کے بعد مجھ کو کیا پیش آئے۔ چنانچہ قادرِ مختار نے اُس بزرگوار کی دعا سے فرزند عطا کیا شیخ سعد اللہ نام جو ہمارے جدِّ حقیقی ہیں، اور فضیلت و لطافت و ظرافت وعشق و محبت اور تمام اوصافِ طریقت میں اپنے پدر بزرگوار کے وارث تھے اور بچپن ہی سے رُشد و نجابت کے آثار اُن کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ علم و فضیلت کی تحصیل کے

بعد مصباح العاشقین شیخ محمد منگن کے جو کاملانِ وقت سے تھے جن کا ذکر پہلے گزر چکا[1] ہے، ان کی خدمت میں مجاہدہ اور ریاضت کی اور قبولِ خاص پایا اور ان کی خدمت سے نعمتِ اجازت و خلافت سے مخصوص ہوئے، ۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنے بڑے لڑکے شیخ رزق اللہ کو بھی شیخ کا مُرید کیا۔

حضرت والد فرماتے تھے کہ میرے والد ہمیشہ ذوق و شوق و ریاضت و مجاہدہ اور طلب فقر و فنا میں رہتے تھے۔ راتوں کو جاگتے، روتے اور عاشقانہ اشعار پڑھا کرتے تھے ان کی وفات جمعہ کے روز بائیسویں ربیع الاول ۹۲۸ھ کو ہوئی۔ اور اس وقت حضرت والد آٹھ سال کے تھے۔

حضرت والد میں اپنے والد کی وفات کے بعد بمقتضائے استعدادِ ذاتی اور والد کی دُعا کے بموجب روز بروز ترقی و رُشد و قبول کے آثار پیدا ہوتے گئے اور والدہ کی خدمت اور ذوی الارحام کے حقوق ادا کرنے میں، باوجود صغر سنی اور بڑے بھائیوں کی موجودگی کے نہایت مستعد تھے اور موانع اور زمانے کی گردشوں کے باوجود تحصیلِ علم و فضیلت میں بھی کمال کو پہنچے، اور شعر و فضیلت و قبولِ خواطر و ذوق و شوق و محبت و ظرافت و لطافت و بے تعلقی و وارستگی و طبیعتِ قلب و حضورِ خاطر و ذکر لطائف و نکات اور فہم و دقائق و اشارات میں یگانۂ روزگار و افسانۂ دیار ہو گئے۔

فرماتے تھے مجھ کو سات برس کی عمر سے کہ جب ادراک و شعور کا آغاز ہوتا ہے اس راہ کا درد و طلب اور معرفت الٰہی کا شوق تھا اور تمام عمر اسی فکر و ذکر میں گزار دی۔ فرماتے تھے کہ ایامِ مشغولی و مجاہدہ میں ایسے ایسے عجیب و غریب

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ محمد مقاوہ،

احوال دیکھنے میں آئے جن کا اظہار سترو اخفاکے جو لازمۂ حالِ فقر ہے، منافی ہوگا۔

اُن کی ارادت حضرت علیہ قادریہ سے تھی اور دیگر سلسلوں سے بھی اجازت و مشرب رکھتے تھے۔ مشغولیٔ باطن کے سبب سے آخر میں طریقۂ سنیۂ نقشبندیہ میں درست ہو گئے اور اُن کے حال پر مشربِ توحید غالب تھا۔

فرماتے تھے کہ نور میں تجزیہ و تقسیم ممکن نہیں۔ اگر ایک چراغ سے صد ہزار چراغ روشن کریں گے تو اُس چراغ میں کچھ نقصان اور تقسیم و تجزیہ واقع نہ ہوگا۔ اسی طرح وجودِ الٰہی باوجودیکہ تمام اشیاء کا مصدر ہے مگر اپنے حال اور اپنے تجرّد و اطلاق پر ہے۔ فرماتے تھے "رُوحیں کیا ہیں؟ فیوضِ الٰہی اور تعینات واجب الوجود کے حصے ہیں جو ماہیتوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور یہ انقسام اس قسم کا نہیں کہ عقل اس کو دوسرے انقسامات پر قیاس کر سکے۔ اس کو ایک عجیب تمثیل سے واضح کرتے تھے اور کہتے تھے کبھی تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے کھیل کے واسطے کوزہ کو سوراخ کر کے اس کے اندر چراغ رکھتے ہیں اور چراغ کی روشنی اُن سوراخوں میں سے ظاہر ہوتی ہے، لیکن چراغ اپنی حالت پر رہتا ہے اور اس میں انقسام و تبعیض کی مجال نہیں۔ ایسے ہی یہاں وجودِ الٰہی صرف اپنے اطلاقِ حقیقی پر باقی ہے اور اس کے باوجود ماہیتوں کے روزنوں اور دریچوں سے تاباں ہے۔

فرماتے تھے مشائخ نے فرمایا ہے کہ "عالم از وست و بدوست بلکہ ہمہ اوست" مگر کہنے میں یہی بہتر ہے کہ "از وست" کہیں، یہ دل کا کام ہے، زبان سے تعلق نہیں رکھتا، اور کہنا وہی چاہیئے جو شریعت کے موافق ہو۔ فرماتے تھے کہ اگر خوب لاحظ کریں تو "از وست" کے حقیقی معنی وہی پائیں گے جو "ہمہ اوست" کے ہیں۔

فرماتے تھے غیر حق کیا ہوتا ہے اور کہاں ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیٔ
پس جو کچھ ہے اسی سے ہے الآن کما کان یعنی اب بھی خدا ہے اور اُس کے ساتھ
کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ ولا سواہ ؎

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر سوی اللہ و اللہ مافی الوجود

میرے والد کے اشعار بہت تھے۔ غزل و قصیدہ و رباعی، لیکن ان میں سے
اکثر باعث میں نہ لکھے جانے سے فوت ہو گئے۔ ایک اوباش نے تمام کتب و رسائل
تصوف وغیرہ جو مدت عمر میں حاصل کئے تھے چرا لئے۔ اُس نے خیال کیا کہ یہ کچھ اور
اسباب ہے، اگرچہ بعد ازاں اُس کو معلوم ہوا کہ یہ وہ اسباب نہیں ہے جو اُس کے کام
میں آئے، اس وہم سے کہ کہیں ظاہر نہ ہو جائے اُس نے سب کو جلا دیا۔

فرماتے تھے کہ کبھی ایام جوانی میں کسی تقریب سے شعر کہا جاتا تھا اور اس سے
طبیعت خوش ہوتی تھی۔ مجھ کو تصنیف کا خیال اور اس کام کا شوق ہرگز نہ تھا، ایک
دو رسالے جو لکھے گئے ان کا سبب یہ تھا کہ ایک روز حضرت شیخ امان نے فرمایا کہ
اکثر یار ہماری صحبت میں ہوتے ہیں لیکن معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے یاروں نے اس
مشرب کا کچھ ذوق بھی حاصل کیا ہے اور اس معنی کو سمجھے ہیں یا نہیں۔ ان کو چاہیئے
کہ حجاب نہ کریں اور اس کے عرض کرنے میں شرم نہ کریں۔ عرض کیا گیا کہ فقیر کو اس کی مجال
نہیں ہے کہ حضور کے سامنے بیان کرے، اگر حکم ہو تو لکھ کر پیش کر دے۔ اس سبب
سے چند حرف لکھے گئے۔

فرماتے تھے کہ مجھ کو اس قدر فصاحت و بلاغت نہیں ہے کہ فضیلت و سخن آرائی
اور کمال معنی روانی کا دعوے کر سکوں۔ چند فقیرانہ و مخلصانہ چیزیں ہیں جو بحکم وقت لکھی گئی

ہیں۔ ایک رسالہ ہے جس کا نام مکاشفات ہے۔ ایک اور رسالہ سلسلۃ الوصال نام مثنوی ہے پانسو بیتوں کے قریب۔ فرماتے تھے کہ یہ غلبۂ شوق سے ایک دن میں لکھی گئی ہے اور پھر کبھی اس کو دیکھا تک نہیں، اگر کہیں سہو اور خطا واقع ہوئی ہو تو اس کی اصلاح کردیں۔ شیخ امان کی مدح میں فرماتے ہیں۔ ؎

ہر چہ زمن در سخن آید یقین	ہست ہم از صحبت آن مرد دین
ورنہ چہ حدست کہ راز درون	از دہن چون منی آید برون
من کیم و کیستم و چیستم	از دم عیسیٰ نفسی زیستم
اوست درین راہ مرا رہنما	خاکِ درش چشم مرا توتیا
ہست دلِ او بحق آویختہ	آب صفت در ہمہ آمیختہ
دستِ من و دامنِ او بالیقین	مقصد و مقصودِ من آن شاہ دین
عشقِ رخش ہمدم و ہمسازِ من	دردِ غمش مونس و ہمرازِ من

غزل

سازی نمودہ در ہمہ اعیان چناں عیان	کز غایتِ ظہور نہانست در نہان
از نام و از نشان کہ تواند نشان دہد	گویا ہزار نام و نشان ست بی نشان
پیش از ظہور بود و ماکان شیٔ معہ	بعد از ظہور ہست علیٰ ما علیہ کان
کون و مکان بہ پرتوِ حسنِ جمال اوست	وین طرفہ تر نگر کہ نہ کون ست و نے مکان
نزدیک عارفانِ محقق محقق ست	کو عین عالم ست و لیکن ورای آن
گہ روی پوش ہمچو عروسانِ جلوہ گر	گہ با ہزار شور و شغب جا بجا دوان

سیفی بخویش نسبتِ ہستی گمان تست	ای وای برکسی کہ بماند درین گمان
ایضاً ہمای سدرہ نشینی و مرغِ بالائی	زبہر دانہ فتادی بدامِ رسوائی
شرابِ عشق بکام توکی رسد کہ زحرص	پری بگرد شکر چون ذبابِ حلوائی
زدشمنی ست کہ نفسِ تو بہر پارہ نان	بساختت ست ترا ہر دری و ہر جائی
مدام در چمن از دستِ ساقیٔ مہوشش	چہ خام مشربی ار بادہ را نہ پیمائی
لباسِ بوریا گر پوشی از ریا ندہد	ہزار مرتبہ بہتر ز صوف دارائی
بروٗ بمیکدہ سیفی و بنگر از سر ہوش	کہ عارفانِ خدا یند زیر یکتائی

فرماتے تھے کہ میرے سامنے جو عبارت بھی کہتے ہیں میں وہی توحید کے معنی سمجھتا ہوں، میرے فہم میں یہ دونوں باتیں کہ عالم اُس کا مخلوق ہے یا اُس کا مظہر ہے ایک ہی معنی رکھتی ہیں۔

فرماتے تھے کہ سیفی بخاری بڑے شاعر ہیں۔ مجھ کو اُن کی برابری نہیں۔ فقیر نے اس تخلص کی تہمت اپنے اوپر نہیں رکھی۔ لیکن چونکہ فقیر کا نام سیف الدین تھا اس لئے بعض دوستوں نے اصرار کیا کہ تخلص بھی سیفی ہو، اس سبب سے اس تخلص کے چھوڑنے میں تساہل ہوا۔

اس زمانے میں کہ ضعف و پیری کا وقت تھا اُن کے حال پر فنا و نیستی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ طعام و لباس و فراغت و آسائش و صحبت و مخالطت کسی چیز کے ساتھ شوق و رغبت کا اظہار نہ کرتے تھے، اور اگر حفظِ صحت یا دفع مرض کے لئے علاج کی ضرورت ہوتی تو اس کے بھی مقیّد نہ ہوتے۔

جب رحلت کا وقت زیادہ قریب آیا تو فرمایا بعض ابیات و کلمات کہ عفو و مغفرت

کے مناسب ہوں ایک کاغذ پر لکھ کر میرے ہمراہ کفن میں رکھ دینا اور ایک یہ رُباعی۔

دارم دلکے غمین بیامرز و مپرس | صد واقعہ درکمین بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم | اے اکرم الاکرمین بیامرز و مپرس

اور یہ دو بیت ؎

قَدِمْتُ عَلَی الْکَرِیْمِ بِغَیْرِ زَادٍ | مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِیْمِ
فَحَمْلُ الزَّادِ اَقْبَحُ کُلِّ شَیْءٍ | اِذَا کَانَ الْقُدُوْمُ عَلَی الْکَرِیْمِ

(میں زادِ راہ کے بغیر ہی کریم کے پاس آیا ہوں، نہ نیکیاں ہیں، نہ قلبِ سلیم۔ مگر جب ایک کریم کے پاس جانا ہو تو زادِ راہ لے جانا بہت ناموزون بات ہے)

اور فرمایا کہ منکر و نکیر کے جواب میں لکھو ربی اللہ و نبیی محمد و شیخی شیخ عبدالقادر الجیلانی۔ فرماتے تھے اب مجھے اس جگہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس واقعہ کے دو تین روز بعد عصر کی نماز کا وقت ہوگا کہ ان کو ایک حالت پیدا ہوئی اور بعض بیتیں اور دوہرے پڑھنے شروع کئے اور بہت روئے اور چارپائی پر سوئے پھر زمین پر قدم نہ رکھا۔ میں اس وقت مسجد میں تھا۔ مجھے بلایا، میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے میں اس قدر ذوق و خوشحالی و تازگی کا اثر ہے کہ جس کی شرح نہیں ہو سکتی اور خود کچھ آہستہ آہستہ پڑھ رہے ہیں۔ فقیر سے خطاب کر کے فرمایا کہ بابا مجھ کو اس وقت کچھ رنج و محنت و کوفت نہیں ہے بلکہ شوق در شوق اور طرب در طرب ہے، جو زحمت اور بیماری میرے بدن میں تھی سب چلی گئی ہے۔ مگر تم کو چاہیئے کہ مشغول ہو جاؤ اور دعا کرو کہ مجھ کو جلد اس جگہ سے جائیں، تمام عمر میرا جو مطلوب تھا وہ حاصل ہو گیا ہے ایسا نہ ہو کہ پھر یہ حالت نہ رہے، میں ہمیشہ دعا کرتا تھا کہ آخر وقت اپنی یاد میں رکھیو اور ذوق و شوق کے

ساتھ اس جگہ سے لے جائیو، اب اس مراد کا جمال باحسن وجوہ جلوہ گر ہوا ہے۔ اگر اسی حالت میں اپنے پاس بلا لے تو اُس کا کمال لطف و عنایت ہوگا۔

جس دن کہ اس عالم سے رحلت کرنے والے تھے فقیر نے بقصدِ تلقین کہ حالتِ احتضار میں مسنون ہے عرض کیا کہ ظاہراً فقراء اس وقت پاس انفاس میں مشغول ہوتے ہیں۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر آہستہ سے کہا پاس انفاس آج کے دن کے لئے بھی کچھ کام آتا ہے کہ تمام اعضا معطّل ہو چکے ہیں اور سانس لینے کی قوت نہیں رہی۔ چند مرتبہ زور لگایا اور ذرا بلند آواز سے لا الٰہ الا اللّٰہ کا ذکر کر کے خاموش ہو گئے اور پاس انفاس میں مشغول ہو گئے، چند ساعت کے بعد رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔ یہ واقعہ ستائیسویں شعبان ۱۰۹۰ھ کو ہوا کہ عبارت "ولی تحت القباب" کے یہی عدد ہیں۔ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ عنا خیر ما جزی والدا عن ولدہ۔

خاتمہ

کاتب حروف کے بعض ابتدائی احوال

آخر عمر میں کہ ضعف و پیری کا زمانہ ہوتا ہے میرے والد بزرگوار کی مشغولی خاطر فقیر ہی کے ساتھ وابستہ تھی، میں تین چار سال کا ہوں گا کہ جوانی ختم ہو جانے اور یاران غمگساران جانی کے گذر جانے کی وجہ سے اُن کو ایک سخت مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اس بیماری میں اُن کی دل گیری اور ضعفِ پیری کی کلفت کو دُور کرنے کا باعث یہی فقیر تھا، رات دن انہیں کے کنارِ مرحمت و جوارِ عنایت میں تربیت پاتا تھا۔ انہی ایام طفولیت میں وہ حضراتِ صوفیہ کی باتیں اِس حقیر کے کام جان میں ڈال کر شفقتِ ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی تربیت بھی فرماتے تھے۔

اُس زمانے ہی میں جب کہ ان کی تربیت و عنایت کے آثار ظاہر ہوئے میں تحصیلِ علوم میں لگ گیا تھا۔ رات دن اُن کی خدمت میں ذکر و تذکرہ و بحث و تکرار میں بسر کرتا تھا، راتیں گذر جاتیں اور وہ بندہ کو اپنی ہمزبانی میں قبول کر کے محظوظ ہوتے تھے خاص طور پر علم توحید کی تلقین اور مسئلہ وحدتِ وجود کی تحقیق اس طرح فرماتے جو علم و شہود کے موافق ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اُن کی توجہ و عنایت میں ایسا اثر اور خاصیت رکھی تھی کہ کوئی شخص استعداد اور قوت میں چاہے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو اُن کی توجہ اور تربیت سے اس کی مخفی صلاحیتیں فوراً بیدار ہو جاتی تھیں۔ مجھ کو جو کچھ حاصل ہے سب انہیں کی توجہ

اورعنایت کا اثر ہے اور اُن کے کل حقوقِ پدری و تربیت وتعلیم وارشاد اِس نامراد کے
ذمّے ثابت ہیں۔ نظم و اشعار کی کتابوں میں سے جن کی تعلیم اِس ملک میں متعارف ہے
شاید گلستان و بوستان کے چند جزو اور دیوانِ خواجہ حافظ پڑھایا ہو، اور صغر سنی
کی ابتدا سے قرآن شریف ختم کرنے کے بعد میزان صرف سے مصباح و کافیہ تک
خود تعلیم دی۔ انہی ایّام میں بارہا فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تو جلدی عالم بن جائے
گا۔ فرماتے تھے کہ میں اس تصوّر سے ایک عجیب حظ محسوس کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ
تجھ کو اُس کمال تک پہنچا دے جو میں نے خیال کیا ہوا ہے اور میں تمہارے حوزۂ درس
و افادہ میں ضعف و پیری کے سجّادہ پر تکیہ کر کے بیٹھوں۔

بارہ یا تیرہ برس کا تھا کہ شرح شمسیہ اور شرح عقاید پڑھتا تھا، اور پندرہ سولہ برس
کی عمر ہوگی کہ مختصر المعانی اور مطوّل سے فراغت ہوگئی۔ بیس سال سے کم کی عمر میں تمام
علومِ عقلی و نقلی جو صورت و مادہ سے افادہ و استفادہ میں کافی و وافی ہوں تمام کر لئے۔
الحمد للہ کہ اس کے بعد حفظِ قرآن کی توفیق بھی نصیب ہوئی اور میں کلام اللہ کی حفاظت
میں آگیا اور یہ نعمت کہ جس کے ایک حرف کا شکر سو برس میں ادا نہیں ہو سکتا ایک
سال سے کچھ زیادہ مدت میں حاصل کر لی، الغرض اسی قیاس پہ تمام کتابوں پر عبور حاصل
ہو گیا اور ان پر حاوی ہو گیا، سات آٹھ سال بلکہ زیادہ مدت تک کتبِ عربیت و
منطق و کلام کے مطالعہ اور کچھ قوتِ اکمال و اتمام کے حصول کے بعد ماوراء النہر کے
بعض دانش مندوں کے درس کی اس طرح ملازمت کی کہ تمام شب و روز میں شاید دو
تین ساعت کے لئے مطالعہ اور تفکّر و مشغولیت سے فرصت ملتی ہو۔ اور جب استادوں
کی توجّہ باطن کی مدد سے اثنائے درس میں اِس حقیر کی طبع فاتر سے بحث و کلام مفید

کا اظہار ہوتا تو اکثر یہ عزیز کہتے تھے کہ ہم تجھ سے مستفید ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ خدا جانے وہ کیا شوق تھا اور کیا طلب تھی، اگر اس قدر شوق و ذوقِ طلبِ مولیٰ اور ریاضتِ باطن میں ہوتا تو کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا!

بچپن سے میرا یہ حال ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے اور خواب مصاحبت، آرام اور آسائش کے کیا معنی ہیں، اور سیر کیسی ہوتی ہے ؎

شب خواب چہ و سکون کدام ست   خود خواب بعاشقان حرام ست!

شوقِ کسب و کار میں کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور نہ کبھی وقت پر سویا جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں ہر روز دو بار دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا جو ہمارے گھر سے دو میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ دوپہر کو تھوڑی دیر گھر میں چند لقمے کھا لیتا تاکہ حرکتِ ارادی قائم رہے۔ میرے والدین ہر چند کہتے تھے کہ کسی وقت محلے کے لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرو یا رات کو وقت پر سو جایا کرو۔ مگر میں کہتا کہ آخر کھیلنے سے مقصد دل کو خوش کرنا ہے۔ میرا دل اسی میں خوش ہوتا ہے کہ کچھ پڑھوں یا لکھوں، عام طور پر ماں باپ بچوں کو پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید کرتے ہیں اور جھڑکتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی رغبت دلاتے تھے، اثنائے مطالعہ میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات کے بعد میرے والد قدس سرہٗ پکارتے کہ بابا کیا کرتے ہو۔ میں اسی وقت لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ میں سوتا ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں بعد میں اٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا۔ کئی بار عمامہ اور سر کے بالوں میں چراغ کی آگ لگ گئی لیکن مجھ کو اس وقت تک خبر نہ ہوتی جب تک کہ اس کی حرارت دماغ تک نہ پہنچتی ؎

چہ دُود ہائے چراغے کہ در دماغ نہ رفت   کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت

کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام — چہ خار خار کہ در بستر فراغ نہ رفت

بحیرتم ز دلِ خود کہ عمر رفت و لے — ز کنج غم کدہ ہرگز بہ صحنِ باغ نہ رفت

تحصیل و تکرارِ علم کے شوق و شغف کے باوصف بمقتضائے جبلت زمانۂ طفلی ہی میں نماز اوراد، شب خیزی و مناجات کا سلسلہ اس قدر شدّ و مد سے جاری رہتا تھا کہ لوگ حیران ہوتے تھے۔ اور اب تک کام وقت میں اُن اسحار و اوقات کا ذوق باقی ہے حضرت غریب نواز شکستہ پرورنے، جس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا اور جس کی بخششوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا اِس غریب کو لطفِ عام سے ایسے ذوق و حالت کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ میری حضوری اور جمعیتِ وقت لوگوں کے اختلاط و مصاحبت پر موقوف نہیں رہی۔ اپنے ساتھ ایک بھید رکھتا ہوں اگرچہ سرسری ہو اور اپنے خیال میں خوش ہوں اگرچہ مالیخولیا ہو، گویا کہ غزل کا یہ مقطع میرے احوال کی معرفت کا مطلع ہے۔

؎ حقی کجا و صحبتِ کس کز خیالِ دوست — دارم بجز دو چہ مردم دیوانہ عالمے

ابتدا ہی سے اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق کہ فرمایا کرتے تھے۔ خبردار ملائے خشک و ناہموار نہ بننا، ہمیشہ عشق و محبت کا دم بھرتا ہوں اور غربت و دردمندی کی راہ پر چلتا ہوں ؎

بیدرد نہ ایم ہرگز از عشق — دائم دلِ دردناک داریم

بعد از حصولِ راحت و زوالِ وسواس کہ لازم حالِ حرمان و یاس ہے سب کاموں سے ہاتھ دھو کر اور غیروں کی طرف سے آنکھیں بند کرکے درِ دل پر بیٹھ گیا کہ کیا پیش آئے اور کون سا دروازہ کھلے۔ ناگاہ بحکم ماخاب من اناب الی اللہ وقلنجا من التجا الیہ، چارہ گرِ بیچارگاں اور راہ نمائے آوارگاں نے مجھے اپنی جانب بلایا

بے خانماں کی گردن میں زنجیرِ شوق ڈال کر اپنے گھر کی طرف کھینچ لیا اور مجھ نامراد
مراد پر پہنچا دیا، یعنی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں جگہ دی اور حسیم
وعنایت سے محروم نہ پھیرا۔ جو کچھ مجھ حقیر نے حضرت بشیر نذیر صلی اللہ علیہ وسلم
م و انعام سے بشارت پائی ہے اشارت میں نہیں آسکتی۔ امیدوار ہوں کہ آثار رد
ظہور ان کے اظہار کا متکفل و متضمن ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگرچہ نقصان ذاتی کی
در استعداد نظری کی قلت سے حصولِ مطلب اور وصولِ مقصد میں ایک طرح کی
معلوم ہوتی ہے لیکن دستِ امید بلند اور پایۂ یقین ارجمند ہے کہ جب سفینۂ
ں بیٹھا ہوں تو ضرور ساحلِ نجات پر پہنچ جاؤں گا اور جمالِ مقصود دیکھوں گا، جو
ں کشتی میں بیٹھتا ہے اگرچہ طغیانی ہو اس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طوفانِ آتشِ دوزخ
ن میں ہے۔

میرا اعتماد ایک صاحب قدم پر ہے جو رقاب اولیاء کا مالک ہے کوئی راہ رو ایسا
اُن کی خدمت میں سر کے بل نہ جائے اور ان کے قدموں پر سر نہ ڈالے اور یہ خود
رفرازی کی وجہ سے ہے۔ جن کا قدم مصطفےٰؐ کے قدم پر ہو بلکہ دم بدم قدم رکھتے
کے قدم کے نیچے پائمال ہونا سَر کی سعادت ہے۔ جو کچھ تمام بزرگوں نے حضرت
و مرتضےٰؓ کی وراثت سے جمع کیا تھا وہ سب ان خلفِ صدق کو پہنچا۔ دیکھو یہ کیسا
اگرچہ وارث بہت ہیں مگر جو کچھ ان کو ملا کسی اور کو نہ ملا۔ مال کی وراثت بوجہ تعصب
یم کی جاتی ہے لیکن حال کی وراثت میں ایک کو دوسرے کے ساتھ برابری نہیں ہوتی
ہیں برادری ہی نہیں ہوتی۔ اگر اور قطب ہیں تو وہ قطب الاقطاب ہیں، اگر اور
ہیں تو وہ سلطان السلاطین محی الدین ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کو زندہ کیا اور ملت

کفر کو ختم کیا۔ کہ البتیم یحیی ویمیت، زہے مرتبہ کہ ایجادِ دین حیّ قیوّم سے ہے اور احیا اُن غوث الثقلین سے، اسی لئے کہتے ہیں کہ تمام جن وانس ان کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ مجھ بیکس نے بھی اُن سے پناہ چاہی ہے اور ان کی درگاہ پر پڑا ہوں، ان کی عنایت کے سوا میرا کوئی نہیں ہے اور نہ ان کے لطف کے بغیر کوئی فریاد رس ہے۔

ع

غوث اعظم دلیل راہِ یقین	بیقین رہبر اکابر دین
شیخ دارین وہادی ثقلین	زبدۂ آل سیدِ کونین
بادشاہِ ممالکِ قربت	رہ نوردِ مسالکِ قربت
اوست در جملہ اولیا ممتاز	چون پیمبر در انبیا ممتاز
اولیا بندہاشس از دل وجان	قدم او بگردنِ ایشان
وصف تعریفِ او زمن نہ نکوست	خود کرامات او معرفِ اوست
من کہ پروردۂ نوال ویم	عاجز از مدحتِ کمال ویم
ہمہ دم غرق بحر احسانم	ای فدای درش دل وجانم
در دو عالم باوست امیدم	ہست ہادی امیدِ جاویدم

میں نامراد اُن کا مرید ہوں، قبول اور رد اُن کے اختیار میں ہے میں اُن کا خواہاں ہوں اُن کا چاہنا ان کے مفوّض ہے، مجھ مجازی سے ارادت حقیقی کہاں، اس بے نمازی کو صلوٰۃ دائمی کہاں، میں نے اُن سے انتساب کیا ہے اور اُن کی درگاہ میں پناہ لی ہے، لیکن یہ جانتا ہوں کہ جب یہ سعادت ازل سے میرے نصیب میں

تو ابد تک میرے ساتھ رہے گی۔ اُس زمانے میں بھی کہ جب مجھ کو کچھ ہوش نہ تھا اُن کا نام لوحِ دل پر لکھتا تھا ؎

ما بعشقِ تو نہ امروز گرفتار شدیم — کہ گرفتاریٔ ما با تو ز روزِ ازل ست

اُن کی محبت کے جاذبہ نے خود کھینچ لیا میرا اس میں کچھ مقدور نہیں، اور اُن کی عنایت کے کرشمہ نے خود بلا لیا مجھے اس کا کچھ شعور نہیں ؎

ہنوز از دمِ ہستی اثر نبود مرا — کہ جذبِ عشقِ تو از خویش می ربود مرا

اُنھیں کا لطفِ باطنی تھا جس نے میرے ظاہر و باطن کو محفوظ و محظوظ رکھا اور اوّل و آخر معصوم و محفوظ والد بزرگوار بھی چونکہ اُنہیں کے در کی خاک تھے اسی نسبت میں تقویت و تربیت فرماتے تھے، ایک مدت تک اس بادشاہ عالم پناہ کے جناب میں بے توسل رہروی کرتا رہا لیکن وسیلے کے بغیر باریابی نہ ہوتی تھی۔ آخر میرے صدقِ نیت نے کام کیا اور میرا شجرِ اخلاص بارور ہوا اور ویرزقہ من حیث لا یحتسب کے مثال میرے سر پر ایک عیسیٰ نفس کو بھیجا جس کا ہر سانس آسمانِ معرفت سے نازل ہونے والا خوانِ نعمت تھا اور اگلے پچھلوں کے لئے عید و سرور۔ زین العابدین و امام الصادقین السید التقی النقی و العلوی العلی المہدی سمی کلیم اللہ و محبوب حبیب اللہ

رباعی

احمد خوئے کہ عالمے بندۂ اوست — یوسف روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست
عیسیٰ نفسے کہ جان و دل زندۂ اوست — موسیٰ کلمہ لقائے دوست خواہندۂ اوست

حاصل کلام یہ کہ جب اس آفتاب دین و دولت نے طلوع کیا میں نے یہ جانا کہ گویا میرے ہی طالع میں آیا۔ جونہی کہ آنکھیں اُن کے جمال سے روشن ہوئیں دل میں ایک عجیب نور اور سرور پیدا ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں دل ہاتھ سے دے دیا اور اُن کے پائے عزت میں گر پڑا ؎

مدتے بود کہ مشتاق نهایت بودم　　لاجرم روئے ترا دیدم و از بار رفتم

تھوڑی مدت کی جستجو اور گفتگو کے بعد بیانِ حال کا موقع ہوا۔ انھوں نے خود ہی صفاتِ باطن سے میرے ظاہر و باطن کا حال مجھ سے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا اور میرے مقصد و مقصود کو جان لیا تھا ناچار اُن کے اشارے پر سعی کی اور پہلی ہی شب میں مقصود کی بشارت پائی، پس عنانِ اختیار ہاتھ سے جاتی رہی، بے توقف اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا۔ اور بے اختیار اُن کے قدموں میں گر پڑا اور اس روز چھٹی ماہ شوال تھی سنہ ۹۸۵ھ والحمد للہ رب العالمین۔

اس میں ایک اور سعادت اور عظیم تر نعمت حاصل ہوئی جس کا ذکر کئے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ اگرچہ وہ اسرار سے ہے اور سزاوارِ ستر و کتمان ہے ع لیکن از شوق حکایت بزبان می آید ۔ سن لو کہ جب سے سعادتِ ازلی نے مجھ کو اس نعمتِ ابدی کے حاصل کرنے کی ہدایت کی ہمیشہ سے مجھ کو اشتیاق تھا کہ مطلوب کی بشارت پاؤں تاکہ تسلی و اطمینان کا زادِ راہ لے کر طریقِ سلوک میں آگے بڑھوں، لیکن اگر فرقتِ طلب کی سوزش ہو تو جانو کہ یہ آرزو کتنی بلند اور یہ مطلب کتنا ارجمند ہے ؎

من و وصالِ تو ہیہات بس عجب ہوس ست این　　ہمینکہ نام توام بر زبان رود نہ بس ست این

دائم اسی سودا میں شب و روز پڑا رہتا، گاہے راتوں کو جاگتا کہ شاید اس بارقۂ جمال کی تابانی نظر آئے اور گاہے دنوں کو سوتا اس خیال میں کہ شاید وصال کی نشانی ملے ؎

اگر تو وعدۂ وصلم دہی بہ بیداری　　حرام باد بسر خود اگر بخواب برآرم

وگر بخواب نمائی جمالِ خود یکدم　　بروزِ حشر نخواہم کہ سر ز خواب برآرم

جس وقت کہ حجابِ عقل و پندارِ طلب درمیان سے اٹھ گیا فضل و کرم نے اپنا کام کیا مجھ مسکین کو بے واسطہ اپنے دیار کے در پر پہنچا دیا اور اس تمام بیداری کا نتیجہ ایسا خواب

ہُوا جو بیداری سے بدرجہا بہتر ہے ؎

بخیالی ز تو راضی و بخوابی خوشنود ۔۔۔ حاصل از وصلِ تو خوابی و خیالی دارم

یہ ہے اس حکایت کا اجمال، اور اس کی تفصیل سے زبانِ قلم عاجز ہے ؎

حقّا بیانِ شوق بپایان نمی رسد

کوتاہ ساز قصۂ دور و دراز را ؏

اب مجھ مسکین کی اپنے آفریدگار سے ایک مناجات ہے اور اس کی درگاہ میں عرض حاجات ہے۔ اس میں سے چند کلمات اِن اوراق میں بھی لکھتا ہوں تاکہ جس وقت چاہوں اس کو پڑھ کر اپنا وقت خوش کروں۔ اور اگر کسی کا حال میرے حال کے موافق ہو تو وہ بھی اس سے اپنا وقت خوش کرے، شاید کہ وہ میرے لئے دعا کرے جو حصولِ مدعا کا موجب ہو۔ وَاِنَّہٗ قَرِیبٌ مُّجِیبٌ

مُنَاجَات

بدرگاہِ قاضی الحاجات

خُداوندا میرے ساتھ وہ سلوک کر جو مولائے کریم محسن بندۂ ضعیف و قصوروار و عاصی کے ساتھ کرتا ہے، نہ وہ سلوک جو حاکم عادل و قادر، راہزن و مفسد و عیّار و بدکار کے ساتھ کرتا ہے۔

خُداوندا تو جانتا ہے کہ میرے سینے میں کتنی اُمیدیں اور آرزوئیں موج زن ہیں۔ اور مجھے اپنے ضعف و ناتوانی کا یقین ہے، لیکن میں اپنے لیے کوئی مدعا معین نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ شاید اس کے خلاف میں خیر ہو، سوائے درجاتِ آخرت کے کہ اُن کی خیریت متعین ہے کبھی سوچتا ہوں کہ ان کی خواہش بھی طریقِ عبودیت کے خلاف ہے اور بندہ کو کوئی آرزو نہ کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ منزل بعید ہے اور بندۂ عاجز سراسر خواہش و آرزو ہے۔ الٰہی میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ دُنیا کی آرزوں کے درمیان جب موت حائل ہے تو سب ہیچ ہیں لہٰذا میں تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں اور استقرارِ حق پر استقامت، قوّتِ یقین، اور وہم پر غلبۂ عقل کا طلبگار ہوں، موت سے محبّت عطا فرما تاکہ اس دُنیا سے رخصت ہونا دشوار معلوم نہ ہو اور

محبتِ فقر انصیب کر تاکہ موت سے محبت ہو۔

خداوندا اسباب فراہم کرنے کا یارا نہیں ہے۔ مگر اسباب کے بغیر کوئی کام نہیں چلتا، اس بیچارہ کے کاموں کو دائرۂ اسباب سے باہر رکھ، اور اگر سبب کے بغیر چارہ نہیں تو سبب کو ہم پر آسان کر، یا مفتح الابواب و یا مسبب الاسباب ہمارے لئے ایسا سبب مہیا کر جس کو ہم تلاش نہیں کر سکتے۔

خداوندا ایسی حالت پیدا کر جو دل سے گرہ کھول دے اور دل کو باغ باغ کر دے اور خاطر کو فراغ دے یا ارحم الراحمین و یا غیاث المستغیثین و یا خیر الناصرین

خداوندا کام وقت پر موقوف ہے لیکن اس سے پہلے بشارت عنایت فرما جس سے دل خوش ہو جائے، اور یقین عطا فرما کہ کلفت دور ہو جائے۔ دُنیا کے کام کو ہم پر آسان کر اور اس کے وجود و عدم کو یکساں کر۔

خداوندا اگر تیرا بندہ تجھ سے غائب ہے مگر تو خود تو حاضر ہے، بندہ کی فریاد کو ضائع نہ کر۔

خداوندا پرانی آرزوؤں کو از سر نو تازہ کر اور افسردہ خیالات کو تازگی بخش۔ جو چیز ہم کو عنایت نہیں کرنی ہے اس کی ہوس کا نقش ہمارے دل سے دور کر دے اور جو چیز عطا کرنی ہے اس کی کوشش کے لئے ہمت بخش اور یقین عطا فرما تاکہ وقت سے پہلے اس کے حاصل کرنے میں عجلت نہ کریں۔

خداوندا بچپن کے زمانے میں بحکم جہل و جبلت میری ہمت ہر طرح خواہشِ دُنیا پر لگی ہوئی تھی، اب آخرت کا اندیشہ پیدا ہوا ہے تو غمِ دُنیا کے ساتھ غمِ آخرت بھی مل گیا ہے، پس اگر تو دُنیا دیتا ہے تو اس طریق سے دے کہ دین میں خلل نہ آئے اور

دل سے غمِ آخرت زائل نہ ہو، الٰہی انجام اس طرح کر کہ غمِ آخرت کے سوا اور کچھ نہ رکھوں اور سینہ کو ناخنِ محنت سے نہ چھیلوں۔

خُداوندا اپنے کلام سے محبت عطا فرما کہ اس میں مستغرق ہو جائیں یہاں تک کہ تیرے ذکر کے سوا ہر چیز کو ترک کر دیں۔

خُداوندا میرے غم کی کیفیت و حقیقت کو تیرے سوا کوئی نہیں جانتا جس کسی سے بیان کرتا ہوں وہ حقیقتِ حال کو سمجھے بغیر کچھ سے کچھ کہہ دیتا ہے جو میرے لئے کچھ مفید نہیں ہوتا اور میرے درد کا علاج نہیں ہوتا اور بہت سے لوگ اس کو کسی غرض پر محمول کرتے ہیں۔ الٰہی تو میری حقیقتِ حال کو جانتا ہے اور غرض و غایت و نیّت کو بھی، الٰہی میں صدقِ نیّت کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ میں تجھ سے صدقِ نیّت اور حُسنِ عمل کا سوال کرتا ہوں۔

خُداوندا میرا کوئی عمل ایسا نہیں جو تیری درگاہ کے لائق ہو۔ سب علّتِ نقصان و فسادِ نیّت سے پُر ہیں، بجُز ایک عمل کے کہ ہر چند میری نسبت سے حقیر ہے لیکن تیری ذاتِ پاک کی قسم کہ بہت عظیم و خطیر ہے، اگرچہ بندوں کے سب اعمال نقصان و تقصیر کے ساتھ موصوف ہیں مگر خاکم بدہن اس عمل کے ساتھ تقصیر پسندیدہ نہیں وہ کیا عمل ہے یعنی تیرے حبیبؐ کے حضور میں بندوں کا قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنعتِ تضرّع و انکسار و عجز و فروتنی تحفۂ صلوٰۃ وسلام کے ساتھ، خُداوندا وہ کونسا موقف و محل ہوگا جہاں افاضۂ خیر و نزولِ رحمت اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ خُداوندا مجھ کو یقینِ صادق ہے کہ یہ عمل تیری درگاہ میں مقبول ہوگا اور ہرگز باطل نہ ہوگا۔ حاشا حاشا و من جا، ھذا الباب لایخشی الرّد

خداوندا درد طلب روزافزوں رکھ اور صدق تشنگی زیادہ کر، جو نعمت کہ تو نے دی ہے اس کو واپس نہ لے اور جو شوق کہ بخشا ہے اس کو سلب نہ کر، جو اشارت کہ تو نے کی ہے اس کو ظاہر کر اور جو بشارت کہ دی ہے اس کو مؤثر رکھ، انک علیٰ کل شئ قدیر۔

خداوندا نیک لوگ چلے گئے اور جو مرد تھے وہ گزر گئے، اب ایسا زمانہ آیا ہے جس میں نیک ہونا دشوار بلکہ نیکی کا تصور بھی محال ہے لیکن اگر تو قوت دے اور تائید فرماتے تو آسان ہے، الٰہی اگرچہ چند نیک افراد باقی ہیں تو اُن کو تخم نیکی کے لئے نگاہ رکھ اور اس تخم سے شاخیں اور ثمر پیدا کر، اُمیدوں کو شاخ در شاخ کر اور دلوں کو باغ در باغ بنا ے

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَجْمَعِیْن

میرا ایک قصیدہ نعت میں ہے جس کے ساتھ میں کلام کو ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ عاقبت کار محمود ہو۔ قصیدہ اگرچہ اِس ملک میں لکھا گیا تھا لیکن زیارتِ مدینہ مطہرہ کی سعادت حاصل کرنے پر سیدِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے حضور میں پڑھا گیا اور درجۂ قبولیت کو پہنچ کر حصولِ معاملۂ حقیقی کا موجب ہوا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

قصیدہ

بیا اے دل دمے از ہستیِ خود ترکِ دعوےٰ کن
میفگن چشم بر صورت نظر در عینِ معنیٰ کن

فلک دی چوں نظر در عینِ معنیٰ بعد ازاں اے دل
چو عنقا از سرِ عزّت بقافِ فقر ماوے کن

زچاکِ سینہ ہر دم صد نوای دردِ دل بشنو
بدیں قانونِ محنت ترکِ بزمِ اہلِ دنیا کن

چو زیں دارِ فنا قصدِ سفر سوئے دگر داری
چرا غافل نشینی اے دل اسبابش مہیا کن

بصد خونِ جگر در زیر ساں کش تو سنِ نفست
بدیں ساں زادِ راحل گیرو قصدِ راہِ عقبیٰ کن

پس انگہ بر سرِ کوئے فنا نہ پای استغنا
وجودِ خویش را گم در شہودِ نورِ مولیٰ کن

اگر خواہی تماشائے جمالِ شاہدِ معنیٰ،
نخست ایں چشمِ صورت بیں بمیلِ عشق اعمیٰ کن،

بشاگردی درآ در مکتبِ جان پس بلوحِ دل
بتعلیمِ دبیرِ عشق حرفِ شوق املا کن

مبند ای خفتہ دل چشمِ تماشا سر فرو مفگن
بعینِ عبرت آخر سیرِ صنعِ حق تعالےٰ کن

چہ حاجت کز پئے خلوت روی در کنجِ تنہائی
بیا دِ دوست خود را از خیالِ غیر تنہا کن

بیا در انجمن خلوت گزین واز رو دیگر
بچشم دل جمال دوست را ہر دم تماشا کن

بسترش غیر را محرم مگردان بلکہ در خلوت
پنہاں پوشیدہ کن ذکرش کہ ازدل نیز اخفا کن

چو نفی ماسوی کردی چہ دل گو جان ہمہ ہیچند
ولیلت کل شئ ہالک الا وجہہ را کن

چو فرق واضح آمد درمیانِ مہلک و ہالک
ہلاک و نیستی را حکم بر ہر چیز حالا کن

کشس از پرکار کا خط عدم بر صفحۂ عالم
بسانِ دائرۂ آنرا محیط جملہ اشیاء کن

پس آنگہ نقطۂ ذاتست کا مد مرکز ہستی
برون زین دائرہ آن نقطہ را ثابت باِلا کن

برون از روی صورت در رہِ معنی دربدن دانش
میان نقطہ و آن دائرۂ غیریت افنا کن

ہماں نقطہ تحرک کرد و آمد دائرہ پیدا
مثال از بہر این از نقطۂ جوالہ پیدا کن

چو بینی نورِ مطلق خویشتن را درمیان ناری
ہوالحق از انا الحق بعد ازین مختار اولیٰ کن

مسمیٰ واحد و اسمای او از حد و عد بیروں
بهر اسمی شهودِ نورِ ذاتِ آں مسمیٰ کن ؛

در اسمای حقیقی شد مسمیٰ عین هر اسمی
عجب مشکل حدیث ست این بگوشِ هوش اِصغا کن

معمائیست مشکل در حسابِ عاقلاں وحدت
بتحصیلِ کمالِ نفس حلِ این معما کن

کمالِ نفس و هم تهذیبِ اخلاقت بدست آید
اگر این را هوس داری بنائے شرع برپا کن

حقیقت از شریعت نیست پیشِ عارفان بیروں
مثالِ آب بکشتی ساز و شبه آں بدریا کن

بریں کشتی نشیں تا بگذری زیں بحرِ بے پایاں
نہ چوں فرعون خود را غرقِ بحرِ کفر و اغوا کن

زبان مکشا بنا فرمودهٔ شارع سخن این ست
پی اسمای توفیقی زبانِ عجز گویا کن

دهان را قفلِ خاموشی نه و سربسته دار آں در
کلیدِ امرش آور و آں درِ سربسته را وا کن

وگر خواهی زبان بکشائی و در راهِ سخن پوئی
ثنائے بادشاهٔ یثرب و سلطانِ بطحا کن ۔

سریر آراے ملک آفرینش احمدِ مرسل
کہ پیش از وے نشد در مُلکِ ہستی کار فرما کُن

نشد تا بر سرِ منشور عالم خاتم حکمش
ز دیوانِ ازل نامد بران منشور طغرا کُن

بیانِ قربتِ او قاب قوسین ست اَو ادنیٰ
بمقدارِ علوِ قدرِ او این نیز ادنیٰ کن

قیاسِ رتبہ و مقدارِ فضل از انبیا تا وے
ز قطرہ تا بدریا یا ز ذرّہ تا بہ بیضا کُن

حبیب اللہ بود او انبیا را دان محب اللہ
قیاس کار از اسریٰ بعبدہ و جاء موسیٰ کُن

بخود می رفت موسیٰ لیکن او را حق بخود بردش
ز رفتن تا بہ بُردن فہم فرق آشکارا کُن،

چو خود بردند او را در حقِ او قد رأی گفتند
بموسیٰ لن ترانی فہم تفضیلش ازینجا کُن،

خطاب با عتاب اَن تولّیتم اگر خواندی
بایں دالی والا قدر ملکِ دین تولّا کُن،

اگر خیریتِ دُنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاهش بیا و ہر چہ می خواہی تمنّا کُن

بیا اے دل قدم نہ بر سر کوئے وفا وانگہ
ز راہِ صدق جان را خاک راہِ آں کفِ پا کُن

سرو تن را براہ جلوۂ آں سرو بالا کش
دل و جان را فدای حسنِ آں رخسارِ زیبا کُن

ثنایش گو ولی چوں نیست ایفایش ز تو ممکن
بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال ایفا کُن

مخواں او را خدا از بہرِ امرِ شرع و حفظِ دین
دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کُن

چو از انشارِ تفصیل صفاتش عاجزی اے دل
بیاو عرضِ حال خویش بر خدامش انشا کُن

خرابم در غمِ ہجرِ جمالت یا رسول اللہ!
بحالِ خود نما رحمے بجانِ زار بشیدا کُن

اسیرانِ تو جاں دادند در ہجرِ لبِ لعلت
دہان بکشا و از راہِ کرم احیای موتیٰ کن

جہاں تاریک شد از ظلمتِ ظلمِ سیہ کاراں
بیاو عالمے را روشن از نورِ تجلّے کُن

زیان کاراں بباز ارِ ہوا سودای زر دارند
شکستِ رونق و گرمی این بازار و سودا کُن

ہمہ بے ہمتانِ دہر بخجل آئینِ خود کردند
بلطفِ امعانِ مبیں وازکرم احیای محیا کن

ز ظلمِ ظالماں شورست و غوغا ہر طرف آخر
بعدل و رافت خود برطرف ایں شور و غوغا کن

بسنگِ سیم و زر جاہل گرانبارست از عالم
بمیزانِ عدالت قدرِ ہر یک را ہویدا کن

بصدیقِ صداقت پیشہ فرما تا قدوم آرد
طریقِ صدق و آئینِ وفا را باز پیدا کن

عمرؓ را باز بنشاں بر سریرِ معدلت آئیں
بدیں آئیں میانِ خلق رسمِ عدل احیا کن

ہمہ کس راست از عجب و تکبر دعوے اندر سر
ز سر بفرست عثمانؓ را و قطعِ امرِ شورا کن

بدفعِ حیلۂ ایں روبہان بفرست شیرِ حق
بفرمایش کہ قلعِ باغیان و قمعِ اعدا کن

بزورِ بازوئے خیبر کشا بنیادِ جہل افگن
رواج رونقِ بازارِ علم و کارِ تقوے کن

وگر نائی تو با یاراں بظلم آبادِ ایں دنیا
بدفعِ ظالماں حکمِ نیابت را بعیسےٰ کن

بہرصورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطفِ خود بہ سرو سامان جمع بے سر و پا کن

محبِ آل و اصحاب توام کارِ من حیداں
بلطفِ خویش ہم امروز و ہم در روزِ فردا کن

بیا حقی مدہ تصدیع خدا ہم جنابش را
کہ احوالِ تو معلوم ست اظہارش مکن یا کن

بقسمت باش راضی دم مزن آنا بشکرِ حق
سکونت ورز و تسکینِ دلِ خود از قسمنا کن ؛

تمت بالخیر

قال بعض احبابنا فی تاریخ ہذا الکتاب

طیب اللہ حقی انفاسک   زادک اللہ قوۃ و غنی

نام و تاریخ این کتاب عزیز   گر کنی ذکر الاولیاء احسن
۹۹۹